غالب شناسی ۲

انتخاب

اردو

و

فارسی

معہ دیباچہ

ظ انصاری

کچھ اس انتخاب کے بارے میں

نیا جاندار شعر وہ ہے جو زرا دیر تک نیا رہے۔ غالبؔ کے ہاں نیا پرانا سبھی طرح کا شعر ملتا ہے مگر وہ جو اپنے جنم دن سے سوڈیڑھ سو سال بعد آج تک تازہ دم معلوم ہوتا ہے اور خود ہماری زندگی کی پیچدار، ایک دوسری کو کاٹتی ہوئی، دور دراز تک پھیلی ہوئی پگڈنڈیوں پر ساتھ ساتھ سفر کرتا ہے، وہ اِس انتخاب کی نظر سے اوجھل نہیں رہا ہوگا۔

۳۵۰ صفحات کے اس 'انتخابِ غالب' کو چھاننے پھٹکنے میں کم و بیش تین ۳ سو طویل شامیں تو ضرور لگی ہیں۔ اور اس مدت میں اُردو اور فارسی کلام کے وہ سارے اِنتخاب نظر کے سامنے رہے جو پچھلے سو برسوں میں مختلف اہلِ ذوق نے کئے اور چھاپے ہیں۔ خود غالبؔ نے نواب رامپور کی خاطر جو انتخاب (۱۸۶۱ء میں) کیا تھا اور جسے مولانا عرشی نے بڑی نفاست سے، ٹائپ میں (۱۹۴۱ء) کرنل بشیر حسین زیدی کی خاص توجہ کے ساتھ شائع کرایا، وہ اس انتخاب کی بنیاد بن سکتا تھا، لیکن اس میں بھی بعض نئے اور جاندار شعروں کی غیر حاضری سے یہ گمان گزرتا ہے کہ غالباً شاعر کو اپنے ممدوح یا مخاطب کے مزاج کا زیادہ لحاظ رہتا ہوگا، اپنے بعد والوں کا نہیں، ورنہ اُن کے تخلیقی عمل میں تو تنقیدی عمل بھی ساتھ چلتا رہا ہے۔

اوّل اوّل یہ کام بھی فرمائشی تھا، دو ہزار اشعار میں کلامِ غالبؔ کا ایک اِنتخاب روسی زبان میں شائع ہونا تھا۔ ایک ایک مصرعہ اُلٹ پلٹ کر دیکھا گیا اور ۱۹۶۸ء کے ستمبر تک روسی زبان کے اہلِ علم اور اہلِ اَدب کی خاطر یہ کام مکمل ہو چکا تب مجھے تشنگی کا احساس ہوا۔ پھر سے سارے انتخابوں اور کُلّیات پر نظر ڈالی، تو دیکھا کہ بہت کچھ بچ رہا ہے جس کا لطف اہلِ زبان ہی لے سکتے ہیں، یُوں موٹی چھلنی سے چھن کر کوئی ایک ہزار شعر اور نکلے، اور پھر تیسری چوتھی بار ایک ہزار کے قریب مِلے۔ کمیاب اور نو دریافت نسخوں سے بھی چند شعر ایسے ہاتھ آئے جو ابھی عام نہیں ہوئے ہیں۔ بعض ایسے خیال جو اُوپر سے چلے آ رہے تھے، اور اسی لئے زبانوں پر چڑھے، دلوں میں اُترے ہوئے تھے، مگر غالبؔ نے اپنے برش سے کوئی رنگ ہلکا یا گہرا کر دیا ہے، لائن سیدھی یا ترچھی کر دی ہے، وہ بھی جگہ پا گئے، مگر وہ جن میں لفظ کی آوازوں کا، بندش کا، یا محض شہرتِ عام کا مزا تھا، وہ یہاں نہیں سماتے۔ وہ بھی شریک ہوتے تو ضخامت اب سے دوگنی ہو جاتی مفصّل دیباچے کو ٹیکسٹ بک کا رنگ دیا گیا تاکہ غیر مُلکی پڑھنے والوں کو اُس تمام ذخیرے کا ہلکا سا اندازہ ہو جائے جو غالب شناسی کے سلسلے میں قابلِ ذکر اور قابلِ قدر ہے۔

اِس اِنتخاب کو اپنے مکمل اور جامع و مانع ہونے کا دعوا تو نہیں، تاہم شاعر کے اُردو اور فارسی کُلّیات سے (جن میں اب چودہ ہزار سے زیادہ اشعار ملتے ہیں) یہ بڑی حد تک بے نیاز ضرور کر دیتا ہے اور فارسی اشعار پر ایک گہری نظر ڈالنے سے غالب کا وہ دعوا بھی ثابت ہوتا ہے جو وہ اپنے فارسی کلام کی برتری کے متعلق کیا کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اُنیسویں صدی میں فارسی جیسی پھیلی ہوئی، نفیس و شیریں زبان نے غالب دہلوی سے بڑا شاعر پیدا نہیں کیا۔

نیّت یہ تھی کہ فروری ۱۹۶۹ء میں صد سالہ برسی کے موقع پر یہ انتخاب شائع ہو جائے۔ کتابت کی کمزوریوں اور بیچ سفر میں راہوار بدلنے کی مجبوریوں نے ایسا نہیں ہونے دیا بہر حال خوشنویس نورالدین آزاد کی ہُنرمندی اور لیڈرز پریس کی فیّاضی سے اب کہیں تین برس بعد سوکھے دھانوں پانی پڑا ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ چار خوشنویسوں (عبدالسلام، سلامت رضوی، شمس اعظمی اور محمد قاسم) کے قلموں کے باوجود، کتابت کی غلطیاں باقی نہ رہیں۔

ترتیب کی کیفیت یہ ہے کہ ردیف کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اوّل چھپے ہوئے کُلّیات سے، اور پھر دوسرے مجموعوں سے، خطوں سے (ان کی اشاعت کا زمانہ دیکھتے ہوئے) ردیف وار شعر چُن دیے گئے ہیں۔ اِملا میں بھی نئے اور پُرانے کا امتیاز مدِ نظر رہا ہے۔

میں اشاعت کی تیاریوں سے کوئی سات ہزار کلو میٹر دور بیٹھا ہوں، پچھلے ڈیڑھ سال میں جو نئے مضامین غالب پر آئے ہوں گے، جو نئی تصانیف نکلی ہوں گی، جو نئے اشعار یا نکتے دریافت ہوئے ہوں گے، اگر وہ ہاتھ آتے تو اُن کا ذکر بھی دیباچے میں ہو جاتا۔ بہر حال اتنا ضرور ہے کہ یہ دیباچہ (جو ماہنامہ "کتاب" لکھنؤ میں شائع ہو چکا ہے) پچھلے سَو برس کی غالب شناسی کے اہم نکات کو اپنے دائرے میں لے لیتا ہے اور جو کچھ مجھے اپنی طرف سے کہنا یا جتانا تھا، وہ بھی مختصر لفظوں میں کہہ دیا ہے۔

اب غالب شناسی کے سلسلے کی تین کتابیں میری طرف بقایا ہیں، مونوگراف، مجموعہ مضامین، بعض اشعار کی وضاحت کے ساتھ مثنوی کے فن اور خود غالب کی مثنویوں پر ایک مجلّد۔ ان کی اشاعت کی باری بھی آئے گی۔ پہلے یہ دیکھ لیں کہ اس انتخاب سے کام یاروں کا بقدرِ لب و دنداں نکلا" یا وہ بھی نہیں نکلا۔

1970 (اِنسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز۔ آرمیانسکی نمبر ۲۔ ماسکو)

ھدیۂ انتساب

○

امیر الجامعۃ السیفیۃ (سورت)

ڈاکٹر یوسف نجم الدین صاحب

جن کی صحت و سلامتی
دنیا کے بہت سے علمی اور عملی کاموں کیلئے
صحت و سلامتی کی ایک خاموش ضمانت ہے

○

دگرست آں کہ کند سیرِ چمن مِثلِ نسیم
واں کہ در شد بہ ضمیرِ گل و نسریں دگرست

ظ۔ انصاری

غالبؔ شناسی کے زینے

مرزا غالبؔ نے سوچا فارسی میں، لکھا بھی زیادہ تر فارسی میں (اشعار کی تعداد گیارہ ہزار تین سو کچھ) زبانوں پر چڑھے اردو میں ______ (ان کے تقریباً دو سو اشعار خاص و عام کی روزمرّہ گفتگو کا حصّہ بن چکے ہیں۔) لیکن ان کی قدر ہوئی انگریزی پڑھے لکھوں کی بدولت یا مغربی ادبیات کا ذوق رکھنے والوں کے دَم سے۔ غالبؔ اپنی زندگی میں بھی مقبول تھے، تاہم یہ مقبولیت ایک محدود حلقے تک رہی، خاص طور سے ان تعلیم یافتہ لوگوں تک جو فارسی ادبیات پر نظر رکھتے تھے۔ ان کا اردو دیوان بائیس برس میں پانچ بار چھپ چکا تھا۔ یہ حیثیت غالبؔ کے ہم عصروں میں کسی کو نصیب نہ ہوئی تھی۔ فارسی دیوان جو اردو سے تقریباً چھ گنا ہے، زندگی میں دو بار شائع ہوا، اور پچھلے سو سال میں صرف پانچ اشاعتوں تک پہنچا ہے جن میں تین اڈیشن پچھلے سال مختلف مقامات سے نکلے ہیں۔ اردو دیوان اور انتخابات کی سَو سے زیادہ اشاعتیں نکل چکی ہیں۔

کیا راز ہے کہ غالبؔ کی قدر ان کے مرنے کے بعد زیادہ ہوئی؟

اسی سوال کو یوں پیش کیا جا سکتا ہے کہ غالبؔ کی شاعری اور شخصیت کا وہ کون سا پہلو ہے جو عہدِ حاضر کے ذہن کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے؟

غالبؔ پر قلم اٹھانے والے قابلِ ذکر اہلِ نظر نے اپنے اپنے طور پر اس سوال کے جواب دیے اور وہ جواب ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں، غالبؔ کی تلاش میں ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔

غالبؔ کی ان دریافت شدہ خصوصیات کا جائزہ لیتے وقت ہمیں یہ نظر میں رکھنا چاہیے کہ کوئی فنکار جو اپنی

زندگی کے بعد بھی جیتا ہے، محض ایک انگی (One sided) صفات سے نہیں جیتا۔ گہرائی کے سوا حسن، اور حسن کے سوا کوئی نہ کوئی نیا پن بھی ضرور ہوتا ہے اس کے پاس۔ یہ نیا پن ممکن ہے فنکار کے اپنے زمانے میں نمایاں رہا ہو، لیکن وہ زمانہ، ایک خاص تاریخی یا سماجی دَور گزر جانے کے ساتھ بے حیثیت ہو جائے، پُرانے پن میں شمار ہونے لگے۔ اور ممکن ہے ایک خاص دَور کے اندر کچھ اہم نہ ہو، وہ دَور گزر جانے کے بعد اہم ہو جائے۔

غالب کے ہاں جن خصوصیات کی قدر بعد میں ہوئی اور جنھیں ہم اس کے پورے شاعرانہ وجود میں اُبھرا ہوا دیکھتے ہیں وہ پُرانے اور نئے پن کا امتزاج ہیں۔ پُرانے ذخیرے کی بہترین روایات سے غالب نے قطعی طور پر رشتہ نہیں توڑا بلکہ ان کا رس اپنے ہاں جذب کر کے، ان پر نئے ذہن، فکر اور فن کے لب و لہجہ کا اضافہ کیا۔ وہ دونوں لحاظ سے اہم ہیں:
ان کی فکر میں فارسی اور اُردو، ادبیات کی بہترین لفظی اور معنوی روایات کے عناصر چھَن کر، صاف ہو کر اس طرح آئے ہیں کہ ان میں سوچ کا سامان بھی اتنا ہی ہے جتنا لفظوں اور آوازوں سے لُطف اندوز ہونے کا امکان۔ یہ صفات الگ الگ شخصیتوں میں بکھری یا پھیلی ہوئی تھیں۔ غالب کے ہاں وہ یکجا ہو گئیں اور اس طرح وہ قدیم و جدید کا سنگم بن گئے، اسی میں ان کا کمال پوشیدہ ہے۔

غالب کے معاصرین میں، جو ان سے قریب رہے اور جن کی رائے کو ہم عصر تنقید میں جگہ دی جا سکتی ہے، تین نام اہم ہیں: حالی، شیفتہ، اور میر مہدی مجروح۔

حالی نے غالب کے کمال کا راز ان صفات میں پایا ہے: تازگیِ بیان، جدتِ ادا، شگفتگی اور معنوی تہہ داری یہ بات کہ مرزا نے اپنے بیان کو اوروں سے الگ کیا، معمولی سے خیال کو اچھوتے انداز سے بیان کیا، ان کے ہاں طنز یہ مسکراہٹ اور چھیڑ خانی پائی جاتی ہے اور ایک شعر پہلو بدل بدل کر مختلف معانی رکھتا ہے، حالی نے ہم کو بتائی۔

(یادگارِ غالب ص ۱۳۰ - ۱۰۵)۔

شیفتہ کی ادبی کسوٹی پر غالب کا رنگ بہت کھرا ہے، وہ معانی کی نزاکت اور بیان کی متانت کو میزان بناتے ہیں اور میر کے بعد مومن اور غالب کو سب سے زیادہ وزنی قرار دیتے ہیں۔

مجروح نے نیاز مندانہ تقریظ میں (جو فارسی دیوان اشاعت اوّل کے آخر میں شائع ہوئی) غالب کی اس خصوصیت کو ابھارا ہے کہ ؎

براوجِ خرد ماہِ نو تافتہ
ریاضِ سخن سَروِ نو یافتہ

(عقل کی بلندی پر نیا چاند چمکا ہے، اور شاعری کے باغ میں نیا سَرو اُگ آیا ہے۔)

سرسیّد احمد نے بھی غالب کے کلام کی خوب تعریف کی ہے (آثار الصّنادید، باب چہارم)، لیکن اس بیان سے کسی خصوصیت کا اندازہ نہیں ہوتا، اس لیے ہم ان کی رائے کو ادبی تنقید میں شمار نہیں کریں گے۔

غالب کو عظیم شاعر کی حیثیت سے حالی نے روشناس کیا، لیکن اس کے کمال کی نشاندہی اقبال نے کی تھی، جو خود، کئی وجہوں سے غالب کے وارث سمجھے جاتے ہیں۔ اقبال نے غالب کے "لطفِ گویائی" میں تخیّل رسا اور "فکرِ کامل"، کی ہم نشینی دریافت کی ہے اور یقیناً غالب شناسی میں یہ ایک اہم نکتہ بلکہ اضافہ ہے:

فکرِ انساں پر تری ہستی سے یہ روشن ہوا
ہے پَرِ مُرغِ تخیل کی رسائی تا کجا
لطفِ گویائی میں تیری ہمسری ممکن نہیں
ہو تخیل کا نہ جب تک فکرِ کامل ہم نشیں

پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے درمیانی زمانے میں غالب کو اپنے بہترین نقیب میسّر آئے۔ یہی زمانہ متحدہ

ہندستان میں قومی آزادی کی تحریک کا عنفوانِ شباب سمجھنا چاہیئے۔ عبدالرحمان بجنوری نے غالب کو فکر و فن کا ایسا بے مثل ہیرو بنا کر پیش کیا جسے پندرہ[1] مختلف زاویوں سے دیکھنے کے بعد اس کی "تشکیک کامل" پر تان توڑی اور بتایا کہ غالب کی شاعری میں خود فلسفیانہ دریافت او زتلاش کے علاوہ مصوّری اور موسیقی کے بہترین نمونے پائے جاتے ہیں۔ (محاسن کلام غالب)

ڈاکٹر عبداللطیف نے جہاں غالب کے ذاتی کردار کے جھول نمایاں کیے اور اسے زر پرستی کا شکار بتایا، وہیں دیوان غالب کی تاریخی ترتیب کا آغاز کر کے یہ خصوصیت بھی ظاہر کی کہ لفظی صنعت گری میں غالب کا مقام دوسرے اردو شعرا سے بلند ہے اور اس کے تمام کلام میں گہری فکر کے عناصر بکھرے ہوئے ہیں۔ (Ghalib. Hyderabad 1924)

اسی زمانے میں غالب کے نظامی اڈیشن پر ڈاکٹر سیّد محمود کے دیباچے نے غالب کو ہندستان کی قومی آزادی کا فکری نقیب قرار دیا اور مولانا ابوالکلام آزاد نے بعض اطلاعات بڑھا کر اور ان پر تبصرہ کر کے، غالب کے اشعار سے جابجا حوالے دے کر عملی طور سے یہ ثابت کیا کہ سیاسی زندگی کے ہنگاموں میں بھی غالب کی شاعری کار آمد نکلتی ہے۔ غالب کو انھوں نے مزاجِ شاعری کے اعتبار سے عہد جدید (بیسویں صدی) کا شاعر ٹھہرایا۔ (ص ۳۲، غالب اور ابوالکلام۔ غالب اکاڈمی)

حسرتؔ موہانی اور نیازؔ فتح پوری بھی مولانا آزاد کی سی نگاہ اور آزادانہ فکری رجحان کے بزرگ تھے۔ غالب کو نئی روشنی کی لہروں پر رواں کرنے اور جدید تعلیم یافتہ حلقے میں پھیلانے کا ادبی فرض انجام دیتے وقت ان دونوں اہلِ قلم نے اسے جدّت، اختراع، آزادانہ فکر اور زندہ دلی کا شاعر قرار دیا۔ نیازؔ نے اس کے ہاں "تفاؤل و مسرّت" کا فلسفہ دریافت کیا اور اسی ضمن میں یہ بھی بتایا: "... غالب کی شاعری دراصل معنی آفرینی اور ندرتِ تعبیر و خیال کی شاعری تھی، لیکن وہ زندہ ہے دراصل اپنی زبان کی شاعری سے ـــــ جس کی مثالیں اس کے اردو کلام سے بھی کافی مل سکتی ہیں" ـــــ (غالب کا آہنگ" نیاز۔ لکھنؤ) اگر ڈاکٹر لطیف نے غالب کے خطوط اور اشعار سے یہ نتیجہ نکالا تھا کہ اس کے ہاں دنیاوی آسائش، مرتبے اور عزت کی کمی کا رونا بہت ہے جس سے کردار کی کمزوری ٹپکتی ہے اور بڑی شاعری کی صلاحیت برباد ہوتی ہے۔ تو غلام رسول مہرؔ نے غالب کو ہر ایک عیب سے پاک کر کے وَلی اللہ ثابت کر دیا۔ مہرؔ نے زیادہ تر

اسلامی مجاہدوں کے تذکرے لکھے ہیں۔ غالب کو بھی وہ خدا رسیدہ بزرگ بنا کر پیش کرتے ہیں، تاہم شاعری سے قطع نظر غالب کی نثر، خاص کر خطوط کو وہ اہمیت دی جس کے بغیر شاعر کی عظمت ظاہر نہ ہوتی۔

غالب کی حیات کے علاوہ ان کے فکری رجحانات اور فنکارانہ نظریات کو سمجھنے میں مولوی مہیش پرشاد نے "خطوط" کی اہمیت دریافت کی اور برسوں اس پر کام بھی کیا، لیکن نواب امداد امام اثر کی "کاشف الحقائق" نے فنکار کے ذہن کا سراغ لگانے میں خطوط اور شاعری دونوں سے یکساں کام لیا، دوسروں پر راہ کھولی۔

افراط و تفریط سے ہٹ کر شخصیت کی دریافت کے جدید نظریوں کو سامنے رکھ کر جس شخص نے غالب کی حیات اور شاعری کے رموز تلاش کیے وہ شیخ محمد اکرام ہیں۔ پاکستان کے قیام سے پہلے اور قیام کے بعد اس علاقے میں غالب پر مہر اور اکرام سے زیادہ کسی نے کام نہیں کیا۔ دونوں کا انداز نظر ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہے۔ اکرام نے غالب کی خصوصیات کا سُراغ لگانے میں یہ واضح کیا کہ شاعر نے کتاب فطرت کا گہرا مطالعہ کیا تھا، وہ ذہن کو قدیم کی تقلید سے آزاد کرانے میں عقلیت پر زور دیتا ہے اور "غالب کی افسردگی عام قنوطیوں کی طرح دنیا کی مذمّت کے باعث نہیں بلکہ دنیا کی دلفریب چیزوں سے لگاؤ کی وجہ سے ہے۔۔۔ یہ حزن و افسردگی اس آدمی کی ہے جو زندگی کی قدر و قیمت پہچانتا ہے اور جسے اس سے محروم رہنا ناگوار ہے۔" (غالب نامہ ص ۳۱۰) غالب کی عقلیت کو Rationalism سے تعبیر کرنے اور اس کی صحت اور برتری دکھانے میں اکرام نے صوفی شعراء خاص کر اقبال سے اختلاف کیا ہے اور غالب کی تائید کی ہے۔

مولانا امتیاز علی عرشی، مالک رام اور قاضی عبدالودود، غالبیات کے سلسلے میں ہندستان کے سب سے اہم نام ہیں، لیکن انھوں نے غالب سے متعلق واقعات کی تصدیق اور تفصیل پر کام کیا ہے، غالب کے فن و فکر کی تلاش پر زیادہ توجہ نہیں دی۔ مولانا عرشی اور مالک رام، دونوں کے نزدیک غالب کی دین اس کی نظم و نثر میں یکساں ہے اور دونوں میں ندرتِ خیال، معنی آفرینی اور جدّت ادا سب سے نمایاں خصوصیات ہیں۔ قاضی ودود اسے اردو شعراء میں باکمال علمی اعتبار سے ناقص، اچھا نثر نگار اور شگفتہ مزاج آدمی شمار کرتے ہیں۔ ("علم و فن" ڈائجسٹ۔ دہلی)

دوسری جنگ عظیم کے دوران اور اس کے فوراً بعد غالب کی مقبولیت اور بڑھی۔ یورپی ادبیات اور ذہنی تحریکوں سے باخبر اہل قلم اس طرف متوجہ ہوئے۔

نواب اثر لکھنوی نے "مطالعۂ غالب" میں یہ ثابت کیا کہ غالب کے ہاں غزل کی روایت سے انحراف ہے، سوز و گداز کی کمی ہے، اردو کے دوسرے شعرا خصوصاً میر کے خیالات کو لہجہ بدل کر لکھتے ہیں اور ان کے فلسفیانہ بیانات میں تضاد ہے۔ عشق میں بھی اپنی جان اور اپنی آبرو ان کو عزیز ہے۔ پروفیسر شوکت سبزواری نے غالب کے فلسفۂ حیات و موت، غم و نشاط، عشق و عقل پر قرآن و گیتا کے علاوہ مغربی فلسفے سے بھی روشنی ڈالی۔ (فلسفۂ غالب) اور نتیجہ نکالا:

"... ان کی شخصیت کی عظمت کا راز... غیر معمولی فکری صلاحیتیں ہیں۔ ان کی شخصیت فعلی ہے۔ انفعال غالب کے نزدیک "ہنگامۂ زبونیِ ہمت" ہے... غالب خود بیں، خود پسند اور آزاد منش ہیں۔ خود بینی سے عزتِ نفس، خود پسندی سے غیرت اور آزاد منشی سے خودداری پیدا ہوتی ہے... غالب کے کلام میں یہ تمام جوہر ہیں"۔ (ص ۲۵۳۔ غالب فکر و فن۔ کراچی)

احتشام حسین، آل احمد سرور اور فیض احمد فیض نے ایک قیمتی مضمون کے ذریعے غالب کے فکر و فن کے نمایاں اوصاف معلوم کیے۔ پروفیسر احتشام نے غالب کی جدیدیت کا سماجی پس منظر تلاش کرتے ہوئے یہ جتایا کہ دہلی سے کلکتے کا سفر، جدید ماحول اور ذہنی تحریکوں سے شاعر کی آگاہی اس کے خیالات تبدیل کرنے میں اہمیت رکھتی ہے۔ مستقبل کی جانب آنکھیں کھلی رکھنے اور قدیم کی فرسودگی سے اکتا جانے کی بدولت غالب کی شاعری اور نثر میں نئے عہد کا مزاج پیدا ہوا ہے۔ آل احمد سرور نے ایک عالمانہ اور شگفتہ تجزیے کے ذریعے بتایا کہ غالب اپنے سے پہلے کے اور موجودہ مسلّمات اور نظریوں کو، جوں کا توں، قبول نہیں کرتا بلکہ ہر ایک ضابطے اور عقیدے پر سوالیہ علامت لگاتا ہوا گزرتا ہے۔ اس کے ہاں ایک "صحت مند تشکیک" ہے۔ وہ خوشی اور غم دونوں میں کھو نہیں جاتا بلکہ دونوں کی حقیقت پر ایک تیسرے آدمی کی طرح غور کرتا ہے اور یہی تشکیک اس کے کلام کو تازہ دم رکھتی ہے۔ فیض نے غالب کی پریشاں حالی کے پردے میں ایک واضح اور نمایاں وحدت، "تلاش کی اور اسے ایک ایسی" اداسی" سے تعبیر کیا جو کسی فرد کے ذاتی غم کے بجائے ایک نسل یا دور کی اجتماعی ذہنی کیفیت ہے۔ اس میں ماضی کی یاد، حال کی بے کیفی اور مستقبل کی امید و ناامیدی کی کشمکش شامل ہے۔

مجنوںؔ اور فراقؔ گورکھپوری نے غالبؔ کی امتیازی خصوصیت، رمز و کنایہ، طنز، خودداری اور خودشناسی کو قرار دیا ہے۔ (نکاتِ مجنوںؔ ۱۹۲۔ حاشیہ ۸۴ علم و فن ڈائجسٹ۔ انٹرویو) فراقؔ نے ادب کے طالب علموں کو یہ جتا کر احسان کیا کہ غالبؔ کے ہاں عشقیہ شاعری بہت کم ہے اور دُنیا کی بڑی شاعری میں عشقیہ حصّے کم ہی شامل ہیں۔ ان دونوں فاضل تنقید نگاروں کو اتفاق ہے کہ "غالبؔ کے تغزّل اور تصوّف دونوں کو دل سے کہیں زیادہ دماغ سے تعلق ہے" (ص ۲۴۔ نکاتِ غالبؔ کے عشق میں سپردگی نہیں، طنز کا لہجہ اور لیے دیے رہنے کی کیفیت ہے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین نے اپنے مختلف خطبوں میں غالبؔ کی بعض خصوصیات پر زور دیا ہے، وہ "فکر کے عنصر، شخصیت کی انفرادیت" اور الفاظ کی خاص طرح کی بندش کو شاعر کا کمال قرار دیتے ہیں۔

"...جن اشعار میں فکر کا عنصر نہیں، وہاں بھی آہنگ اور لہجہ اور الفاظ کی بندش سے شعر پُر فن ہو گیا ہے اور وہ صرف اس وجہ سے کہ ان کی شخصیت کی انفرادیت ان کے اسلوب کی ندرت بن گئی تھی..." (افتتاحیہ خطبہ، غالبؔ اکاڈمی دہلی)

قریب قریب آدھی صدی غالبؔ کا سنجیدہ مطالعہ ہو چکنے کے بعد اردو ادب کے جانکاروں میں اب یہ بات بدیہی سمجھی جاتی ہے کہ غالبؔ عہد حاضر کے مزاج کا شاعر ہے، اس کے ہاں گہرا تفکر رواں دواں ہے، اس کا لہجہ مردانہ ہے، وہ عشق کے معاملات میں بھی خودداری سکھاتا ہے۔ اس کے آہنگ پر فارسی کے کلاسیکی لب و لہجہ کا اثر ہے۔ وہ ذہنی فرسودگی سے نفرت پیدا کرتا ہے۔ اس کے بیان کی شوخی محض ظرافت نہیں بلکہ بامعنی اور گہرا طنز ہے ایک ایسے وجود کا، جو خود کسی اعتقاد یا نظریے کا پوری طرح پابند نہیں۔

پچھلے دس پندرہ برسوں میں غالبؔ شناسی نے اس مقام سے آگے قدم اٹھایا ہے۔ خلیفہ عبدالحکیم نے فلسفے کے گہرے مطالعے اور فارسی ادبیات پر وسیع نظر رکھنے کے علاوہ، غالبؔ کی حکمت اور شاعری کو اقبالؔ کی ہم نشینی سے بھی حاصل کیا۔ انھوں نے رہنمائی کی کہ "برگزیدہ اشعار کی تعداد فارسی کے کلام میں بہ نسبت اُردو مجموعہ اشعار کے کہیں زیادہ ہے...

اس کا فارسی کلام فن کے لحاظ سے اردو کلام کی بہ نسبت بہت سلجھا ہوا ہے" اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ "غالب نے فارسی شاعری اردو کے بہت بعد شروع کی اور ایسے اساتذہ کے نمونے اپنے سامنے رکھے جن کے کلام میں سلاست اور لطافت تھی" (افکار غالب ص ۲۰-۱۹) انھوں نے غالب کے فارسی کلام میں "برگزیدہ اشعار کی تشریح کی اور اس نکتے پر زور دیا کہ غالب کے کلام میں لامتناہی کی تمنا کسی محدود شے سے مطمئن نہیں ہوتی اور اس طرح حرکت وحیات کا سبب بنتی ہے۔ غالب کے اہم فارسی اشعار کی وضاحت اور تفسیر کر کے انھوں نے غالب کی مقبولیت کا ایک اور باب کھول دیا۔

میکش اکبر آبادی نے، کہ خود بھی خاندانِ صوفیا کے باقیات سے ہیں، غالب کو علم اور عقیدے کے اعتبار سے صوفی قرار دینے کے بعد اپنے مختلف مضامین سے ثابت کیا کہ وجود و عدم اور حیات و موت کی حقیقت دریافت کرنے میں شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کے نظریہ "الحق محسوس والخلق معقول" سے بھی ہٹ گئے اور شنکراچاریہ کے ویدانت کو بھی پیچھے چھوڑ گئے۔ تصوف اور ویدانت کے اصول جہاں ہم زبان ہو جاتے ہیں، غالب وہاں ٹھہر کر آگے نکل تو گئے لیکن محسوسات کے حسن سے بے نیاز نہیں ہو سکے۔ یہ بھی ان کی شاعری کا ایک دل کش پہلو ہے۔

ممتاز حسین نے مارکسی تعلیمات کی روشنی میں غالب کے 'میں' اور 'ہم' کی تشریح کی اور بتایا کہ غالب نے غزل کی رمزی یا ایمائی زبان میں ذاتی تجربات کو عمومی شکل (Impersonal) دی ہے اور عصری جذبات کی ترجمانی کی ہے۔ وحدت الوجود کے نظریے کی مدد سے یہ سمجھا کہ "کائنات اپنی ذات (Essence) میں ایک ہے اور اپنی صفات (Attributes) میں کثرت پذیر ہے۔ تمام عالم فطرت اکائی ہے اور ترغیبات یا خواہشات جو زندگی کا سرچشمہ ہیں، نہ ان سے بے پروائی یا تیاگ میں نجات ہے، نہ بے لگام چھوڑ دینے میں ـــــ ضرورت ہے ایسی فطرت پرستی کی جس میں انسانی ہمدردی شامل ہو یعنی Humanized paganism غالب کی حسن پسندی میں سردار جعفری نے بھی اسی پہلو پر زور دیا ہے۔ (دیباچہ دیوان غالب) ممتاز حسین نے اپنی تازہ تصنیف "غالب کا فن" میں اسی تلاش کو اور آگے بڑھایا ہے اور زندگی کے خارجی واقعات کا عالمانہ تجزیہ کر کے ہمیں ان رشتوں کے سمجھنے میں مدد دی ہے جو شاعر کے فکری اور ذہنی محرکات میں پوشیدہ ہیں۔

خورشید الاسلام نے غالب کا مطالعہ ہندستان کے فارسی شعراء اور کلاسیکی اُردو ادب کے پس منظر میں کیا اور ثبوت کے ساتھ دکھایا کہ غالب کے ہاں تصوّف نمایاں ہے لیکن ساتھ ہی "مادیت یا حقیقت پسندی کا بھی ایک رجحان ملتا ہے جو تصوّف کے مقابلے میں زیادہ قوی ہے۔" (غالب۔ علی گڑھ ۱۹۶۰ء) نوجوانی میں ہی غالب کے ہاں ایک آفاقی انداز ہے۔ اور یہی انداز ہمارے دلوں کے دامن کھینچتا ہے۔ غالب کا تنگیِ کائنات کا شکوہ، دراصل اپنے حق کا مطالبہ ہے اور یہ حق اس کو پہنچتا ہے جس کے حوصلے قوی، آرزوئیں تازہ اور شوق بے پایاں ہوں۔ غالب کے شاعرانہ کمال کی دریافت میں شیخ اکرام کے پچیس سال بعد موسیٰ خاں کلیم دوسرے آدمی ہیں جنھوں نے نفسیات کی پوری مدد لی ہے۔ شخصیت کی تین سطحوں، شعور، تحت الشعور اور لاشعور کو ایک رشتے میں پرو کر یہ جتایا کہ غالب کی اکثر غزلوں میں باطنی یا معنوی وحدت اور مضمون یا خیال کا رُبط پایا جاتا ہے۔ (مقام غالب ص ۲۱۰۔ ۲۴۰) غالب کے وجدان میں دماغ شریک ہے، وہ شعوری فنکار ہے اور قلبی کیفیت کے بیان کرنے میں خرِدِ تخیلی (Imaginative reason) سے کام لیتا ہے۔ یہی صفت اسے فارسی اردو شعراء میں منفرد اور ممتاز بناتی ہے۔

ڈاکٹر یوسف حسین خاں نے خاص طور سے غالب کے آہنگ کو اپنا موضوع بنایا اور تفصیل کے ساتھ بتایا کہ غالب کو صرف اس عہد کے سیاسی اور معاشرتی حالات میں تلاش نہیں کرنا چاہئیے —— ایک سے حالات کے دو شاعر دو الگ جذباتی دنیائیں رکھ سکتے ہیں اور رکھتے ہیں۔ غالب کی "تخیلی فکر منطقی اور تخیلی فکر کے برخلاف ان کے وجدان سے سیراب ہوتی ہے... ان کے کلام کی بڑی خوبی یہ ہے کہ... اپنے تیکھے مردانہ پن کو موسیقی میں رچا دیا" —— (غالب اور آہنگ غالب۔ دسمبر ۱۹۶۸ء دہلی) انھوں نے اپنی تازہ ترین تصنیف میں انھیں خصوصیات کو بلا ترتیب جمع کر دیا ہے، جو آج تک لکھی جا چکی تھیں لیکن "تیکھے مردانہ پن کو موسیقی میں رچانے" کا دعوا بے دلیل جانے دیا۔ غالب کے آہنگ پر ڈاکٹر مسعود حسین خاں نے البتہ روشنی ڈالی ہے اور مثالوں سے واضح کیا ہے کہ خود صوتی آہنگ میں شاعر بڑی احتیاط سے کام لیتا ہے۔ بحروں اور الفاظ و علامات کے چناؤ میں غالب کو جذبے کی نوعیت سے تال میل مدنظر ہے۔

نیاز فتح پوری نے غالب کے ہاں اس نکتے پر زور دیا تھا کہ اچھی غزلوں میں، اگر غور سے دیکھا جائے تو

کوئی نہ کوئی ایک مصرعہ ضرور ایسا پایا جاتا ہے جو غالباً سب سے پہلے ذہن میں آیا اور اسی نے پوری غزل کی تحریک کی۔ اس مکمل مصرعے، محاورے یا لفظ و ترکیب میں خاص قسم کا آہنگ ہوتا ہے جو غالب کی نظر میں چڑھ جاتا ہے اور پھر اسی آہنگ کے سانچے میں غزل ڈھلتی ہے۔ (سالنامہ نگار۔ جنوری ۱۹۶۱ء) **مسعود حسین خاں** نے اس میں یہ اضافہ کیا کہ **غالب** اپنی غزل کے موڈ کے مطابق حروف اور آوازیں چنتے ہیں۔ مثلاً وہ غزل ... "درد سے بھر نہ آئے کیوں ... کوئی ہمیں ستائے کیوں" نو شعروں میں شاعر نے ۴۱ بار نون استعمال کیا ہے۔ (Nasalized vowels) کے ذریعے غنائیت اور غمگین موسیقی پیدا کی ہے... "ستائے نہ بنے ... بنائے نہ بنے" قافیہ ردیف کی غزل میں نون (ن) ۵۱ بار استعمال ہوا، اس میں نون غنہ بھی ہے اور نون منقوطہ بھی ___ جس کی تکرار سے خاص طرح کی آوازیں پیدا ہوئی ہیں اور پوری غزل میں درد کی کیفیت پیدا کر دیتی ہیں۔ ایک نئی بات موصوف نے یہ جتائی کہ غالب کے منتخب دیوان میں جو دو درجن اعلا درجے کی غزلیں ہیں ان میں ٹ، ٹھ، ڈ، ڈھ، ڑ وغیرہ ثقیل آوازوں سے پرہیز کیا ہے تاکہ آہنگ میں سختی و کرختگی پیدا نہ ہونے پائے۔ ("غالب کا صوتی آہنگ" مقالہ، سیمینار۔ دہلی۔ فروری ۱۹۶۹ء)

ڈاکٹر مغنی تبسم نے لسانیات (Linguistics) کے اصولوں سے جانچ کر یہ دکھایا ہے کہ غالب نے اوزان کے آہنگ سے بڑا کام لیا ہے اور "اکثر صورتوں میں اپنے لہجے کو وزن کے مقررہ آہنگ پر حاوی کر دیا ہے۔" (شاعر۔ غالب نمبر ۱۹۶۹ء۔ بمبئی)

پروفیسر اسلوب احمد انصاری نے انگریزی کی رومانوی اور جدید شاعری پر تنقیدی ادبیات کی نظر سے **غالب** کی خصوصیات کا پتہ لگایا اور توجہ دلائی کہ **ولیم بلیک** (William Blake) کی شاعری کی طرح "نگاہ" کو یہاں بھی مرکزی حیثیت حاصل ہے ___ **غالب** اپنے نفسیاتی تجربوں، جذبوں اور تخیلی کیفیتوں کو ایسی جسمانی علامتوں کے ذریعے ابھارتا ہے جن میں رنگ، حرکت، بیتابی اور مقناطیسی صفت پائی جاتی ہے۔ مثالی پیکروں کے ذریعے اس نے مبہم جذبے اور مجسم وجود کا تعلق پیدا کر دیا ہے۔ وہ جب ایک بے پردہ جسمانی تجربے کو بھی بیان کرتا ہے تو اس طرح کہ خیال ان حدوں سے آگے بڑھ جاتا ہے اور تخیل کو مہمیز لگتی ہے۔ غالب کے شاعرانہ کمال کا نمایاں وصف یہی ہے کہ وہ ہماری آنکھوں

اور کانوں کو بیک وقت متوجہ کرلیتا ہے۔ وہ ایسے رنگ چُن دیتا ہے جو بے ارادہ ہماری نظر کھینچ لیتے ہیں اور پھر "آشتیِ چشم و گوش" سے واضح اور بے قرار تصویریں منظرِ تصور پر جلوہ گر ہوتی ہیں۔ (مقالہ سیمینار دہلی۔ فروری ۱۹۶۹ء)

ڈاکٹر محمد حسن نے مختلف موقعوں پر غالب کی شاعرانہ صفات کا جائزہ لیا ہے۔ تازہ ترین جستجو میں انھوں نے غالب کو "نئی داخلیت کی آواز" قرار دیا۔ کہا کہ اس کا "جذبہ روایتی کے بجائے انفرادی ہے۔۔۔ اس نے اردو شاعری کو صرف سوچنے کی قوت نہیں بخشی بلکہ شکستوں اور ناکامیوں سے بلند ہو کر زندگی گزارنے کا موقع دیا۔۔۔ اَبدی جستجو غالب کا سب سے عظیم ورثہ ہے۔۔۔ وہ جس طرح نئی نسل کی افسردگی، تشکیک، کلبیّت اور شکست خوردگی میں شریک ہوتے اور سہارا دیتے ہیں اس طرح اردو کا کوئی دوسرا شاعر شریک نہیں ہوتا۔۔" (فروغ اردو لکھنؤ۔ غالب نمبر ۱۹۶۹ء)

پروفیسر محمد مجیب نے غالب کے کلام کے فکری پہلو یا فلسفیانہ آہنگ کا تانا بانا معلوم کر کے بتایا تھا کہ نوفلاطونی فلسفے، ایرانی تصوف اور ہندستانی ویدانت کے باریک تار اس شاعر کی انسانیت دوست نگاہ کے تار سے مل گئے ہیں اور خوش بیانی نے انھیں سننے یا پڑھنے والوں کے لیے دل کش بنا دیا۔ پروفیسر سرور نے اس پر یہ اضافہ کیا کہ جدیدیت (Modernity) سے غالب کا یہ گہرا رشتہ ہے کہ اس کی شاعری شروع دَور سے ہی، سننے کے بجائے پڑھنے کی چیز ہے، دوسرے وہ کسی نظریے یا فلسفے کی پابند نہیں۔ تیسرے یہ کہ غور طلب ہے اور سوچنے پر اُکساتے وقت وہ اپنی عظمت کا سکّہ جماتی ہے۔ (مقالہ سیمینار علی گڑھ۔ مارچ ۱۹۶۹ء) انھی خیالات کی مزید علمی وضاحت ہوتی ہے تین تازہ ترین مقالوں سے: ایک پروفیسر عالم خوندمیری کا بیش قیمت مضمون "غالب کی ابتدائی شاعری، تلاشِ استناد کی ایک کوشش"، وہ کہتے ہیں کہ ۲۵ برس کی عمر میں شاعر کو وجود کی ماہیّت کا شاعرانہ وجدان ہو گیا تھا۔ تنہا غالب ہے جس نے "وحشت" میں وحدت کا راز پایا۔ "غالب کے نزدیک وحشت اور تمنّا یا شوق میں ایک گہرا اندرونی ربط ہے۔۔۔ انھیں کائناتی تمنّا کے مقابلے میں موجود کائنات محدود نظر آتی ہے اور اسی لیے وہ کائنات کو وسیع تر دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس کے لیے شوق ایک عقیدے سے کم نہ تھا۔۔۔ یہی شوق اور تمنّا ہے جو وجود کے ہر پیکر کو فردیت عطا کرتا ہے۔ فردیت کا یہی شدید احساس غالب کو تنہائی کے اضطراب سے دوچار کرتا ہے اور اس تنہائی کے احساس سے بے چین ہو کر

وہ اپنی شخصیت کو مستند یا authentic بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کی پوری شاعری تلاشِ استناد کی ایک داستان ہے۔۔۔" (Urdu Blitz, 1st March 1969) ڈاکٹر وحید اختر بھی عالم خوندمیری کی طرح غالب کی فلسفیانہ جستجو کرتے ہوئے اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ غالب بیسویں صدی کے فکری میلان کے پیش رو اس لیے ہیں کہ مذہب، فلسفہ، سیاست، ادب، آرٹ، ہر شعبے میں ان کے ہاں تشکیک ہے۔ "غالب نے اپنے کو کسی عقیدے، کسی فلسفیانہ نظام یا کسی محدود تصوّر سے وابستہ نہیں کیا" اس لیے گزشتہ کل کے بعض نظریات اگر آج رد کر دیے جائیں تو غالب اپنی ناوابستگی (Unconformism) کی بدولت قبول کیے جائیں گے۔۔۔" وہ سب کے ہم نوا ہوتے ہوئے بھی سب سے آزاد ہیں"۔

ڈاکٹر وزیر آغا بھی فلسفہ اور مغربی ادبیات کا پاکیزہ ذوق رکھتے ہیں اور انھوں نے بھی جدید ادبی تنقید کے معیاروں سے غالب کے شاعرانہ اسرار تلاش کیے ہیں۔ وزیر آغا نے اپنے حالیہ دو مضمونوں میں غالب کی شخصیت کے اندرونی تصادم سے اس کی مقبولیت کا راز معلوم کیا اور اس کے ذوقِ تماشا کو اہمیت دیتے ہوئے بتایا کہ زندگی کے مختلف مظاہر کے لیے غالب ایسا تماشائی ہے جو تماشے میں شریک ہو کر، لطف اندوز ہو کر رائے زنی کرتا ہے اور طنزیہ موڈ میں مسکرا دیتا ہے۔ وہ ہجوم میں رہ کر بھی اس سے اوپر اٹھ جاتا ہے۔ (شاعر۔ غالب نمبر ۱۹۶۹ء۔ بمبئی)

صد سالہ جشن کے ضمن میں غالب شناسوں کے جو نام ابھرے ہیں ان میں پروفیسر ممتاز حسین، ڈاکٹر وزیر آغا، خورشید الاسلام، موسیٰ خاں کلیم، آفتاب احمد خاں، افتخار جالب، قدرت نقوی، شکیل الرحمن کے علاوہ اطالیہ کے الیکساندر بوسانی، لندن کے رالف رسل اور روس کی نتاشا پریگارینا بھی قابلِ ذکر ہیں۔ فکری نظریات کے اختلاف کے باوجود ان سب کی نظر اردو فارسی ادب کے اس تمام سرمائے پر ہے جو غالب کی آخری خاموشی کے بعد سے اب تک منظرِ عام پر آچکا ہے۔

رالف رسل اور خورشید الاسلام کی مشترکہ تالیف ("Ghalib life and letters") "اگرچہ محض مستند سوانح مرتب کرنے کی کوشش ہے، تاہم اس میں خطوط اور اشعار کی مدد سے ایک نفسیاتی نکتہ حل کیا گیا ہے:

اپنے اردگرد کے حالات، خواہشات، تمناؤں اور عقیدوں کی تشکیل میں اس شاعر کا برتاؤ بچپن سے ہی "بظاہر آشنا، بباطن بیگانہ" کے سانچے میں ڈھل گیا، عاشقی ہو یا شاعری، درباداری ہو یا بے تعلقی، ہر عمل میں وہ "باہمہ اور بے ہمہ" رہتا ہے اور اسی برتاؤ کی ڈھال سے زندگی کی ناگواریوں کو گوارا کرلیتا ہے۔ یہ برتاؤ جو ۱۸۵۸ء "دستنبو" شائع کرتے وقت سامنے آیا، دراصل غالبؔ کے بچپن سے ہی اس کے پورے وجود میں رس بس چکا تھا۔

نتاشا پری گاربینا نے چند اہم علامات چن کر غالبؔ اور اقبالؔ کے ہاں ان کے تلازمے تلاش کیے اور یہ حیرانی ظاہر کی کہ اقبالؔ جنھیں فکر و فن میں غالبؔ کا وارث سمجھا جاتا ہے، غالبؔ کے چراغ تمنا و جستجو سے روشنی تو ضرور لیتے ہیں لیکن اس سے ایک معاشرے، ایک محدود دُنیا کی تاریکی دھونا چاہتے ہیں، ان کا علم غالبؔ سے کہیں وسیع لیکن تخاطب غالبؔ کے مقابلے میں نہایت محدود ہے۔

غالبؔ کی دین اور اس کے فنکارانہ کمال پر مختلف خیالات رکھنے والوں نے پچھلے سو سال میں جو نکتے بیان کیے ہیں، ان سب سے اتفاق نہ کرنے کے باوجود، اتنا ضرور ہے کہ ہر ایک پہلو سامنے آجاتا ہے اور غالبؔ کا مطالعہ کرنے والے کو نہ صرف یہ کہ غالبؔ کی نظم و نثر کی تمیز پیدا ہوتی ہے بلکہ وسیع پیمانے پر پرانی اور نئی ادبی شناخت میں ذوق کو تربیت اور نگاہ کو وسعت بھی ملتی ہے۔

یہ صحیح ہے کہ غالبؔ کی بڑھتی ہوئی مقبولیت میں زمانے کے مزاج اور مذاق کی تبدیلی کو بہت دخل ہے اور خود شاعر کو اس تبدیلی کا کچھ کچھ احساس تھا۔ اگرچہ اس نے بعض اوقات مایوسی کا اظہار کیا لیکن زمانے کے تعلق سے جو آواز اس کی نظم و نثر پر حاوی ہے وہ استقبال کی ہے۔ وہ آنے والے زمانے کو نہیں کوستا، اس سے امیدیں وابستہ کرتا ہے، وہ اپنے دکھوں اور اپنے طبقے یا ہم وطنوں کی حالت پر کڑھنے اور طنز کرنے کے باوجود، زمان و مکان سے بے تعلق یا بیزار نہیں ہوتا بلکہ اس کے پوشیدہ امکانات تک نگاہ پہنچاتا ہے۔ اور ہم کو بھی مشورہ دیتا ہے کہ ایسے دیدہ ور صاحب نظر لوگوں سے رہنمائی حاصل کرو جو پتھر کے سینے میں چھپے ہوئے شرارے دیکھ لیں۔ (قصیدہ ۲۶۵۔ ردیف "ببیند") اگر انسان کی نگاہ گہرائیوں میں نہ اتر سکے حقیقت

کا سراغ نہ پاسکے، تب بھی اس حسنِ فطرت سے منکر نہ ہونا چاہیئے جو آنکھوں کو میسر ہے، ذوق و ذہن کو تازگی عطا کرتا ہے۔ مختصر سی انسانی زندگی میں آسائش و آرائش کی تلاش گناہ نہیں بلکہ جبر میں اختیار کے دائرے کو وسیع کرتی ہے۔ زندگی اور فن کے متعلق غالب تفکر کا قائل ہے۔ علوم میں معقولات (Natural Sciences) کی تحصیل پر زور دیتا ہے، ہر ایک منظر پر آنکھیں کھلی رکھنے اور اس کی تہہ میں اترنے کو ذہنی آدمی (intellectual) کا فریضہ قرار دیتا ہے، تاہم اس کا نقطہ نظر عملی ہے —— حسن و عشق کے معاملات میں وہ انسانی فطرت کے اس المیے سے آگاہ ہے کہ خواہشوں کی کثرت محرومی کا سبب بنتی ہے اور برق کی عبادت کرنے والا ہی پیداوار جل جانے کا افسوس کرتا ہے۔ حیات و موت میں بھی جبر و اختیار کی یہ کش مکش جاری ہے، یہ المیہ، یہ کش مکش، یہ اثبات و نفی کی درمیانی حالت اس کا دل ضرور دکھاتی ہے لیکن شوق، تمنا اور کوشش و کاوش سے اکتاتی نہیں، بلکہ اور اتساہ پیدا کرتی ہے۔ اگر زندگی اور فن دونوں کے متعلق اس کا برتاؤ عملی اور اس کا اضطراب نتیجہ خیز نہ ہوتا تو اس قسم کے سیکڑوں اشعار اس کے کلام میں اور خطوط میں جا بجا بکھرے نہ ہوتے:

بس ہجومِ نا امیدی خاک میں مل جائے گی
یہ جو اِک لذّت ہماری سعیِ بے حاصل میں ہے

دِل سے اُٹھا لطفِ جلوہ ہائے معانی
غیرِ گُل آئینۂ بہار نہیں ہے

گر بمعنی نہ رسی، جلوہ صورت چہ کم ست؟
خمِ زلف و شکنِ طَرفِ کلا ہے دریاب

نہیں بہار کو فرصت نہ ہو، بہار تو ہے!
تراوتِ چمن و خوبیِ ہوا کہیئے!

یہ عملی نقطہ نظر اس کی نظم و نثر میں چند غیر معمولی خصوصیات اُبھارتا ہے، جنھیں ہم یوں شمار کر سکتے ہیں:

(۱) وہ انتہائے غم اور زبردست نشاط کے لمحوں میں بھی ہوش مندی سے ہاتھ نہیں دھوتا۔ ہر موقع پر لیے دیے رہتا ہے۔ "یک گونہ بے خودی" اس کی پالیسی (Policy) یا وقتی تدبیر ہے، کریڈ (Creed) یا ایمان نہیں۔ کوئی بھی ذہنی یا جذباتی عالم ہو، اپنے اور کائنات کے وجود سے غافل ہو جانا اسے گوارا نہیں۔

رومانوی دور کے شاعروں کی افتادِ طبع کے خلاف وہ نہایت سنبھلا ہوا شاعر ہے۔ کسی کیفیت میں اسے بے قابو ہو جانا پسند نہیں، اپنی شاعری میں [دو تین شعروں کو چھوڑ کر] اور خطوں میں یہ وہ فضا قائم کرتا ہے کہ انسان کو شہد کی نہیں، مصری کی مکھی بننا چاہیے کہ لذّت تو حاصل کرے، اس لذّت میں ڈوب نہ جائے۔ غالب سے زیادہ کھُل کر ۱۹ ویں صدی کے کسی شاعر نے یہ بات نہیں کہی:

در دہر فرو رفتۂ لذّت نتواں بود

بر قند، نہ بر شہد نشنید مگس ما

(دنیا ایسی ہے کہ انسان کو لذّت یا عیش میں ڈوبنا نہیں چاہیے۔ ہماری مکھی شہد پر نہیں مصری پر بیٹھتی ہے)

فنکار کو بھی اس کا کچھ ایسا ہی مشورہ ہے کہ اپنے باطن کو، اپنے فنّ ضمیر کو منظرِ عام پر لاؤ، لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ قدم ڈگمگا جائیں، اپنی جگہ مضبوطی سے تھامے رہنا "جارانگاہ وار وہم از خود جدا برقص" ادب اور زندگی، دونوں کے بارے میں غالب کی یہ "خودنگری" خودداری، سنجیدگی اور رکھ رکھاؤ عزّتِ نفس کا ماحول پیدا کرتی ہے۔

(۲) دنیا کے کئی عظیم شاعروں کی طرح غالب کی شاعری بھی ایک تاریخی دَور کا موڑ دکھاتی ہے۔ مختلف لفظوں میں اس نے خود بھی یہ اظہار کیا ہے کہ "کعبہ مرے پیچھے ہے، کلیسا مرے آگے" ــــــ زندگی کے حالات اور زندگی کی تمناؤں کا زبردست تصادم اس کے کلام میں دو رنگی دھاریاں ڈالتا ہے۔ اور ایک ایسے رومانوی یا تصوّری ہیرو کا پیکر اُبھارتا ہے جو روزمرّہ کی زندگی سے اوپر اٹھ کر کچھ خواہشوں، تمنّاؤں اور آدرشوں میں زندہ ہے۔ وہ غالب جسے امیروں کے آستانوں پر، شکستہ دربار کی ہلکی پھلکی محفلوں میں، گورنروں کی بارگاہ میں سرجھکا کر قصیدہ یا قطعہ پیش کرنے کی مجبوری درپیش رہی، روزمرّہ کی زندگی کے ہاتھوں بے بس اور موروثی عادات کے شکنجوں میں

جکڑا ہوا غالب ہے، اور وہ جو اپنے طرزِ بیان اور طرزِ فکر میں جُدا راہیں تلاش کرتا ہے، ذہنی آزادی کے گُن گاتا ہے، فکر کو تلاش کی راہ پر رَواں اور تازہ دَم رکھنے کا دعویٰ کرتا ہے، اور اپنے زمانے کی کسی روش سے مطمئن نہیں ہوتا، وہ اس کی تمناؤں یا آدرشوں کا تراشا ہوا پیکر ہے۔ پہلے وجود کو اس کے بزرگوں نے اور گھریلو حالات نے جنم دیا تھا، دوسرے وجود کو خود غالب نے اپنی تلاش اور فکر وفن کی آمیزش سے تراشا ہے۔ غالب کا یہ تصوّری وجود بھی اپنے لیے "میں" اور "ہم" کی ضمیر استعمال کرتا ہے اور یہی مرزا اسداللہ کا وہ نعم البدل ہے جسے نسلِ حاضر نے غالب کے کلام سے حاصل کیا۔

(۳) فارسی اردو شاعری کے ایک ہزار سالہ ادبی ورثے میں غالب سے بڑھ کر کسی نے "عقلیت" پر اتنا زور نہیں دیا۔ جرمن فلسفی کانٹ کے "Pure Reason" (عقلِ محض) کی اطلاع غالب کو نہیں تھی، لیکن عقلیت، استدلال، احساسِ تناسب یا غور وفکر کو ہمارا شاعر زندگی میں بڑی اہمیت دیتے ہوئے بھی اُسے جذبات سے عاری قرار نہیں دیتا۔ وہ انسانی عقل کو "اندھیری رات کا چراغ" اور "جذبات کو قابو میں رکھنے والی قوّت" ٹھہراتا ہے اور اس کے حصول پر زور دیتا ہے۔

عقلیت پر زور دے کر، جہاں وہ ایک طرف قدیم نظامِ زندگی سے اپنا جذباتی رشتہ توڑنے کا اعلان کرتا ہے، وہیں ایک ایسی زندگی کا طلب گار ہے جس میں انسان سربلند ہو، بستی میں بھوکے ننگے نہ ہوں، تعصب یا تنگ نظری کا ماحول نہ رہے اور آدمی میں عزتِ نفس کا جذبہ قوی ہو۔

غالب پہلا شاعر ہے جس نے خرد، غم اور آرٹ کا پوشیدہ رشتہ تلاش کیا۔ غم وہ گہری اُداسی جو آرزوؤں کی پے در پے شکست سے اور دکھوں بھری دنیا کے ہمدردانہ مشاہدے سے انسانی روح میں سرایت کر جاتی ہے۔ خرد، وہ علم او رتلاش کی قوت جو عالمِ اسباب کے مظاہر (Phenomena) میں اتر کر ان کے امکانات کا پتہ لگاتی ہے، حالات سے نمٹنے کی تدبیریں سجھاتی ہے اور خواہشوں کو قابو میں رکھ کر برتاؤ (Perspective) کا تناسب دکھاتی ہے۔ شاعری، موسیقی یا مصوّری، انسانی روح کی یہ زبان ـــــ جو آرٹ ہے، خرد اور غم سے مل کر

ایک مُثلث بناتی ہے۔ اسی کو فکر اور جذبے کی آمیزش کہا گیا ہے۔ غالبؔ کے آرٹ میں، خود آرٹ کا یہ تصور بہت اہمیت رکھتا ہے۔ "دلِ دردمند" اور "خرد خوردہ بیں" دونوں اس ترازو میں ہم وزن ہیں۔ غالبؔ کے ہاں Rational کے ساتھ irrational کی بھی اہمیت ہے، غم اگر عشق کا نہ ہوتا تو روزگار کا نہ ہوتا، دل اگر تنگ نہ ہوتا تو پریشاں ہوتا Rationalism روشنی دکھاتا ہے، رہنمائی کرتا ہے، لیکن آگے نہیں لے جاتا، اس کے لیے عشق کی دردمندی چاہیے اور تمناؤں کی وہ بے چینی جو صورتِ حالات میں تھک کر نہیں بیٹھ رہتی۔ آرٹ محض جذبے یا فکر کا اظہار نہیں ـــــ خوب صورت، دلکش اور دلوں میں اتر جانے والا اظہار ہے جو مخاطب کو بھی کہنے والے کی آنچ میں سینک دے اور ذہنی کیفیت میں شریک کرے۔

آرٹ میں بھی اس کی "عقلیت" اپنا کام کرتی ہے اور اسے لفظوں کے حسن و کشش میں مبتلا ہونے سے بچا لیتی ہے۔ وہ خوب صورت لفظوں کے طلسم میں گرفتار نہیں ہوتا، لفظوں اور بندشوں کو اوزار کی طرح قابو میں رکھتا ہے اور حسبِ منشا کام لیتا ہے۔

(۴) غالبؔ نے اپنے زمانے میں رائج تصوف کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ معاصرین کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ تصوف کے مختلف نظریوں، اصطلاحوں اور مسائل پر غالبؔ کی بہت گہری نظر تھی، وہ عمر اور علم کے مختلف مرحلوں میں موت و حیات، جبر و اختیار، خالق اور مخلوق کے بارے میں اپنی رائے بھی بدلتا رہا، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آخر میں اس مقام پر آکر ٹھہرا جہاں تصوف ایک مابعد الطبیعیاتی (metaphysical) عقیدہ بننے کے بجائے ایک اخلاقی برتاؤ رہ جاتا ہے۔ اس نے تصوف کے مسائل میں سے، انسانی روح کا دُرد، تمام موجودات کی حقیقت کا ایک ہونا، مایوسی یا بیزاری کو صبر و رضا سے بدل دینا، تمام انسانوں کو ایک برادری شمار کرنا، اپنے اور غیر، خالق و مخلوق کے درمیان فرق اٹھا دینا اور مذاہب کے اختلافات سے، نفرت و حقارت سے ہاتھ دھو لینا، اپنے لیے انتخاب کر لیا۔ تصوف کو غالبؔ نے اس کی نیم فلسفیانہ بحثوں اور مقررہ رسموں (Rituals) سے نکال کر اپنا ایک اخلاقی بیوہار بنا لیا اور وُحدۃ الوجود کے نظریوں کو نقاب کی طرح نہیں بلکہ چھتری کے طور پر استعمال کیا، ورنہ شعروں اور خطوں میں یہ خیال بار بار کیوں آتا ہے:

بر آر از بزمِ بحث اے جذبۂ توحید غالب را
کہ ترکِ سادۂ ما با فقیہاں بر نمی آید

(۵) تصوّف کی جس روح کو شاعر نے اپنایا وہ مخلوق کو خالق کا پرتو مان کر بھی فرد کی قدر و قیمت سے آگاہ ہے، یہاں بھی اسی قسم کا تضاد نظر آتا ہے جیسا دنیا کے روپ کو بے حقیقت سمجھنے کے بعد اس روپ سے دل لگانے کی کوشش یا خواہش۔ فرد کی حیثیت اور اس کی سربلندی غالب کی شاعری میں پوری طرح ابھر کر آتی ہے اور انسان کی عظمت کا ترانہ بن جاتی ہے۔ وہ انسان کو پوری کائنات کے دائرے کا مرکزی نقطہ سمجھتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ دنیا کی رونق انسان کے دم سے ہے۔ مٹی کی یہی مورت پورے عالمِ فطرت کی "غرضِ آفرینش" ہے اور یہی ہے جو "بے معنی اگنے والی چیزوں" میں ترتیب و تنظیم قائم کر کے اس سے آرائش اور آسائش کا سامان مہیا کرتی ہے۔ انسان کا وجود ایک نعمت ہے، اس وجود پر دکھوں اور حسرتوں کا اتنا بوجھ ہے جس کے سامنے گناہ کا تصور اور گناہوں کی حیثیت کچھ نہیں۔

دم از وجودک ذنب" زنند بے خبراں
چرا عطیۂ حق را گناہِ ما گویند؟

تصوف کی رسمی عبادتوں اور مابعد الطبیعیاتی بحثوں سے بلند ہو کر غالب نے جہاں فطرت کے حسن کو نظر میں تولا، وہیں انسان کو خدا کے سامنے سربلند پیش کیا، اس کی گردن سے مفروضہ گناہوں اور خوف و دہشت کی ذلتوں کا بار اتار لیا۔

وہ فارسی اردو کی تمام شاعری میں پہلا شخص ہے جس نے اپنے اعمال کا حساب دینے کے بجائے، خدا سے انسان کی حسرتوں کا حساب طلب کیا ہے اور کھلے لفظوں میں انسان کو بری الذمہ قرار دیا ہے۔

غالب کی تمام اردو فارسی شاعری میں انسانی عظمت، خودداری اور سرکشی و سربلندی کی روح، سنگین ترشے ہوئے پیکر میں شرر کی طرح بیتاب ہے۔

ا

(۶) غالبؔ اپنے اردگرد کی دنیا کو ہی نہیں، خود اپنے عمل کو بھی تنقید کی کسوٹی پر رکھتا ہے۔ ساٹھ برس کے طرزِ فکر اور رنگِ سخن کو نظر میں رکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ غالبؔ کے ہاں دنیا کے مفکر اہلِ قلم کی طرح تخلیقی عمل ہی تنقیدی عمل بنتا گیا ہے۔ اس نے ہر زمانے میں یقین کو شک کی جان لیوا سرنگ سے گزارا، اور حقیقت کی تلاش پر کسی عقیدے کا اجارہ تسلیم نہیں کیا، آدمی اور اس کے مسائل پر، حقیقت اور اعتقاد کے اختلاف پر جتنی اس کی نظر گہری ہوتی گئی، وہ اپنی انوکھی روش سے روشِ عام کا فاصلہ کم کرتا گیا، دشواری سے سہل بیانی کی طرف، بیزاری سے اُنس کی سمت، اور پیچیدگی سے سادگی کی جانب بڑھتا گیا۔

عمر اور تجربے کی آخری پختگی کو پہنچتے پہنچتے غالبؔ نے نہ صرف یہ کہ اندازِ بیان کو عام پسند سانچوں میں ڈھالا بلکہ عام زندگی کی کھُردری اور بظاہر غیر شاعرانہ حقیقتوں اور حالتوں کو چن کر اپنی شاعری کا موضوع بنایا، سڑکوں اور گلیوں میں پڑی ہوئی باتوں سے شعر تراشے اور انھیں زبان و بیان کی سادگی و نرمی عطا کی کہ اس کے تقریباً دو سو شعر اور مصرعے دلوں میں اتر گئے اور زبانوں پر چڑھ گئے۔

اس قسم کے خیالات کو غالبؔ سے پہلے شاعری کا موضوع نہیں سمجھا گیا تھا ؎

اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا
ساغرِ جم سے مرا جامِ سفال اچھا ہے

—— یا ——

موت کا ایک دن معیّن ہے
نیند کیوں رات بھر نہیں آتی؟

روزمرہ کی بظاہر معمولی سی باتوں کو شاعرانہ حسنِ بیان دے کر غالبؔ نے روزمرہ کی زبان کا حصّہ بنا دیا اور جب غالبؔ کے یہ تقریباً دو سو شعر اور مصرعے زبان کا جزوِ بدن بن چکے، تب غالبؔ کے اس کلام کی طرف توجہ ہوئی جو مذاقِ عام سے

بالکل ہٹا ہوا اور دشوار گزار تھا۔

ادب کے ذوق کی مثل، خود غالبؔ کی شاعری بھی مقبولیت کے کئی درجے رکھتی ہے۔ کمتر ایسا حصّہ ہے جسے بالکل ہی عام لوگوں تک رسائی حاصل ہوئی، اس سے کچھ زیادہ وہ کلام ہے جو درمیانی طبقے کے تعلیم یافتہ ذوق کی تربیت کرتا ہے اور فارسی وار دو کا کم سے کم مشہور کلام ایسا ہے جو اعلا درجے کا ادبی ذوق رکھنے والوں میں عام ہو چکا ہے اور عام ہوتا جاتا ہے۔ یہی وہ حلقہ ہے جو غالبؔ کے نازک، باریک اور دشوار شعروں سے اپنے علمی و ادبی ذوق کو صیقل کرتا اور غالبؔ کے اشعار سے الفاظ و تراکیب نکال کر اپنے ہاں سجاتا ہے۔ پچھلے پچاس برسوں میں پچاس سے زیادہ ادبی کتابوں کے نام غالبؔ کے کلام سے چن کر رکھے گئے ہیں اور ابھی یہ سلسلہ جاری ہے۔

(۷) کچھ عرصے سے اردو کے ادبی حلقوں میں ایک رَو چلی ہے غالبؔ کو عہد حاضر کا شاعر کہنے کی۔ اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ غالبؔ نے انفرادیت، تشکیک اور فرد کی تنہائی کو ادبی لہجہ عطا کیا۔

یہ صحیح ہے کہ غالبؔ کی شاعری انسان کو اس کے پھیلاؤ یا حدِ نظر میں افق تا افق ہی نہیں دیکھتی بلکہ اس کی گہرائی میں بھی اترتی ہے۔ تینوں فاصلوں (Three Dimensions) میں آدمی کے وجود اور مسائل کی تلاش ہر زبان کی بڑی شاعری کا وصف رہا ہے، غالبؔ کے ہاں یہ وصف بہت نمایاں ہے۔ وہ آدمی کے باطن کو ایسی کتاب پاتا ہے جس کے ورق بھی نہیں الٹے گئے "ہے ہر اک فرد جہاں میں ورق ناخواندہ" اور تنہائی میں بھی وہ تنہا نہیں رہتا بلکہ خیالوں اور فکر و ں کا طوفان برپا رکھتا ہے "ہم انجمن سمجھتے ہیں، خلوت ہی کیوں نہ ہو"۔ "ہیملٹ" میں ڈنمارک کے شہزادے کی طرح ذہن کی بیداری وجود کی بے قراری بنی رہتی ہے ؎

رشک ہے آسائشِ اربابِ غفلت پر اسدؔ

پیچ و تابِ دل نصیبِ خاطرِ آگاہ ہے

غالبؔ اس الجھی ہوئی دنیا میں فرد کو بے بس دیکھنا قبول نہیں کرتا ـــــ بلکہ زندہ رہنے کے جتنے امکانات ہیں ان پر حاوی یا اثر انداز ہونا چاہتا ہے۔ حیات کے ہر لمحے کو غنیمت سمجھتا ہے اور زندگی کے ہر منظر سے لطف اندوز ہونا چاہتا ہے۔

۱

"انفعال" یعنی اثر پذیری اور بے بس اُداسی کو وہ انسان کی زندہ رہنے کی امنگ کے خلاف جانتا ہے اسے "ہنگامۂ زبونیٔ ہمت" قرار دیتا ہے۔ اس لحاظ سے غالبؔ کی آواز ان وجودی (Existentialist) فلسفی ادیبوں سے مل جاتی ہے جو مذہبی عقائد کی رہنمائی اور ماضی و مستقبل کے دونوں پاٹوں سے بے نیاز ہو کر موت وحیات کے رشتے کی تلاش حال میں کرتے ہیں۔

غالبؔ نے خیامؔ اور حافظؔ دونوں سے آگے جاکر "نہاں خانۂ دل" میں نقب لگائی اور فرد کے باطن کی گہرائی کو چھوا ہے اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ میں "آدمی نہیں، آدم شناس ہوں" (۱۸۶۴ء کا خط بے خبر کے نام)۔ یہ بتایا کہ "آدمی عموماً اور صاحبانِ ننگ و ناموس خصوصاً، باوجود فراغِ معاش ایسی جاں گداز بلاؤں میں مبتلا ہیں کہ کوئی کیا کہے!" غم صرف روٹی کی فکر کو نہیں کہتے۔ وہ اس سے بہت گہری کیفیت ہے۔ غم انسان کے باطن کی صفائی اور کردار کی خوبی کے لیے ضروری شرط ہے۔ ان پہلوؤں کو نظر میں رکھنے کے بعد بھی غور طلب نکتہ یہ ہے کہ غالبؔ کے اشعار مفہوم کی کئی تہیں رکھتے ہیں۔ پڑھنے والے کے اپنے رجحان پر بھی موقوف ہے کہ وہ کسی شعر کو کس مفہوم کے ساتھ کھولنا چاہتا ہے۔ محض شخصی، نفسیاتی، فکری، سماجی یا سیاسی سطح پر ــــ یا بیک وقت کئی سطحوں پر ان سے لطف اٹھایا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر جو لوگ اردو کے حرف سے واقف نہیں، وہ بھی یہ شعر پڑھتے ہیں:

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے؟
آخر اس درد کی دوا کیا ہے؟

بظاہر سامنے کی بات ہے اس لیے عام زبانوں پر چڑھ گئی۔ کسی الجھن میں یہ شعر اپنی اوپر کی تہہ کھولتا ہے۔ پھر دل کی نادانی "دردِ تنہائی" کے عذاب میں گرفتار ہو کر بھی اس شعر کو اپنے اوپر طاری کر سکتی ہے۔ فرد کا سماج سے اجنبیت محسوس کرنا (Alienation) بھی ایک "درد" ہے جس کی دوا دلِ ناداں کو نہیں ملتی۔ تخلیق کا کرب بھی ایسا درد ہے جس کی دوا بعض اوقات نہیں پائی جاتی، جینے کی امنگ اور موت کا جبر بھی ایک "درد" ہے اور عظیم الشان سلطنت یا تہذیب کے ٹکڑے اڑتے دیکھنا بھی "درد" اٹھاتا ہے جس کی دوا "دلِ ناداں" کو نہیں معلوم۔ غرض جتنے اور قسم کے درد ہوں گے اتنے ہی پہلوؤں سے اس معمولی سے عام پسند، شعر کو سمجھا جا سکے گا۔ مشکل اور باریک شعروں میں یہ تہہ در تہہ کیفیت

اس قدر ہے کہ بعض اشعار کو شارحین نے اپنے اپنے طور پر سمجھا کر آٹھ، نو مطلب نکال لیے ہیں۔

قوس قزح کی سی اسی رنگا رنگ کیفیت نے (جس کا احساس خود شاعر کو بھی تھا) غالبؔ کے کلام کو متضاد فکری اور ادبی حلقوں میں مقبول بنایا ہے اور تلاش کی ترغیب دلائی ہے۔

(۸) غالبؔ کے کلام کا بڑا حصہ ایسا ہے جس میں "اُداسی" یا "درد" کو اتنا ہی پایا جا سکتا ہے جتنا مسرت اور شگفتگی کو ۔۔ سوچ کی سنجیدگی نے شاعر کے لہجے میں جو ایک متانت اور وقار پیدا کیا ہے اس سے یہ گمان گزرتا ہے کہ غم کا عنصر غالبؔ کے ہاں حاوی ہے، لیکن غم کو جس جس پہلو سے دیکھا جائے، میر تقی میرؔ یا میر دردؔ کے کلام میں غالبؔ سے بھی زیادہ ہے۔

غالبؔ کے ہاں غم اور رنج یا درد ہم معنی نہیں ہیں۔ اس کے کلام میں شگفتگی کا لہجہ زندہ دلی کی لَے، شوخی اور مسکراتا ہوا طنز محض ایک نقاب نہیں بلکہ زندگی کے برتاؤ اور شخصیت کے سبھاؤ کی حیثیت سے نشاط کی کیفیت میں گھل مل گئے ہیں۔ آنسوؤں کو طنزیہ تبسم بنانے میں غالبؔ کی فنکاری کا راز کھلتا ہے۔ غالبؔ کھلنڈروں اور بے فکروں کی طرح قہقہہ نہیں مارتا، وہ اپنے زمانے پر بھی طنز کرتا ہے، اس کی عادات پر بھی، اس کے اداروں اور اہم شخصیتوں پر بھی اور خود اپنے آپ پر بھی۔ وہ سوداؔ یا انشاؔ کی طرح افراد یا حالات کا مذاق نہیں اڑاتا، خیامؔ و حافظؔ کی طرح چھیڑ خانی کرتا ہے اور ان دونوں سے زیادہ بیباک اور دو ٹوک لفظوں میں، وہ شکایت یا افسوس نہیں کرتا، بے نیازانہ کٹیلے طنز سے دَرد کو احتجاج بنا دیتا ہے ؎

زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری، غالبؔ
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے!

—— یا ——

سفینہ جب کہ کنارے پہ آ لگا غالبؔ
خدا سے کیا ستم و جورِ ناخدا کہیے

ا

اس لب ولہجے میں غالب کو اردو کے دوسرے شاعروں سے الگ پہچانا جا سکتا ہے۔

خود غالب کے بقول وہ سینے میں غم چھپا کر اسے تبسم میں ڈھالنا جانتا ہے۔ عام وخاص، دانا اور نادان دونوں پر ہنستا ہے — اور سب سے بڑی بات یہ کہ اپنی زندگی اور آدرشوں کے تضاد پر، اپنے حالات اور تمناؤں کے بے جوڑپن پر، عقل اور خواہش کے تقاضوں کی کش مکش پر غالب ہی سب سے زیادہ ہنستا اور ہنساتا ہے۔

(۹) غالب کے کلام میں "صوتی آہنگ"، لفظی حسن اور آوازوں سے اُبھرنے والی تصویروں کا ایسا نگارخانہ سجا ہوا ہے جس کی طرف حال میں توجہ کی گئی ہے۔

شروع میں اس کے ہاں چ، ژ، ش کی آوازوں کی کثرت تھی اور فارسی شاعری کا پر شوق لہجہ طاری تھا، پھر د، ت، س کی آوازیں بڑھتی ہیں اور آخری پندرہ سترہ سال کے کلام میں نرم غنائیت کا احساس ہوتا ہے۔ ن، م، ر، س کی آوازوں کی تکرار ہوتی ہے۔ گہری فکر انگیز اور قریب المخرج آوازوں کی جگہ نرم موسیقی لیتی جاتی ہے۔
غالب کی شاعری میں کلاسیکی مثنویوں کی بحریں چھوڑ کر باقی ۳، ۴ بحروں کا استعمال زیادہ ہوا ہے اور یہ وہی بحریں ہیں جو "شش مقام" کی عام پسند موسیقی میں رنگ لاتی ہیں اور ہند ایرانی موسیقی سے میل کھاتی ہیں مثلاً مفعول، فاعلات، مفاعیل فاعلن / مُفتعلن، مفاعلن مُفتعلن مفاعلن / مفاعلات مَفاعیلُ، فاعلن، فعلن / مفعول، مفاعیلن مفعول مفاعیلن / فاعلات اور مستفعلن کو عموماً زحافات کے ساتھ اختیار کیا گیا ہے۔ فارسی اُردو میں بمشکل دس غزلیں ایسی ہیں جن کی بحریں ہندستان میں گائی جانے والی بحروں کی موسیقی سے کسی قدر ہٹ گئی ہیں۔ مثلاً "قرار نہیں ہے"، "قدم آگے"، "لرزد"، "چہ غمستے" کی ردیف والی غزلیں۔ غالب نے مقررہ بحروں میں زحاف کی کمی بیشی کر کے صوتی آہنگ کا انوکھا تجربہ کیا اور دیکھ لیا کہ ایسا کلام زبانوں پر عام نہیں ہو سکا۔

(۱۰) غالب نے اپنے کلام کا صرف انتخاب ہی شائع کیا تھا اور صاف کہہ دیا تھا کہ اس مجموعے سے باہر جو ملے اُسے میرا کلام شمار نہ کیا جائے۔ اس انتخاب سے یہ حقیقت کھلتی ہے کہ پہلے کے لکھے ہوئے اشعار میں دونوں سمت سے

اِصلاح کی گئی ہے۔ ایسے لفظوں کے ذریعے جو ادائے مطلب میں مدد دیں اور ایسے مصرعوں یا ترکیبوں سے جو خیال کی ڈور تھامنے کے علاوہ زبان سے ادا کرنے پر بھی اچھے معلوم ہوں۔ لفظوں کی تراش اور مصرعوں کی مجموعی آواز میں بھی غالبؔ ایک اعلا درجے کا فنکار نظر آتا ہے۔

ایک نکتہ اور اسی ضمن میں اُبھرتا ہے: اردو کے کسی شاعر کے ہاں اتنی غزلیں یکجا نہیں ملتیں جو اوّل سے آخر تک منتخب اشعار کا مجموعہ ہوں یا جن میں اوّل درجے کے اشعار ایک ہی غزل میں اس طرح چُنے ہوئے ہوں کہ خیال ایک ہی کیفیت کے مختلف پہلوؤں یا مرحلوں کا لطف لے سکے۔ ان میں باطنی رشتے کے علاوہ آوازوں اور لفظوں کا بھی حُسن ہموار نظر آتا ہے۔ یہ بھی ایک وجہ ہے کہ جہاں دوسرے اساتذہ کے صرف چُنے ہوئے شعر یادوں میں محفوظ رہ گئے ہیں، غالبؔ کی سادہ، رواں اور عام فہم غزلوں بلکہ قصیدوں اور قطعوں کے بھی کئی ترتیب وار اشعار زبانوں پر رواں اور ذہن نشین ہوئے ہیں اور ادبی ذوق کے مختلف درجوں میں الگ الگ لُطف دیتے ہیں۔

غالبؔ کے شعر کا طلسم کھُلتا ہے شاعر کے برتاؤ کو سمجھنے سے۔ وہ زندگی اور فن دونوں میں، بہت واضح طور سے اپنا برتاؤ جتاتا ہے۔ یہی برتاؤ اُدھ کھُلا باطنی رشتہ ہے جو وقت کے ساتھ ابھرتا اور نکھرتا رہا ہے۔ اس کے کلام کے درمیان جو شعر اس زندہ، بیقرار، شگفتہ، شاداب، آرزومند وجود کے برتاؤ سے میل نہیں کھاتے وہ صرف لطفِ سخن کی خاطر یا کسی رواں دواں لمحے یا اتفاقی خیال کو لفظوں کی گرفت میں لانے یا محض چہل کی خاطر کاغذ تک اُتر آئے، وہ اس بھری پُری محفل میں وقتی حاشیہ نشینوں یا نیازمندوں سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔

"باکارم و بیکارم چوں مد بہ حساب اندر"

غالبؔ کی مقبولیت کا راز اُسکی فنی بصیرت میں ہے اور فنی بصیرت کے اسرار قدیم وجدید کی آویزش و آمیزش میں تہہ در تہہ چلے گئے ہیں۔ غالبؔ نے، کیا معنی آفرینی اور کیا لفظ تراشی، دونوں سمتوں سے فارسی اردو کی ادبی وراثت پر ردّوقبول کا بے رحم عمل کیا ہے، اور ردّوقبول کے اس بے رحمانہ عمل نے ہی اس کی شاعری کو توانائی اور تازگی بخشی ہے۔ ●●

انتخاب
کلامِ اردو

ا

ا

غزلیّات

ا
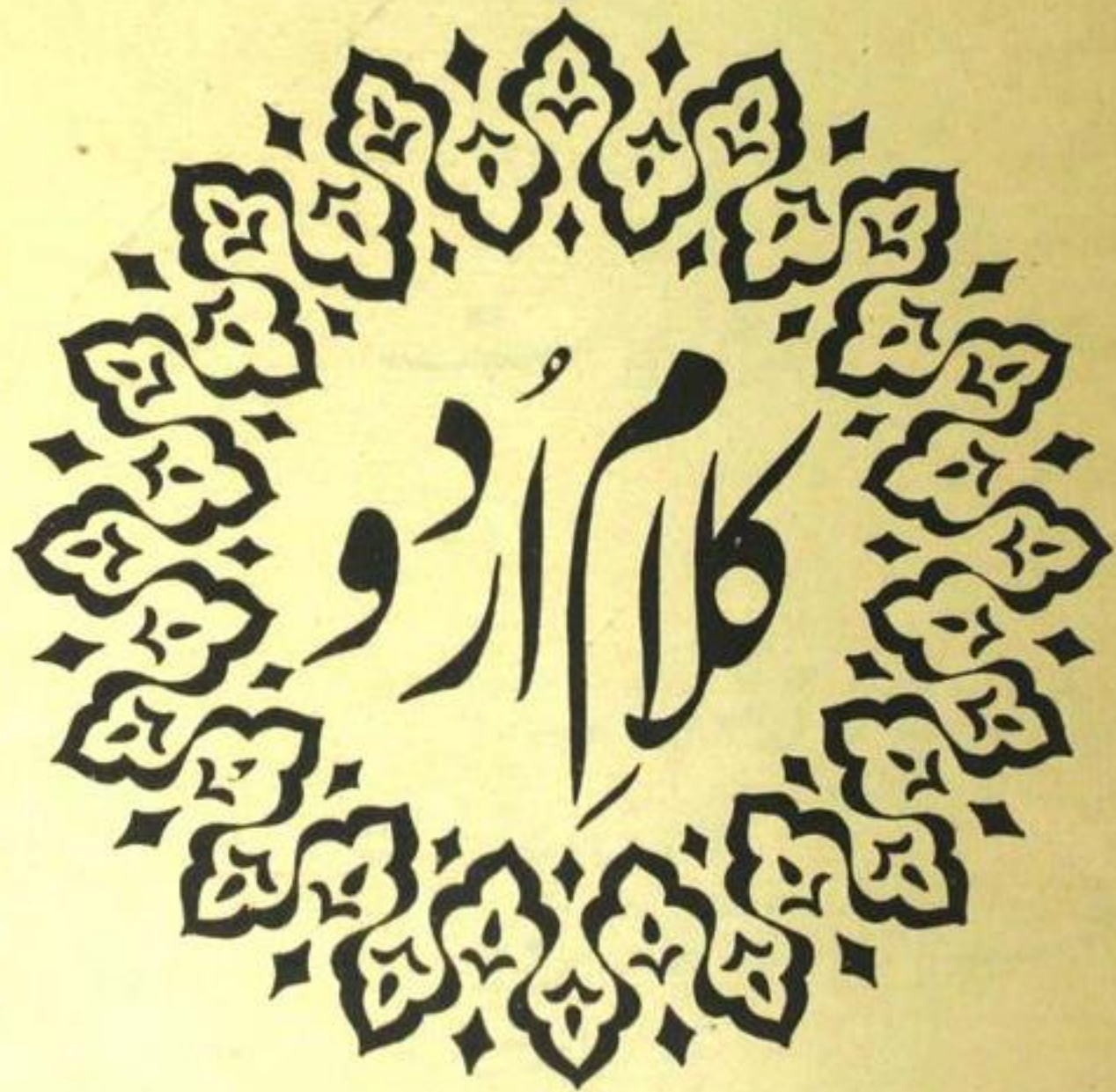
نقش، فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا
کاغذی ہے، پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا
کاوِ کاوِ سخت جانی ہائے تنہائی نہ پوچھ
صبح کرنا شام کا، لانا ہے جُوئے شیر کا
جذبۂ بے اختیارِ شوق دیکھا چاہیئے
سینۂ شمشیر سے باہر ہے دَم شمشیر کا
آگہی، دامِ شُنیدن جس قدر چاہے بچھائے
مُدعا عنقا ہے، اپنے عالمِ تقریر کا

۱

بس کہ ہوں، غالب، اسیری میں بھی آتش زیرِ پا
موئے آتش دیدہ ہے، حلقہ مری زنجیر کا

۲

شمارِ سبحہ، مرغوبِ بُتِ مشکل پسند آیا
تماشائے بیک کف بُردنِ صد دل پسند آیا

بہ فیضِ بے دلی، نومیدیِ جاوید آساں ہے
کشایش کو ہمارا عقدۂ مشکل پسند آیا

اسد، ہر جا سخن نے طرح باغِ تازہ ڈالی ہے
مجھے رنگِ بہارِ ایجادیِ بیدل پسند آیا

۳

جُز قیس، اور کوئی نہ آیا بروئے کار
صحرا، مگر، بہ تنگیِ چشمِ حسُود تھا

تھا، خواب میں، خیال کو تجھ سے معاملہ
جب آنکھ کھُل گئی، نہ زیاں تھا، نہ سُود تھا

۱

ڈھانپا کفن نے داغِ عیوبِ برہنگی
میں، ورنہ ہر لباس میں ننگِ وجود تھا
تیشے بغیر مر نہ سکا کوہکن، اسدؔ
سرگشتۂ خمارِ رُسوم و قُیود تھا

۴

کہتے ہو: "نہ دیں گے ہم، دل اگر پڑا پایا"
دل کہاں کہ گُم کیجے؟ ہم نے مُدّعا پایا
عشق سے طبیعت نے زیست کا مزا پایا
درد کی دوا پائی، دردِ بے دوا پایا
دوست دارِ دشمن ہے، اعتمادِ دل معلوم
آہ بے اثر دیکھی، نالہ نارسا پایا
سادگی و پُرکاری، بیخودی و ہشیاری
حُسن کو تغافل میں جرأت آزما پایا
غنچہ پھر لگا کھلنے، آج ہم نے اپنا دل
خوں کیا ہوا دیکھا، گُم کیا ہوا پایا

حالِ دل نہیں معلوم، لیکن اس قدر، یعنی
ہم نے بارہا ڈھونڈھا، تم نے بارہا پایا

شورِ پندِ ناصح نے زخم پر نمک چھڑکا
آپ سے کوئی پوچھے: "تم نے کیا مزا پایا؟"

ہے کہاں تمنّا کا دوسرا قدم، یارب؟
ہم نے دشتِ امکاں کو ایک نقشِ پا پایا

۵

شوق، ہر رنگ، رقیبِ سروساماں نکلا
قیس، تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا

زخم نے داد نہ دی تنگیِ دل کی، یارب!
تیر بھی سینۂ بسمل سے پَرافشاں نکلا

بوئے گل، نالۂ دل، دودِ چراغِ محفل
جو تری بزم سے نکلا، سو پریشاں نکلا

دلِ حسرت زدہ، تھا مائدۂ لذتِ درد
کام یاروں کا بہ قدرِ لب و دنداں نکلا

تھی نوآموزِ فنا، ہمّتِ دشوار پسند
سخت مشکل ہے کہ یہ کام بھی آساں نکلا

دل میں پھر گریے نے اک شور اٹھایا، غالبؔ
آہ، جو قطرہ نہ نکلا تھا، سو طوفاں نکلا

چند تصویرِ بُتاں، چند حسینوں کے خطوط
بعد مرنے کے مرے گھر سے یہ ساماں نکلا

کچھ کھٹکتا تھا مرے سینے میں، لیکن آخر
جس کو دل کہتے تھے، سو تیر کا پیکاں نکلا

۶

دہر میں نقشِ وفا وجہِ تسلّی نہ ہوا
ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہ ہوا

میں نے چاہا تھا کہ اندوہِ وفا سے چھُوٹوں
وہ ستمگر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا

دل گذرگاہِ خیالِ مے و ساغر ہی سہی
گر نفَس، جادۂ سرمنزلِ تقوی نہ ہوا

ہوں ترے وعدہ نہ کرنے میں بھی راضی کہ کبھی
گوش، منت کشِ گلبانگِ تسلّی نہ ہوا

کس سے محرومیٔ قسمت کی شکایت کیجے
ہم نے چاہا تھا کہ مر جائیں، سو وہ بھی نہ ہوا

مر گیا صدمۂ یک جنبشِ لب سے غالبؔ
ناتوانی سے، حریفِ دمِ عیسیٰ نہ ہوا

۷

نہ بندھے تشنگیٔ شوق کے مضموں، غالبؔ
گرچہ دل کھول کے، دریا کو بھی ساحل باندھا

۸

کچھ نہ کی اپنے جنونِ نارسا نے، ورنہ یاں
ذرّہ ذرّہ، رُوکشِ خُرشیدِ عالم تاب تھا

آج کیوں پروا نہیں اپنے اسیروں کی تجھے؟
کل تلک، تیرا بھی دل، مہر و وفا کا باب تھا

یاد کر وہ دن کہ ہر یک حلقہ تیرے دام کا
انتظارِ صید میں، اِک دیدۂ بے خواب تھا

۹

نہ ہوگا، یک بیاباں ماندگی سے، ذوقِ کم میرا
حبابِ موجۂ رفتار ہے، نقشِ قدم میرا
محبت تھی چمن سے، لیکن اب یہ بے دماغی ہے
کہ موجِ بوئے گل سے، ناک میں آتا ہے دم میرا

۱۰

پئے نذرِ کرم، تحفہ ہے شرمِ نارسائی کا
بخوں غلتیدۂ صد رنگ دعویٰ پارسائی کا
نہ ہو، حسنِ تماشا دوست، رسوا بے وفائی کا
بہ مہرِ صد نظر ثابت ہے دعویٰ پارسائی کا
زکاتِ حسن دے، اے جلوۂ بینش، کہ مہر آسا
چراغِ خانۂ درویش ہو، کاسہ گدائی کا
نہ مارا جان کر بے جرم، غافل، تیری گردن پر
رہا، مانندِ خونِ بے گنہ، حق آشنائی کا
وہی اک بات ہے جو یاں نفس، واں نکہتِ گل ہے
چمن کا جلوہ، باعث ہے مری رنگیں نوائی کا

نہ دے نامے کو اتنا طول، غالبؔ مختصر لکھ دے
کہ حسرت سنج ہوں، عرضِ ستم ہائے جُدائی کا

اسدؔ یہ عجز و بے سامانیِ فرعون توام ہے
جسے تو بندگی کہتا ہے، دعوا ہے خدائی کا

۱۱

یک قدم وحشت سے، درسِ دفترِ امکاں کھلا
جادہ، اجزائے دو عالم دشت کا شیرازہ تھا
مانعِ وحشت خرامی ہائے لیلیٰ کون ہے؟
خانۂ مجنونِ صحرا گرد، بے دروازہ تھا
پوچھ مت رسوائیِ اندازِ استغنائیِ حُسن
دست مرہونِ حنا، رخسار رہنِ غازہ تھا
نالۂ دل نے دیے، اوراقِ لختِ دل، بہ باد
یادگارِ نالہ، یک دیوانِ بے شیرازہ تھا

۱۲

وہ مری چینِ جبیں سے غمِ پنہاں سمجھا
رازِ مکتوب، بہ بے ربطیِ عنواں سمجھا

یک الف بیش نہیں صیقلِ آئینہ ہنوز

چاک کرتا ہوں، مَیں جب سے کہ گریباں سمجھا

شرحِ اسبابِ گرفتاریِ خاطر مت پوچھ

اس قدر تنگ ہوا دل کہ میں زنداں سمجھا

عجز سے اپنے یہ جانا کہ وہ بَدخُو ہو گا

نبضِ خس سے، تپشِ شعلۂ سوزاں سمجھا

سفرِ عشق میں کی ضعف نے راحت طلبی

ہر قدم، سایے کو میں اپنے شبستاں سمجھا

تھا گریزاں مِژۂ یار سے، دل، تا دمِ مرگ

دفعِ پیکانِ قضا اس قدر آساں سمجھا

دِل دیا جان کے، کیوں، اُس کو وفادار، اسدؔ؟

غَلَطی کی کہ جو کافر کو مسلماں سمجھا

۱۳

گِلہ ہے شوق کو دل میں بھی تنگیِ جا کا

گُہَر میں مَحْو ہوا، اِضطراب دریا کا

یہ جانتا ہوں کہ تُو اور پاسخِ مکتوب

مگر، ستم زدہ ہوں، ذوقِ خامہ فرسا کا

حنائے پائے خزاں ہے، بہار اگر ہے بھی
دوام، کلفتِ خاطر ہے، عیش دُنیا کا
غمِ فراق میں تکلیفِ سیرِ باغ نہ دو
مجھے دماغ نہیں، خندہ ہائے بے جا کا
ہنوز محرمیِ حُسن کو ترستا ہوں
کرے ہے، ہر بُنِ مو، کام چشمِ بینا کا
دل اُس کو، پہلے ہی ناز و ادا سے، دے بیٹھے
ہمیں دماغ کہاں، حُسن کے تقاضا کا
فلک کو دیکھ کے، کرتا ہوں اُس کو یاد، اسد
جفا میں اس کی، ہے انداز کار فرما کا

۱۴

سراپا رہنِ عشق و ناگزیرِ الفتِ ہستی
عبادت برق کی کرتا ہوں اور افسوس حاصل کا
بقدرِ ظرف ہے، ساقی، خمارِ تشنہ کامی بھی
جو تُو دریائے مے ہے، تو میں خمیازہ ہوں ساحل کا

مجھے راہِ سخن میں خوفِ گمراہی نہیں، غالبؔ
عصائے خضرِ صحرائے سخن ہے، خامہ بیدلؔ کا

۱۵

لبِ خُشک در تشنگی مُردگاں کا
زیارت کدہ ہوں، دل آزردگاں کا
ہمہ ناامیدی، ہمہ بدگمانی
میں دل ہوں فریبِ وفاخوردگاں کا

بصورتِ تکلّف، بمعنی تاسّف
اسدؔ میں تبسّم ہوں پژمردگاں کا

۱۶

آئینہ دیکھ، اپنا سا مُنہ لے کے رہ گئے
صاحب کو، دل نہ دینے پہ کتنا غُرور تھا!

۱۷

لطافت، بے کثافت، جلوہ پیدا کر نہیں سکتی
چمن، زنگار ہے آئینہ بادِ بہاری کا

حریفِ جوششِ دریا نہیں، خودداریِ ساحل
جہاں ساقی ہو تو، باطل ہے دعویٰ ہوشیاری کا

۱۸

غافل، بہ وہمِ ناز، خود آرا ہے، ورنہ یاں
بے شانۂ صبا نہیں، طُرّہ گیاہ کا

بزمِ قدح سے عیش تمنّا نہ رکھ، کہ رنگ
صیدِ زدام جستہ ہے، اس دام گاہ کا

رحمت اگر قبول کرے، کیا بعید ہے
شرمندگی سے عُذر نہ کرنا گُناہ کا

مقتل کو کس نشاط سے جاتا ہوں مَیں، کہ ہے
پُر گل، خیالِ زخم سے، دامن نگاہ کا

۱۹

رشک کہتا ہے کہ "اُس کا غیر سے اخلاص حیف!
عقل کہتی ہے کہ "وہ بے مہر کس کا آشنا"
شوق، ہے ساماں طرازِ نازشِ اربابِ عجز
ذرّہ صحرا دستگاہ، و قطرہ دریا آشنا

ہو بارِ بندِ عشق سے آزاد ہم ہوئے
پر کیا کریں؟ کہ دل ہی عَدو ہے فَراغ کا

۲۱

بس کہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی مُیَسّر نہیں انساں ہونا
گِریہ چاہے ہے خرابی مرے کاشانے کی
دَر و دیوار سے ٹپکے ہے بیاباں ہونا
وائے دیوانگیِ شوق! کہ ھر دَم مجھ کو
آپ جانا اُدھر اور آپ ہی حیراں ہونا
جلوہ، ازبسکہ، تقاضائے نِگہ کرتا ہے
جوہرِ آئنہ بھی چاہے ہے مژگاں ہونا
عشرتِ قتل گہِ اہلِ تمنّا مت پوچھ
عیدِ نظّارہ ہے شمشیر کا عُریاں ہونا
لے گئے خاک میں ہم داغِ تمنّائے نَشاط
تُو ہو اور آپ بصد رنگ گلستاں ہونا
عشرتِ پارۂ دل، زخمِ تمنّا کھانا
لذّتِ ریشِ جگر، غرقِ نمکداں ہونا

کی، مرے قتل کے بعد، اُس نے جفا سے توبہ
ہائے اُس زُود پشیماں کا پشیماں ہونا

حَیف اُس چار گرہ کپڑے کی قسمت غالبؔ
جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا

۲۲

گر نہ اندوہِ شبِ فرقت بیاں ہو جائے گا
بے تکلف، داغِ مہ ، مُہرِ دَہاں ہو جائے گا

لے تو لوں سوتے میں اُس کے پانو کا بوسہ، مگر
ایسی باتوں سے وہ کافر بدگماں ہو جائے گا

دل کو ہم صَرفِ وفا سمجھے تھے، کیا معلوم تھا
یعنی یہ پہلے ہی نذرِ امتحاں ہو جائے گا

سب کے دل میں ہے جگہ تیری، جو تُو راضی ہوا
مجھ پہ، گویا اِک زمانہ مہرباں ہو جائے گا

وائے! گر میرا ترا انصاف محشر میں نہ ہو
اب تلک تو یہ توقع ہے کہ واں ہو جائے گا

فائدہ کیا؟ سوچ، آخر تو بھی دانا ہے، اسدؔ
دوستی ناداں کی ہے، جی کا زیاں ہو جائے گا

۲۳

قطرۂ مے، بسکہ حیرت سے نفس پرور ہوا
خطِّ جامِ مے، سراسر رشتۂ گوہر ہوا
اعتبارِ عشق کی خانہ خرابی دیکھنا
غیر نے کی آہ، لیکن وہ خفا مجھ پر ہوا

۲۴

دل مرا سوزِ نہاں سے بے مُحابا جل گیا
آتشِ خاموش کے مانند گویا جل گیا
دل میں ذوقِ وصل و یادِ یار تک باقی نہیں
آگ اس گھر میں لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا
عرض کیجیے جوہرِ اندیشہ کی گرمی کہاں
کچھ خیال آیا تھا وحشت کا کہ صحرا جل گیا
دل نہیں، تجھ کو دکھاتا، ورنہ، داغوں کی بہار
اس چراغاں کا، کروں کیا، کارفرما جل گیا
مَیں ہوں اور افسردگی کی آرزو، غالبؔ، کہ دل
دیکھ کر طرزِ تپاکِ اہلِ دُنیا جل گیا

مَیں اور ایک آفت کا ٹکڑا وہ دلِ وحشی کہ ہے
عافیت کا دشمن، اور آوارگی کا آشنا

خود پرستی سے، رہے باہم دگر ناآشنا
بیکسی میری شریک، آئینہ تیرا آشنا

رَبطِ یک شیرازۂ وحشت ہیں، اجزائے بہار
سبزہ بیگانہ، صبا آوارہ، گُل ناآشنا

۲۰

یک ذرّۂ زمیں نہیں بیکار، باغ کا
یاں جادہ بھی، فتیلہ ہے لالے کے داغ کا

بے مَے، کسے ہے طاقتِ آشوبِ آگہی؟
کھینچا ہے عجزِ حوصلہ نے خط ایاغ کا

بُلبل کے کاروبار پہ ہیں خندہ ہائے گل
کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا

تازہ نہیں ہے، نشۂ فکرِ سخن مجھے
تریاکیِ قدیم ہوں، دُودِ چراغ کا

۲۵

پھر مجھے دیدۂ تر یاد آیا
دل، جگر تشنۂ فریاد آیا

دَم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز
پھر ترا وقتِ سفر یاد آیا

سادگی ہائے تمنّا، یعنی
پھر وہ نیرنگِ نظر یاد آیا

زندگی یُوں بھی گذر ہی جاتی
کیوں ترا راہ گذر یاد آیا

پھر ترے کوچے کو جاتا ہے خیال
دلِ گُم گشتہ، مگر، یاد آیا

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے!
دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

کیا ہی رِضواں سے لڑائی ہوگی!
گھر ترا خُلد میں، گر یاد آیا

مَیں نے مجنوں پہ لڑکپن میں، اسدؔ
سنگ اُٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

۲۶

تُو دوست کسی کا بھی، ستمگر نہ ہوا تھا
اَوروں پہ ہے وہ ظلم کہ مجھ پر نہ ہوا تھا

چھوڑا، مہِ نَخشَب کی طرح، دستِ قضا نے
خُرشید، ہنوز، اُس کے برابر نہ ہوا تھا

توفیق باندازۂ ہمّت ہے، اَزل سے
آنکھوں میں ہے وہ قطرہ کہ گوہر نہ ہوا تھا

جب تک کہ نہ دیکھا تھا قدِ یار کا عالَم
مَیں معتقدِ فتنۂ محشر نہ ہوا تھا

مَیں سادہ دل، آزردگیِ یار سے خوش ہوں
یعنی، سبقِ شوق مکرّر نہ ہوا تھا

دریائے معاصی تُنک آبی سے ہوا خشک
میرا سرِ دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا

۲۷

عیادت ہائے طعن آلودِ یاراں زہرِ قاتل ہے
رفوئے زخم کرتی ہے، بہ نوکِ نیشِ عقرب بھا

اسدؔ کو بُت پرستی سے غرض دردآشنائی ہے
نہاں ہیں نالۂ ناقوس میں در پردہ یا رَبہا

عرضِ نیازِ عشق کے قابل نہیں رہا
جس دل پہ ناز تھا مجھے، وہ دل نہیں رہا

جاتا ہوں داغِ حسرتِ ہستی لیے ہوئے
ہوں شمعِ کُشتہ، در خورِ محفل نہیں رہا

مرنے کی، اے دل، اَور ہی تدبیر کر کہ میں
شایانِ دست و خنجرِ قاتل نہیں رہا

بر رُوئے شش جہت درِ آئینہ باز ہے
یاں امتیازِ ناقص و کامل نہیں رہا

وا کر دیئے ہیں شوق نے بندِ نقابِ حُسن
غیر از نگاہ، اب کوئی حائل نہیں رہا

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

دل سے ہوائے کِشتِ وفا مٹ گئی کہ واں
حاصل، سوائے حسرتِ حاصل نہیں رہا

بیدادِ عشق سے نہیں ڈرتا، مگر، اسدؔ
جس دل پہ ناز تھا مجھے، وہ دل نہیں رہا

۲۹

سرمۂ مفتِ نظر ہوں، مری قیمت یہ ہے
کہ رہے چشمِ خریدار پہ احساں میرا
رخصتِ نالہ مجھے دے کہ مبادا ظالم
تیرے، چہرے سے ہو ظاہر غمِ پنہاں میرا

۳۰

ایک ایک قطرے کا، مجھے دینا پڑا حساب
خونِ جگر، وَدِیعتِ مژگانِ یار تھا
اب میں ہوں اور ماتمِ یک شہرِ آرزو
توڑا جو تُو نے آئنہ، تمثال دار تھا
گلیوں میں میری نعش کو کھینچے پھرو، کہ میں
جاں دادۂ ہوائے سرِ رہ گزار تھا
کم جانتے تھے ہم بھی غمِ عشق کو، پر اب
دیکھا، تو کم ہوئے پہ، غمِ روزگار تھا

۳۱

دھمکی میں مرگیا، جو نہ بابِ نبرد تھا
عشقِ نبرد پیشہ، طلب گارِ مرد تھا

تھا زندگی میں مرگ کا کھٹکا لگا ہوا
اُڑنے سے پیشتر بھی مرا رنگ زرد تھا

دل تا جگر، کہ ساحلِ دریائے خوں ہے اب
اِس رہ گزر میں، جلوۂ گل، آگے گرد تھا

جاتی ہے کوئی، کش مکش اندوہِ عشق کی
دل بھی اگر گیا، تو وہی دل کا درد تھا

احباب، چارہ سازیِ وحشت نہ کرسکے
زنداں میں بھی، خیال بیاباں نَوَرد تھا

یہ لاشِ بے کفن، اسدِ خستہ جاں کی ہے
حق مغفرت کرے! عجب آزاد مرد تھا

۳۲

محرم نہیں ہے تُو ہی، نوا ہائے راز کا
یاں ورنہ جو حجاب ہے، پردہ ہے ساز کا

رنگِ شکستہ، صبحِ بہارِ نظارہ ہے
یہ وقت ہے شگفتنِ گل ہائے ناز کا

تُو اور سوئے غیر نظر ہائے تیز تیز!
میں اور دُکھ تری مِژہ ہائے دراز کا

ہیں، بسکہ جوشِ بادہ سے، شیشے اُچھل رہے
ہر گوشۂ بساط، ہے سر شیشہ باز کا

کاوش کا دل کرے ہے تقاضا، کہ ہے ہنوز
ناخن پہ قرض، اس گرہِ نیم باز کا

تاراجِ کاوشِ غمِ ہجراں ہوا، اسدؔ
سینہ، کہ تھا دفینہ گہرہائے راز کا

۳۳

دوست، غم خواری میں میری، سعی فرماویں گے کیا
زخم کے بھرنے تلک، ناخن نہ بڑھ جاویں گے کیا؟

بے نیازی حد سے گزری، بندہ پرور، کب تلک
ہم کہیں گے حالِ دل، اور آپ فرماویں گے "کیا"؟

حضرتِ ناصح گر آویں، دیدہ و دل فرشِ راہ
کوئی مجھ کو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھاویں گے کیا؟

آج واں تیغ و کفن باندھے ہوئے جاتا ہوں میں
عذر، میرے قتل کرنے میں وہ اب لاویں گے کیا؟

گر کیا ناصح نے ہم کو قید، اچھا یوں سہی
یہ جنونِ عشق کے انداز چھٹ جاویں گے کیا؟

خانہ زادِ زلف ہیں، زنجیر سے بھاگیں گے کیوں؟
ہیں گرفتارِ وفا، زنداں سے گھبراویں گے کیا؟
ہے اب اس معمورے میں قحطِ غمِ اُلفت، اسدؔ
ہم نے یہ مانا کہ دلّی میں رہے، کھاویں گے کیا؟

۳۴

عشرتِ قطرہ ہے، دریا میں فنا ہو جانا
درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا
تجھ سے، قسمت میں مری، صورتِ قُفلِ اَبجد
تھا لکھا، بات کے بنتے ہی جُدا ہو جانا
دل ہوا، کش مکشِ چارۂ زحمت میں، تمام
مِٹ گیا، گِھسنے میں، اس عُقدے کا وَا ہو جانا
اب جفا سے بھی ہیں محرُوم ہم، اللہ، اللہ!
اِس قدر دشمنِ اربابِ وفا ہو جانا
ضعف سے، گریہ مُبدّل بہ دمِ سرد ہوا
باوَر آیا ہمیں پانی کا ہَوا ہو جانا
دل سے مِٹنا تری انگشتِ حنائی کا خیال
ہو گیا گوشت سے ناخن کا جُدا ہو جانا

ق

بخشے ہے جلوۂ گل، ذوقِ تماشا، غالبؔ
چشم کو چاہیے ہر رنگ میں وَا ہو جانا
تا کہ تجھ پر کھلے اعجازِ ہوائے صیقل
دیکھ برسات میں سبز آئنے کا ہو جانا

۳۵

ستائش گر ہے زاہد اس قدر جس باغِ رضواں کا
وہ، اِک گلدستہ ہے ہم بے خودوں کے طاقِ نسیاں کا
نہ آئی سطوتِ قاتل بھی مانع میرے نالوں کو
لیا دانتوں میں جو تنکا، ہوا ریشہ نیَستاں کا
دکھاؤں گا تماشا، دی اگر فرصت زمانے نے
مرا ہر داغِ دل، اک تخم ہے سروِ چراغاں کا
کیا آئینہ خانے کا وہ نقشا، تیرے جلوے نے
کرے جو، پرتوِ خرشید، عالم شبنمستاں کا
مری تعمیر میں مُضمَر ہے، اک صورت خرابی کی
ہیُولیٰ برقِ خرمن کا ہے، خونِ گرم دِہقاں کا

اُگا ہے گھر میں ہر سُو سبزہ، ویرانی تماشا کر
مدار، اب کھودنے پر گھاس کے ہے، میرے درباں کا

خموشی میں نہاں، خوں گشتہ لاکھوں آرزوئیں ہیں
چراغِ مُردہ ہوں، میں بے زباں، گورِ غریباں کا

ہنوز اک پرتوِ نقشِ خیالِ یار باقی ہے
دلِ افسردہ، گویا، حُجرہ ہے یوسف کے زنداں کا

نہیں معلوم، کس کس کا لہو پانی ہوا ہوگا!
قیامت ہے، سرشک آلودہ ہونا تیری مژگاں کا

نظر میں ہے ہماری، جادۂ راہِ فنا، غالبؔ
کہ یہ شیرازہ ہے عالم کے اجزائے پریشاں کا

۳۶

ہوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا
نہ ہو مرنا، تو جینے کا مزا کیا

تجاہل پیشگی سے مدّعا کیا؟
کہاں تک، اے سراپا ناز، "کیا، کیا"؟

نوازش ہائے بے جا دیکھتا ہوں
شکایت ہائے رنگیں کا گلا کیا؟

نگاہِ بے محابا چاہتا ہوں
تغافل ہائے تمکیں آزما کیا؛
فروغِ شعلۂ خس، یک نفَس ہے
ہوس کو پاسِ ناموسِ وفا کیا؛
نفَس مَوجِ محیطِ بےخودی ہے
تغافل ہائے ساقی کا گلا کیا؛
دماغِ عطرِ پیراہن نہیں ہے
غمِ آوارگی ہائے صبا کیا؛
سُن، اے غارت گرِ جنسِ وفا، سُن!
شکستِ قیمتِ دل کی صدا کیا؛
دلِ ہر قطرہ، ہے سازِ "انا البحر"
ہم اُس کے ہیں، ہمارا پوچھنا کیا؛
مُحابا کیا ہے؟ میں ضامن، اِدھر دیکھ
شہیدانِ نگہ کا خُوں بہا کیا؛
کیا کس نے جگر داری کا دعویٰ؛
شکیبِ خاطرِ عاشق بھلا کیا؛
یہ، قاتل، وعدۂ صبر آزما کیوں؛

یہ، کافر، فتنۂ طاقت ربا کیا؟
بلائے جاں ہے، غالبؔ، اُس کی ہر بات
عبارت کیا، اشارت کیا، اَدا کیا؟

۳۷

مَیں اور بزمِ مے سے یُوں تشنہ کام آؤں!
گر مَیں نے کی تھی توبہ، ساقی کو کیا ہوا تھا؟
درماندگی میں، غالبؔ، کچھ بَن پڑے تو جانوں
جب رشتہ بے گرہ تھا، ناخن گرہ کُشا تھا

۳۸

گھر ہمارا، جو نہ روتے بھی تو، ویراں ہوتا
بحر گر بحر نہ ہوتا، تو بیاباں ہوتا
تنگیِ دل کا گِلہ کیا؟ یہ وہ کافر دل ہے
کہ اگر تنگ نہ ہوتا، تو پریشاں ہوتا

۳۹

ہوئی تاخیر، تو کچھ باعثِ تاخیر بھی تھا
آپ آتے تھے، مگر کوئی عناں گیر بھی تھا؟
تم سے بیجا ہے، مجھے اپنی تباہی کا گِلہ

اُس میں کچھ شائبۂ خوبیِ تقدیر بھی تھا

تُو مجھے بھول گیا ہو، تو پتا بتلا دوں

کبھی فتراک میں تیرے کوئی نخچیر بھی تھا

قید میں ہے، ترے وحشی کو، وہی زُلف کی یاد

ہاں، کچھ اک رنجِ گراں باریِ زنجیر بھی تھا

بجلی اک کوند گئی آنکھوں کے آگے، تو کیا؟

بات کرتے، کہ میں لب تشنۂ تقریر بھی تھا

یوسف اُس کو کہوں، اور کچھ نہ کہے، خیر ہوئی!

گر بگڑ بیٹھے، تو میں لائقِ تعزیر بھی تھا

دیکھ کر غیر کو، ہو کیوں نہ کلیجا ٹھنڈا

نالہ کرتا تھا، ولے طالبِ تاثیر بھی تھا

پیشے میں عیب نہیں، رکھیئے نہ فرہاد کو نام

ہم ہی آشفتہ سروں میں وہ جواں میر بھی تھا

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق

آدمی کوئی ہمارا دمِ تحریر بھی تھا

عشق میں ہم ہی نے ابرام سے پرہیز کیا
ورنہ جو چاہیے، اسبابِ تمنّا سب تھا

آخرِ کار گرفتارِ سرِ زلف ہوا [۴۳]
دلِ دیوانہ کہ وارستۂ ہر مذہب تھا

ریختے کے تمہیں اُستاد نہیں ہو، غالبؔ
کہتے ہیں: "اگلے زمانے میں کوئی میرؔ بھی تھا"

۴۱

ذکر اُس پری وَش کا اور پھر بیاں اپنا
بَن گیا رقیب آخر، تھا جو رازداں اپنا

مَے وہ کیوں بہت پیتے بزمِ غیر میں، یارب؟
آج ہی ہوا منظور اُن کو امتحاں اپنا

مَنظر اِک بُلندی پر اور ہم بنا لیتے
عرش سے اِدھر ہوتا، کاشکے مکاں اپنا

دے وہ جس قدر ذلّت، ہم ہنسی میں ٹالیں گے
بارے آشنا نکلا، اُن کا پاسباں اپنا

دردِ دل لکھوں کب تک؟ جاؤں، اُن کو دکھلادوں
اُنگلیاں فگار اپنی، خامہ خوں چکاں اپنا

گھِستے گھِستے مِٹ جاتا، آپ نے عبث بدلا
ننگِ سجدہ سے میرے، سنگِ آستاں اپنا

تا کرے نہ غمّازی، کرلیا ہے دشمن کو
دوست کی شکایت میں، ہم نے، ہم زباں اپنا

ہم کہاں کے دانا تھے، کس ہُنر میں یکتا تھے؟
بے سبب ہوا، غالبؔ، دشمن آسماں اپنا

۴۲

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا
اگر اور جیتے رہتے، یہی انتظار ہوتا
ترے وعدے پر جیئے ہم، تو یہ جان، جھوٹ جانا
کہ خوشی سے مر نہ جاتے، اگر اعتبار ہوتا
تری نازکی سے جانا کہ بندھا تھا عہد بودا
کبھی تُو نہ توڑ سکتا، اگر اُستوار ہوتا
کوئی میرے دل سے پوچھے، ترے تیرِ نیم کش کو
یہ خلش کہاں سے ہوتی، جو جگر کے پار ہوتا
یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح؟
کوئی چارہ ساز ہوتا، کوئی غمگسار ہوتا
رگِ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا
جسے غم سمجھ رہے ہو، یہ اگر شرار ہوتا
غم اگرچہ جانگسِل ہے، پہ کہاں بچیں؟ کہ دل ہے
غمِ عشق گر نہ ہوتا، غمِ روزگار ہوتا

کہوں کس سے میں کہ کیا ہے، شبِ غم بُری بَلا ہے
مجھے کیا بُرا تھا مرنا، اگر ایک بار ہوتا

ہوئے مَر کے ہم جو رُسوا، ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا؟
نہ کبھی جنازہ اُٹھتا، نہ کہیں مزار ہوتا

اُسے کون دیکھ سکتا، کہ یگانہ ہے وہ یکتا
جو دُوئی کی بُو بھی ہوتی، تو کہیں دو چار ہوتا

یہ مسائلِ تصوّف، یہ ترا بیان، غالبؔ!
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

۴۳

نہ تھا کچھ، تو خدا تھا، کچھ نہ ہوتا، تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے، نہ ہوتا مَیں، تو کیا ہوتا؟

ہوئی مُدّت کہ غالبؔ مر گیا، پر یاد آتا ہے
وہ ہر یک بات پر کہنا کہ "یُوں ہوتا، تو کیا ہوتا؟"

۴۴

بزمِ شاہنشاہ میں اشعار کا دفتر کھُلا
رکھیو، یارب، یہ درِ گنجینۂ گوہر کھُلا

شب ہوئی، پھر انجمِ رخشندہ کا منظر کھُلا
اِس تکلّف سے کہ گویا بُت کدے کا در کھُلا

گرچہ ہوں دیوانہ، پر کیوں دوست کا کھاؤں فریب؟
آستیں میں دَشنہ پنہاں، ہاتھ میں نشتر کھُلا

گو نہ سمجھوں اُس کی باتیں، گو نہ پاؤں اُس کا بھید
پر یہ کیا کم ہے کہ مجھ سے وہ پری پیکر کھُلا

ہے خیالِ حُسن میں حُسنِ عمل کا سا خیال
خُلد کا اِک در ہے، میری گور کے اندر کھُلا

مُنہ نہ کھُلنے پر، ہے وہ عالم کہ دیکھا ہی نہیں
زُلف سے بڑھ کر نِقاب اُس شوخ کے مُنہ پر کھُلا

در پہ رہنے کو کہا، اور کہہ کے کیسا پھر گیا!
جِتنے عرصے میں مرا لپٹا ہوا بستر کھُلا

۴۵

جَور سے باز آئے، پر باز آئیں کیا؟
کہتے ہیں، "ہم تجھ کو مُنہ دکھلائیں کیا؟"

رات دن گردش میں ہیں سات آسماں
ہو رہے گا کچھ نہ کچھ، گھبرائیں کیا؟

لاگ ہو، تو اُس کو ہم سمجھیں لگاؤ

جب نہ ہو کچھ بھی، تو دھوکا کھائیں کیا؛

ہو لیئے کیوں نامہ بَر کے ساتھ ساتھ؟

یارب، اپنے خط کو ہم پہنچائیں کیا؛

موجِ خُوں سَر سے گزر ہی کیوں نہ جائے

آستانِ یار سے اُٹھ جائیں کیا؛

عمر بھر دیکھا کیا مرنے کی راہ

مر گئے پر، دیکھیے، دکھلائیں کیا؛

پوچھتے ہیں وہ کہ "غالب کون ہے"؟

کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا؛

۴۶

دردِ مِنّت کشِ دوا نہ ہوا

میں نہ اچھا ہوا، بُرا نہ ہوا

جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو؟

اِک تماشا ہوا، گِلا نہ ہوا

ہم کہاں قسمت آزمانے جائیں؟

تُو ہی جب خنجر آزما نہ ہوا

کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب
گالیاں کھا کے بے مزا نہ ہوا
ہے خبر گرم اُن کے آنے کی
آج ہی گھر میں بوریا نہ ہوا
کیا وہ نمرُود کی خُدائی تھی؟
بندگی میں مِرا بھلا نہ ہوا
جان دی، دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یُوں ہے کہ حق ادا نہ ہوا
زخم گر دَب گیا، لہو نہ تھما
کام گر رُک گیا، رَوا نہ ہوا
رہزنی ہے کہ دِل ستانی ہے؟
لے کے دِل، دِل ستاں روانہ ہوا
کچھ تو پڑھیئے کہ لوگ کہتے ہیں
"آج غالب غزل سرا نہ ہوا"

۴۷

درخورِ قہر و غضب، جب کوئی ہم سا، نہ ہوا
پھر غلط کیا ہے کہ ہم سا کوئی پیدا نہ ہوا

بندگی میں بھی وہ آزادہ و خودبیں ہیں کہ ہم
اُلٹے پھر آئے، درِ کعبہ اگر وَا نہ ہوا

کم نہیں، نازشِ ہم نامیِ چشمِ خوباں
تیرا بیمار، بُرا کیا ہے، گر اچھا نہ ہوا

سینے کا داغ ہے، وہ نالہ کہ لب تک نہ گیا
خاک کا رزق ہے، وہ قطرہ کہ دریا نہ ہوا

نام کا میرے ہے، جو دُکھ کہ کسی کو نہ مِلا
کام میں میرے ہے، جو فتنہ کہ بَرپا نہ ہوا

قطرے میں دجلہ دکھائی نہ دے اور جُزو میں کُل
کھیل لڑکوں کا ہوا، دیدۂ بینا نہ ہوا

تھی خبر گرم کہ غالبؔ کے اُڑیں گے پُرزے
دیکھنے ہم بھی گئے تھے، پہ تماشا نہ ہوا

۴۸

بہ مُہرِ نامہ جو بوسہ گِلِ پیام رہا
ہمارا کام ہوا اور تمہارا نام رہا

دہانِ تنگ مجھے کس کا یاد آیا تھا؟
کہ شب خیال میں بوسوں کا ازدحام رہا

۴۹

شکوۂ یاراں غبارِ دل میں پنہاں کر دیا
غالبؔ، ایسے گنج کو شایاں یہی ویرانہ تھا

۵۰

پھر وہ سُوئے چمن آتا ہے، خدا خیر کرے
رنگ اُڑتا ہے گلستاں کے ہواداروں کا

۵۱

عیب کا دریافت کرنا ہے ہُنر مندی، اسدؔ
نقص پر اپنے ہوا جو مُطّلع، کامل ہوا

۵۲

اسدؔ، اربابِ فطرت قدر دانِ لفظ و معنی ہیں
سخن کا بندہ ہوں، لیکن نہیں مشتاق تحسیں کا

ان دِلفریبیوں سے نہ کیوں اُس پہ پیار آئے — رُوٹھا جو بے گناہ، تو بے عُذر مَن گیا
خوشی جینے کی کیا، مَرنے کا غم کیا — ہماری زندگی کیا، اور ہم کیا
پیری میں بھی کمی نہ ہوئی تاک جھانک کی — رَوزن کی طرح، دید کا آزارہ گیا
وہ مرغ ہے خزاں کی صعُوبت سے بے خبر — آیندہ سال تک جو گرفتار رہ گیا

پھر ہُوا وقت، کہ ہو بال کشا موجِ شراب
دے بطِ مے کو دل و دستِ شنا موجِ شراب

پوچھ مت وجہ سیہ مستیِ اربابِ چمن
سایۂ تاک میں ہوتی ہے ہَوا موجِ شراب

ہے یہ برسات وہ موسم کہ عجب کیا ہے اگر
موجِ ہستی کو کرے فیضِ ہَوا موجِ شراب

چار موج اُٹھتی ہے طوفانِ طرب سے ہر سُو
موجِ گُل، موجِ شفق، موجِ صبا، موجِ شراب

جس قدر رُوحِ نباتی ہے جگر تشنۂ ناز
دے ہے تسکیں بدمِ آبِ بقا موجِ شراب

نشّے کے پردے میں ہے محوِ تماشائے دماغ
بس کہ رکھتی ہے سرِ نشو و نما موجِ شراب

شرحِ ہنگامۂ ہستی ہے زہے موسمِ گُل !
رہبرِ قطرہ بہ دریا ہے خوشا موجِ شراب

۵۴

عمر میری ہو گئی صَرفِ بہارِ حُسنِ یار
گردشِ رنگِ چمن ہے ماہ و سالِ عندلیب
ہے مگر موقوف بر وقتِ دگر، کارِ اسدؔ
اے شبِ پروانہ و روزِ وصالِ عندلیب

۱؎ دو مرشدوں کو قدرتِ حق سے ہیں دو طالب نظام الدین کو خسروؔ، سراج الدین کو غالبؔ

۵۵

افسوس، کہ دیداں کا کیا رزق فلک نے
جن لوگوں کی تھی درخورِ عقدِ گہر انگشت
لکھتا ہوں اسدؔ سوزشِ دل سے سخنِ گرم
تا رکھ نہ سکے کوئی مرے حرف پر انگشت

۵۶

رہا گر کوئی تا قیامت سلامت
پھر اک روز مرنا ہے حضرت سلامت

نہیں گر، سر و برگِ ادراکِ معنی
تماشائے نیرنگِ صورت سلامت

رہے، غالبِ خستہ، مغلوبِ گردوں
یہ کیا بے نیازی ہے، حضرت سلامت؟

۵۷

مُند گئیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں غالب
یار لائے مرے بالیں پہ اُسے، پر، کس وقت

۵۸

اے دلِ ناعاقبت اندیش ضبطِ شوق کر
کون لا سکتا ہے تابِ جلوۂ دیدارِ دوست

ق

غیر یُوں کرتا ہے میری پُرسش اس کے ہجر میں
بے تکلف دوست ہو جیسے کوئی غم خوارِ دوست

تا کہ مَیں جانوں کہ ہے اس کی رسائی واں تلک
مجھ کو دیتا ہے، پیامِ وعدۂ دیدارِ دوست

جب کہ میں کرتا ہوں اپنا شکوۂ ضعفِ دماغ
سر کرے ہے وہ حدیثِ زُلفِ عنبر بارِ دوست

چُپکے چُپکے مجھ کو روتے دیکھ پاتا ہے اگر
ہنس کے کرتا ہے بیانِ شوخیٔ گفتارِ دوست

مہربانی ہائے دشمن کی شکایت کیجئے
یا بیاں کیجے سپاسِ لذّتِ آزارِ دوست

یہ غزل اپنی مجھے جی سے پسند آتی ہے آپ
ہے ردیفِ شعر میں غالبؔ زبس تکرارِ دوست

۵۹

گُلشن میں بندوبست برنگِ دگر ہے آج
قمری کا طوق حلقۂ بیرونِ در ہے آج

اے عافیت کنارہ کر، اے انتظام چل
سیلابِ گریہ درپئے دیوار و در ہے آج

۶۰

لو ہم مریضِ عشق کے تیماردار ہیں
اچھا اگر نہ ہو تو مسیحا کا کیا علاج؟

۶۱

نفس نہ انجمنِ آرزو سے باہر کھینچ
اگر شراب نہیں انتظارِ ساغر کھینچ
تجھے بہانۂ راحت ہے، انتظار اے دل
کیا ہے کس نے اشارہ کہ نازِ بستر کھینچ

۶۲

قطعِ سفرِ ہستی و آرامِ فنا ہیچ
رفتار نہیں بیشتر از لغزشِ پا ہیچ
آہنگِ اسدؔ میں نہیں جز نغمۂ بیدلؔ
"عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ"

۶۳

حُسن غمزے کی کشاکش سے چُھٹا میرے بعد
بارے آرام سے ہیں اہلِ جفا میرے بعد
منصبِ شیفتگی کے کوئی قابل نہ رہا
ہوئی معزولیٔ انداز و ادا میرے بعد

شمع بجھتی ہے تو اس میں سے دھواں اٹھتا ہے
شعلۂ عشق سیہ پوش ہوا میرے بعد

خوں ہے دل خاک میں احوالِ بُتاں پر یعنی
ان کے ناخن ہوئے محتاجِ حنا میرے بعد

کون ہوتا ہے حریفِ مے مرد افگنِ عشق؟
ہے مکرّر لبِ ساقی پہ صلا میرے بعد

غم سے مرتا ہوں کہ اتنا نہیں دنیا میں کوئی
کہ کرے تعزیتِ مہر و وفا میرے بعد

آئے ہے بے کسئ عشق پہ رونا غالبؔ
کس کے گھر جائے گا سیلابِ بَلا میرے بعد

تھا مَیں گلدستۂ احباب کی بندش کی گیاہ
متفرّق ہوئے میرے رُفقا میرے بعد

۶۴

تو پست فطرت اور خیالِ بسا بلند
اے طفلِ خود معاملہ، قد سے عصا بلند!
بالیدگی نیازِ قدِ جانفزا اسد در ہر نفس بقدرِ نفس ہے، قبا بلند

٦٥

بلا سے ہیں، جو یہ پیشِ نظر در و دیوار
نگاہِ شوق کو ہیں، بال و پَر در و دیوار

وفورِ اشک نے کاشانے کا کیا یہ رنگ
کہ ہو گئے مرے دیوار و دَر، در و دیوار

وہ آ رہا مرے ہمسائے میں تو سائے سے
ہوئے فدا در و دیوار پر، در و دیوار

نظر میں کھٹکے ہے بِن تیرے گھر کی آبادی،
ہمیشہ روتے ہیں ہم دیکھ کر در و دیوار

نہ کہہ کسی سے کہ غالبؔ نہیں زمانے میں
حریفِ رازِ محبت، مگر در و دیوار

٦٦

گھر جب بنا لیا ترے دَر پر کہے بغیر
جانے گا اب بھی تو نہ مرا گھر کہے بغیر

کہتے ہیں، جب رہی نہ مجھے طاقتِ سخن
جانوں کسی کے دل کی میں کیوں کر کہے بغیر

کام اُس سے آپڑا ہے کہ جس کا جہان میں
لیوے نہ کوئی نام "ستمگر" کہے بغیر

جی میں ہی کچھ نہیں ہے ہمارے وگرنہ ہم
سَر جائے یا رہے نہ رہیں پر کہے بغیر

چھوڑوں گا میں نہ اس بُتِ کافر کا پُوجنا
چھوڑے نہ خلق گو مجھے کافَر کہے بغیر

مقصد ہے ناز و غمزہ ولے گفتگو میں کام
چلتا نہیں ہے دشنۂ و خنجر کہے بغیر

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گُفتگو،
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

بہرا ہوں مَیں تو چاہیئے دونا ہو التفات
سُنتا نہیں ہوں بات مکرّر کہے بغیر

غالبؔ نہ کر حضور میں تو بار بار عرض
ظاہر ہے تیرا حال سب ان پر کہے بغیر

٦٧

کیوں جل گیا نہ تابِ رُخِ یار دیکھ کر
جلتا ہوں اپنی طاقتِ دیدار دیکھ کر

کیا آبروئے عشق، جہاں عام ہو جفا
رُکتا ہوں تم کو بے سبب آزار دیکھ کر

ثابت ہوا ہے گردنِ مِینا پہ خُونِ خلق
لرزے ہے موجِ مے تری رفتار دیکھ کر

وا حسرتا کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ
ہم کو حریصِ لذّتِ آزار دیکھ کر

بِک جاتے ہیں ہم آپ متاعِ سخن کے ساتھ
لیکن، عیارِ طبعِ خریدار دیکھ کر

زُنّار باندھ، سُبحۂ صد دانہ توڑ ڈال
رہرو چلے ہے راہ کو ہموار دیکھ کر

اِن آبلوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا میں
جی خوش ہوا ہے راہ کو پُرخار دیکھ کر

گِرنی تھی ہم پہ برقِ تجلّی، نہ طُور پر
دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھ کر

سر پھوڑنا وہ غالبؔ شوریدہ حال کا
یاد آگیا مجھے تری دیوار دیکھ کر

۶۸

لرزتا ہے مرا دل، زحمتِ مہرِ درخشاں پر
میں ہوں وہ قطرۂ شبنم کہ ہو خارِ بیاباں پر
نہ چھوڑی حضرتِ یوسف نے یاں بھی خانہ آرائی
سفیدی دیدۂ یعقوب کی پھرتی ہے زنداں پر
فنا تعلیمِ درسِ بے خودی ہوں اس زمانے سے
کہ مجنوں لام الف لکھتا تھا دیوارِ دبستاں پر
مجھے اب دیکھ کر ابرِ شفق آلودہ یاد آیا
کہ فرقت میں تری آتش برستی تھی گلستاں پر
بجز پروازِ شوقِ ناز کیا باقی رہا ہوگا
قیامت اک ہوائے تند ہے خاکِ شہیداں پر
نہ لڑ ناصح سے غالبؔ، کیا ہوا گر اس نے شدت کی
ہمارا بھی تو آخر زور چلتا ہے گریباں پر

۶۹

ہے بس کہ ہر اک ان کے اشارے میں نشاں اور
کرتے ہیں محبت تو گزرتا ہے گماں اور

یارب، وہ نہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے مری بات
دے اور دل ان کو، جو نہ دے مجھ کو زباں اور

ابرو سے ہے کیا اس نگہِ ناز کو پیوند
ہے تیر مقرر، مگر اس کی ہے کماں اور

تم شہر میں ہو تو ہمیں کیا غم جب اُٹھیں گے
لے آئیں گے بازار سے جا کر دل و جاں اور

ہرچند سُبک دَست ہوئے بُت شِکنی میں
ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہے سنگِ گراں اور

مرتا ہوں اس آواز پہ ہرچند سَر اُڑ جائے
جلّاد کو لیکن وہ کہے جائیں کہ "ہاں اور"

لوگوں کو ہے خورشیدِ جہاں تاب کا دھوکا
ہر روز دکھاتا ہوں میں اِک داغِ نہاں اور

لیتا، نہ اگر دل تمہیں دیتا، کوئی دَم چین
کرتا، جو نہ مرتا کوئی دن، آہ و فغاں اور

پاتے نہیں جب راہ تو چڑھ جاتے ہیں نالے
رُکتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے رَواں اور

ہیں اور بھی دُنیا میں سخنور بہت اچھے ٭ کہتے ہیں کہ غالبؔ کا ہے اندازِ بیاں اور

ستم کش مصلحت سے ہوں، کہ خوباں تجھ پہ عاشق ہیں
تکلّف برطرف مل جائے گا تجھ سا رقیب آخر

۷۰

صفائے حیرتِ آئینہ ہے سامانِ زنگ آخر
تغیّر آب بر جا ماندہ کا، پاتا ہے رنگ آخر

۷۱

فلک سے ہم کو عیشِ رفتہ کا کیا کیا تقاضا ہے
متاعِ بُردہ کو سمجھے ہوئے ہیں قرض رہزن پر
فنا کو سونپ گر مشتاق ہے اپنی حقیقت کا
فروغِ طالعِ خاشاک ہے موقوف گلخن پر
اسدؔ بسمل ہے کس انداز کا قاتل سے کہتا ہے
کہ "مشقِ ناز کر، خونِ دو عالم میری گردن پر"

۷۲

لازم تھا کہ دیکھو مرا رستہ کوئی دن اور
تنہا گئے کیوں؟ اب رہو تنہا کوئی دن اور
مٹ جائے گا سَر، گر ترا پتھر نہ گھسے گا
ہوں در پہ ترے ناصیہ فرسا کوئی دن اور

آئے ہو کل اور آج ہی کہتے ہو کہ جاؤں

مانا، کہ ہمیشہ نہیں، اچھا کوئی دن اور

جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملیں گے

کیا خوب! قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

ہاں اے فلکِ پیر، جواں تھا ابھی عارفؔ

کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور

تم ماہِ شبِ چار دہم تھے مرے گھر کے

پھر کیوں نہ رہا گھر کا وہ نقشا کوئی دن اور

تم کون سے ایسے تھے کھرے داد وستد کے

کرتا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور

مجھ سے تمہیں نفرت سہی، نیّر سے لڑائی

بچّوں کا بھی دیکھا نہ تماشا کوئی دن اور

گزری نہ بہر حال یہ مدّت خوش و ناخوش

کرنا تھا جواں مرگ گزارا کوئی دن اور

ناداں ہو جو کہتے ہو کہ کیوں جیتے ہیں غالبؔ

قسمت میں ہے مرنے کی تمنّا کوئی دن اور

مدعی، میرے صفائے دل سے ہوتا ہے خجل
ہے تماشا، زشت رویوں کا عتاب آئینے پر
دل کو توڑا جوشِ بیتابی سے، غالب کیا کیا؟
رکھ دیا پہلو بوقتِ اضطراب آئینے پر؟

۷۴

ہے نازِ مفلسان زر از دست رفتہ پر
ہوں گل فروشِ شوخیٔ داغِ کہن ہنوز

۷۵

حریفِ مطلبِ مشکل نہیں فسونِ نیاز
دعا قبول ہو یارب کہ عمرِ خضر دراز
ہر ایک ذرّۂ عاشق ہے آفتاب پرست
گئی نہ خاک ہوئے پر، ہوائے جلوۂ ناز
نہ پوچھ وسعتِ میخانۂ جنوں غالب
جہاں یہ کاسۂ گردوں ہے ایک خاک انداز

۷۶

کیوں کر اس بُت سے رکھوں جان عزیز
کیا نہیں ہے مجھے ایمان عزیز

دل سے نکلا پہ نہ نکلا دل سے
ہے ترے تیر کا پیکان عزیز
تاب لائے ہی بنے گی غالبؔ
واقعہ سخت ہے اور جان عزیز

""

نہ گلِ نغمہ ہوں نہ پردۂ ساز
میں ہوں اپنی شکست کی آواز
تُو اور آرائشِ خمِ کاکُل!
مَیں اور اندیشہ ہائے دُور دراز
لافِ تمکیں فریبِ سادہ دلی
ہم ہیں اور رازہائے سینہ گداز
ہوں گرفتارِ الفتِ صیّاد
ورنہ باقی ہے طاقتِ پرواز
وہ بھی دن ہو کہ اس ستم گر سے
ناز کھینچوں، بجائے حسرتِ ناز
نہیں دل میں مرے وہ قطرۂ خوں
جس سے مژگاں ہوئی نہ ہو گلباز

مجھ کو پوچھا، تو کچھ غضب نہ ہوا
مَیں غریب اور تو غریب نواز
اسد اللہ خاں تمام ہوا
اے دریغا وہ رندِ شاہد باز!

۷۸

ہجومِ فکر سے دِل مثلِ موج لرزے ہے
کہ شیشہ نازک و صہبائے آبگینہ گداز

۷۹

گُل کِھلے، غنچے چٹکنے لگے اور صبح ہوئی
سرخوشِ خواب ہے وہ نرگسِ مخمور ہنوز

۸۰

مژدہ، اے ذوقِ اسیری کہ نظر آتا ہے
دامِ خالی، قفسِ مرغِ گرفتار کے پاس
مند گئیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں ہے ہے!
خوب وقت آئے تم اس عاشقِ بیمار کے پاس
مَیں بھی رُک رُک کے نہ مرتا جو زباں کے بدلے
دشنہ اِک تیز سا ہوتا مرے غمخوار کے پاس

دہنِ شیر میں جا بیٹھیے، لیکن اے دل
نہ کھڑے ہو جیئے خوبانِ دل آزار کے پاس
دیکھ کر تجھ کو چمن، بس کہ نمو کرتا ہے
خود بخود پہنچے ہے گل گوشۂ دستار کے پاس
مر گیا پھوڑ کے سر غالبِ وحشی ہے! ہے!
بیٹھنا اس کا وہ آ کر تری دیوار کے پاس

سنینِ عمر کے ستّر ہوئے شمار برس — بہت جیوں تو جیوں اور تین چار برس

۸۱

فروغِ حُسن سے ہوتی ہے حلِّ مشکلِ عاشق
نہ نکلے شمع کے پاسے نکالے گر نہ خارِ آتش

۸۲

رُخِ نگار سے ہے سوزِ جاودانیٔ شمع
ہوئی ہے آتشِ گل آبِ زندگانیٔ شمع
زبانِ اہلِ زباں میں ہے، مرگ خاموشی
یہ بات بزم میں روشن ہوئی زبانیٔ شمع

غم اس کو حسرتِ پروانہ کا ہے اے شعلہ
ترے لرزنے سے ظاہر ہے ناتوانیٔ شمع

ترے خیال سے روح اہتزاز کرتی ہے
بہ جلوہ ریزیٔ باد و بہ پرفشانیٔ شمع

جلے ہے دیکھ کے بالینِ یار پر مجھ کو
نہ کیوں ہو دل پہ مرے داغِ بدگمانیٔ شمع

۸۳

چار سوئے دہر میں بازارِ غفلت گرم ہے
عقل کے نقصاں سے اُٹھتا ہے خیالِ انتفاع

آشنا، غالبؔ، نہیں ہیں دردِ دل کے آشنا
ورنہ کس کو میرے افسانے کی تابِ استماع؟

۸۴

بدتر از ویرانہ ہے فصلِ خزاں میں صحنِ باغ
خانۂ بُلبل، بغیر از خندۂ گُل، بے چراغ

پتہ پتہ اب چمن کا انقلاب آمودہ ہے
نغمۂ مرغِ چمن زا، ہے صدائے بوم و زاغ

چشمِ پُرنم رہ، زمانہ مُنقلب ہے اے اسدؔ اب یہی ہے بس، مئے شادی سے پُر ہو نا ایاغ

جلتا ہے دل، کہ کیوں نہ ہم اِک بار جل گئے
اے ناتمامئِ نفسِ شعلہ بار حیف!

۸۶

یاد ہیں غالبؔ تجھے وہ دن کہ وجدِ ذوق میں
زخم سے گرتا تو میں پلکوں سے چُنتا تھا نمک
اِس عمل میں عیش کی لذّت نہیں مِلتی اسدؔ
زور نسبت مَے سے رکھتا ہے نصاریٰ کا نمک

۸۷

آہ کو چاہیئے اِک عُمر اثر ہونے تک
کون جیتا ہے تری زُلف کے سر ہونے تک
دامِ ہر موج میں ہے حلقۂ صد کامِ نہنگ
دیکھیں کیا گزرے ہے قطرے پہ گُہر ہونے تک
عاشقی صبر طلب اور تمنّا بے تاب
دل کا کیا رنگ کروں خُونِ جگر ہونے تک
ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے، لیکن!
خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

پر توِ خور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم
میں بھی ہوں ایک عنایت کی نظر ہونے تک

یک نظر بیش نہیں فرصتِ ہستی غافل
گرمیِ بزم ہے اِک رقصِ شرر ہونے تک

غمِ ہستی کا اسدؔ کس سے ہو جُز مرگ علاج
شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

۸۸

گر تجھ کو ہے یقینِ اجابت دُعا نہ مانگ
یعنی بغیر یک دلِ بے مُدّعا نہ مانگ

آتا ہے داغِ حسرتِ دل کا شمار یاد
مجھ سے مرے گُنہ کا حساب اے خُدا نہ مانگ

۸۹

ہے کس قدر ہلاکِ فریبِ ہوائے گُل
بلبل کے کاروبار پہ ہیں خندہ ہائے گُل

آزادیٔ نسیم مبارک کہ ہر طرف
ٹُوٹے پڑے ہیں حلقۂ دامِ ہوائے گُل

جو تھا سو موجِ رنگ کے دھوکے میں مرگیا
اے وائے نالۂ لبِ خُونیں نوائے گُل

خوش حال اس حریفِ سیہ مست کا کہ جو

رکھتا ہو، مثلِ سایۂ گُل سر بہ پائے گُل

ایجاد کرتی ہے اُسے تیرے لیئے بہار

میرا رقیب ہے نفسِ عطر سائے گُل

شرمندہ رکھتے ہیں مجھے بادِ بہار سے

مینائے بے شراب و دلِ بے ہوائے گُل

سطوت سے تیرے جلوۂ حُسنِ غیور کی

خُوں ہے مری نگاہ میں رنگِ ادائے گُل

تیرے ہی جلوے کا ہے یہ دھوکا کہ آج تک

بے اختیار دوڑے ہے گُل در قفائے گُل

غالبؔ مجھے ہے اُس سے ہم آغوشی آرزو　　جس کا خیال ہے گُلِ جیبِ قبائے گُل

۹۰

غم نہیں ہوتا ہے آزادوں کو بیش از یک نفس

برق سے کرتے ہیں روشن شمعِ ماتم خانہ ہم

محفلیں برہم کرے ہے گنجفہ بازِ خیال

ہیں ورق گردانیِ نیرنگِ یک بُت خانہ ہم

دائم الحبس اس میں ہیں لاکھوں تمنّائیں اسدؔ

جانتے ہیں سینۂ پُرخوں کو زنداں خانہ ہم

بہ نالہ حاصلِ دل بستگی فراہم کر
متاعِ خانۂ زنجیر جُز صدا معلوم

۹۲

مجھ کو دیارِ غیر میں مارا وطن سے دُور
رکھ لی مرے خدا نے مری بیکسی کی شرم
وہ حلقہ ہائے زُلف کمیں میں ہیں اے خدا
رکھ لیجو میرے دعوئ وارستگی کی شرم

۹۳

تماشائے گلشن، تمنّائے چیدن
بہار آفرینا، گنہگار ہیں ھم
اسد، شکوہ کفر و دعا ناسپاسی
ہجومِ تمنّا سے ناچار ہیں ھم

۹۴

وہ فراق اور وہ وصال کہاں
وہ شب و روز و ماہ و سال کہاں

فرصتِ کاروبارِ شوق کسے؟
ذوقِ نظارۂ جمال کہاں
دل تو دل وہ دماغ بھی نہ رہا
شورِ سودائے خطّ و خال کہاں
تھی وہ اِک شخص کے تصوّر سے
اب وہ رعنائیِ خیال کہاں
ایسا آساں نہیں لہو رونا
دل میں طاقت، جگر میں حال کہاں
ہم سے چھُوٹا قمار خانۂ عشق
واں جو جائیں گرہ میں مال کہاں
فکرِ دُنیا میں سر کھپاتا ہوں
مَیں کہاں اور یہ وبال کہاں
مضمحل ہو گئے قویٰ غالبؔ
وہ عناصر میں اعتدال کہاں

۹۵

کی وفا ہم سے تو غیر اس کو جفا کہتے ہیں
ہوتی آئی ہے کہ اچھّوں کو بُرا کہتے ہیں

آج ہم اپنی پریشانیٔ خاطر اُن سے
کہنے جاتے تو ہیں پر دیکھئے کیا کہتے ہیں

اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انھیں کچھ نہ کہو
جو مے و نغمہ کو اندوہ رُبا کہتے ہیں

ہے پَرے سرحدِ ادراک سے اپنا مسجُود
قبلے کو اہلِ نظر قبلہ نُما کہتے ہیں

دیکھئے لاتی ہے اُس شوخ کی نخوت کیا رنگ
اُس کی ہر بات پہ ہم "نام خدا" کہتے ہیں

وحشت و شیفتہ اب مرثیہ کہویں شاید
مر گیا غالبِ آشفتہ نوا کہتے ہیں

۹۶

ممکن نہیں کہ بھُول کے بھی آرمیدہ ہوں
مَیں دشتِ غم میں آہوئے صیّاد دیدہ ہوں

نے سبحہ سے علاقہ نہ ساغر سے واسطہ
مَیں معرضِ مثال میں دستِ بریدہ ہوں

ہوں خاکسار پر نہ کسی سے ہے مجھ کو لاگ
نے دانۂ فتادہ ہوں نے دامِ چیدہ ہوں

جو چاہیے نہیں وہ مری قدر و منزلت
میں یوسفِ بقیمتِ اوّل خریدہ ہوں
ہرگز کسی کے دل میں نہیں ہے مری جگہ
ہوں میں کلامِ نغز ولے ناشنیدہ ہوں
اہلِ وَرَع کے حلقہ میں ہرچند ہوں ذلیل
پر عاصیوں کے فرقہ میں مَیں برگزیدہ ہوں
پانی سے سگ گزیدہ ڈرے جسطرح اسدؔ
ڈرتا ہوں آئینہ سے کہ مردم گزیدہ ہوں

میں بے ہنر کہ جوہرِ آئینہ تھا، عبث پائے نگاہِ خلق میں خارِ خلیدہ ہوں
ہوں گرمیٔ نشاطِ تصوّر سے نغمہ سنج مَیں عندلیبِ گلشنِ نا آفریدہ ہوں

۹۷

آبرو کیا خاک اُس گُل کی کہ گلشن میں نہیں
ہے گریباں ننگِ پیراہن جو دامن میں نہیں
ہو گئے ہیں جمع اجزائے نگاہِ آفتاب
ذرّے اس کے گھر کی دیواروں کے روزن میں نہیں

رونقِ ہستی ہے عشقِ خانہ ویراں ساز سے
انجمن بے شمع ہے گر برق خرمن میں نہیں

زخم سِلوانے سے مجھ پر چارہ جُوئی کا ہے طعن
غیر سمجھا ہے کہ لذّت زخمِ سوزن میں نہیں

لے گئی ساقی کی نخوت قلزم آشامی مِری
موجِ مے کی آج رگ مینا کی گردن میں نہیں

تھی وطن میں شان کیا غالبؔ کہ ہو غربت میں قدر
بے تکلف ہوں وہ مُشتِ خَس کہ گلخن میں نہیں

۹۸

اپنا احوالِ دلِ زار کہوں یا نہ کہوں؟
ہے حَیا مانعِ اظہار، کہوں یا نہ کہوں؟

نہیں کرنے کا مَیں تقریر ادب سے باہر
مَیں بھی ہوں محرمِ اَسرار کہوں یا نہ کہوں؟

دل کے ہاتھوں سے کہ ہے دشمنِ جانی میرا
ہوں اِک آفت میں گرفتار کہوں یا نہ کہوں؟

مَیں تو دیوانہ ہوں اور ایک جہاں ہے غمّاز
گوش ہیں درپسِ دیوار، کہوں یا نہ کہوں؟

مَیں، اور صد ہزار نوائے جگر خراش
تُو، اور ایک وہ نہ شنیدن کہ کیا کہوں
ظالم مرے گُماں سے مجھے منفعِل نہ چاہ
ہے، ہے خدا نہ کردہ، تجھے بے وفا کہوں

۹۹

مہرباں ہو کے بُلا لو مجھے چاہو جس وقت
مَیں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں
ضعف میں طعنۂ اغیار کا شکوہ کیا ہے
بات کچھ سَر تو نہیں ہے کہ اُٹھا بھی نہ سکوں
زہر مِلتا ہی نہیں مجھ کو سِتم گر، ورنہ
کیا قسم ہے ترے مِلنے کی کہ کھا بھی نہ سکوں؟

۱۰۰

مت ہوجیو اے سیلِ فنا اُن کے مقابل
جاں بازِ الم، نقش بہ دامانِ بقا ہیں
اے وَہم طرازانِ مجازی و حقیقی
عشّاق فریبِ حق و باطل سے جُدا ہیں
اب مُنتظرِ شورِ قیامت نہیں، غالب دُنیا کے ہر اِک ذرّے میں سو حشر بپا ہیں

۱۰۱

ہم سے کُھل جاؤ بوقتِ مے پرستی ایک دِن
ورنہ ہم چھیڑیں گے رکھ کر عذرِ مستی ایک دِن

غرّۂ اوجِ بنائے عالمِ امکاں نہ ہو
اِس بلندی کے نصیبوں میں ہے پستی ایک دِن

قرض کی پیتے تھے مے لیکن سمجھتے تھے کہ ہاں
رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دِن

نغمہ ہائے غم کو بھی اے دِل غنیمت جانیئے
بے صَدا ہو جائے گا یہ سازِ ہستی ایک دِن

دھول دَھپّا اُس سراپا ناز کا شیوہ نہیں
ہم ہی کر بیٹھے تھے غالبؔ پیش دستی ایک دِن

۱۰۲

ہم پر جفا سے ترکِ وفا کا گُماں نہیں
اِک چھیڑ ہے وگرنہ مُراد امتحاں نہیں

کِس مُنہ سے شکر کیجیے اِس لُطفِ خاص کا
پرسش ہے اور پائے سخن درمیاں نہیں

ہم کو ستم عزیز، ستمگر کو ہم عزیز
نا مہرباں نہیں ہے اگر مہرباں نہیں

جاں مطربِ ترانۂ ہَل مِن مَزِید ہے
لب پردہ سنجِ زمزمۂ الاَماں نہیں

ہے ننگِ سینہ دِل اگر آتش کدہ نہ ہو
ہے عارِ دل نفَس اگر آذر فشاں نہیں

کہتے ہو "کیا لکھا ہے تری سرنوشت میں"
گویا جبیں پہ سجدۂ بُت کا نشاں نہیں

پاتا ہوں اس سے داد کچھ اپنے سخن کی مَیں
رُوح القدس اگرچہ مرا ہم زباں نہیں

جاں ہے بہائے بوسہ ولے کیوں کہے ابھی
غالبؔ کو جانتا ہے کہ وہ نیم جاں نہیں

۱۰۳

مانعِ دشت نوردی کوئی تدبیر نہیں
ایک چکّر ہے مرے پاؤں میں زنجیر نہیں

شوق اس دشت میں دوڑائے ہے مجھ کو کہ جہاں
جادۂ غیر از نگۂ دیدۂ تصویر نہیں

حسرتِ لذّتِ آزار رہی جاتی ہے
جادۂ راہِ وفا جُز دَمِ شمشیر نہیں

جب کرم رخصتِ بیباکی و گستاخی دے
کوئی تقصیر بجُز خجلتِ تقصیر نہیں

غالبؔ اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخؔ
"آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ میرؔ نہیں"

میرؔ کے شعر کا اَحوال کہوں کیا، غالبؔ؟
جس کا دیوان کم از گلشنِ کشمیر نہیں

۱۰۴

اُلفتِ گل سے غلط ہے دعویٰ وارستگی
سرو ہے باوصفِ آزادی گرفتارِ چمن

۱۰۵

عشق تاثیر سے نومید نہیں
جاں سُپاری شجرِ بید نہیں

سلطنت دَست بدست آئی ہے
جامِ مَے خاتمِ جمشید نہیں

ہے تجلی تری سامانِ وجود
ذرّہ بے پرتوِ خورشید نہیں
گردشِ رنگِ طرب سے ڈر ہے
غمِ محرومیٔ جاوید نہیں
کہتے ہیں جیتے ہیں اُمید پہ لوگ
ہم کو جینے کی بھی امید نہیں

۱۰۶

جہاں تیرا نقشِ قدم دیکھتے ہیں
خیاباں خیاباں اِرم دیکھتے ہیں
ترے سرو قامت سے اِک قدِّ آدم
قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں
تماشا کر اے محوِ آئینہ داری
تجھے کس تمنّا سے ہم دیکھتے ہیں
بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالبؔ
تماشائے اہلِ کرم دیکھتے ہیں

جس دن سے کہ ہم غمزدہ، زنجیر بپا ہیں   کپڑوں میں جوئیں، بخیے کے ٹانکوں سے سوا ہیں

ملتی ہے خوئے یار سے نار التہاب میں

کافر ہوں گر نہ ملتی ہو راحت عذاب میں

کب سے ہوں، کیا بتاؤں جہانِ خراب میں

شب ہائے ہجر کو بھی رکھوں گر حساب میں

تا پھر نہ انتظار میں نیند آئے عُمر بھر

آنے کا عہد کر گئے آئے جو خواب میں

قاصد کے آتے آتے خط اِک اور لِکھ رکھوں

مَیں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں

مجھ تک کب اُن کی بزم میں آتا تھا دَورِ جام

ساقی نے کچھ مِلا نہ دیا ہو شراب میں

جو مُنکرِ وفا ہو فریب اُس پہ کیا چلے

کیوں بدگماں ہوں دوست سے دشمن کے باب میں

مَیں مضطرب ہوں وصل میں خوفِ رقیب سے

ڈالا ہے تم کو وَہم نے کس پیچ و تاب میں

مَیں اور حظِّ وصل خدا ساز بات ہے

جاں نذر دینی بھول گیا اِضطراب میں

ہے تیوری چڑھی ہوئی اندر نقاب کے
ہے اک شکن پڑی ہوئی طرفِ نقاب میں
لاکھوں لگاؤ ایک چُرانا نگاہ کا
لاکھوں بناؤ ایک بگڑنا عتاب میں
وہ نالہ دل میں خس کے برابر جگہ نہ پائے
جس نالے سے شگاف پڑے آفتاب میں
وہ سحر مُدعا طلبی میں نہ کام آئے
جس سحر سے سفینہ رواں ہو سراب میں
غالبؔ چھٹی شراب پر اب بھی کبھی کبھی
پیتا ہوں روزِ ابر وشبِ ماہتاب میں

۱۰۸

کل کے لیئے کر آج نہ خسّت شراب میں
یہ سُوءِ ظن ہے ساقیٔ کوثر کے باب میں
ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخیٔ فرشتہ ہماری جناب میں
جاں کیوں نکلنے لگتی ہے تن سے دمِ سماع
گر وہ صدا سمائی ہے چنگ و رباب میں

رَو میں ہے رَخشِ عمر، کہاں دیکھیے تھمے
نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

اِتنا ہی مجھ کو اپنی حقیقت سے بُعد ہے
جتنا کہ وہمِ غیر سے ہوں پیچ و تاب میں

اصلِ شہود و شاہد و مشہود ایک ہے
حَیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کِس حساب میں

ہے مشتمل نمودِ صُوَر پر وجودِ بحر
یاں کیا دَھرا ہے قطرۂ و موج و حباب میں

شرم اِک اَدائے ناز ہے اپنے ہی سے سہی
ہیں کتنے بے حجاب کہ ہیں یوں حجاب میں

آرائشِ جمال سے فارغ نہیں ہنوز
پیشِ نظر ہے آئنہ دائم نقاب میں

ہے غیبِ غیب جس کو سمجھتے ہیں ہم شہود
ہیں خواب میں ہنوز، جو جاگے ہیں خواب میں

غالبؔ ندیمِ دوست سے آتی ہے بُوئے دوست
مشغولِ حق ہوں، بندگیٔ بُوترابؑ میں

چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لُوں
ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ "جاؤں کدھر کو مَیں"

جانا پڑا رقیب کے دَر پر ہزار بار
اے کاش جانتا نہ تری رہ گزر کو میں

ہے کیا، جو کس کے باندھیئے میری بَلا ڈرے
کیا جانتا نہیں ہوں تمہاری کمر کو میں

لو، وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے ننگ و نام ہے
یہ جانتا اگر، تو لُٹاتا نہ گھر کو میں

چلتا ہوں تھوڑی دُور ہر اِک تیز رَو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

خواہش کو احمقوں نے پرستش دیا قرار
کیا پُوجتا ہوں اُس بُتِ بیداد گر کو میں

پھر بے خودی میں بھول گیا راہِ کُوئے یار
جاتا وگرنہ ایک دِن اپنی خبر کو میں

اپنے پہ کر رہا ہوں قیاس اہلِ دہر کا
سمجھا ہوں دِل پذیر متاعِ ہُنر کو میں

۱۱۰

ذکر میرا بہ بدی بھی اُسے منظور نہیں
غیر کی بات بگڑ جائے تو کچھ دُور نہیں

شاہدِ ہستیٔ مطلق کی کمر ہے عالم
لوگ کہتے ہیں کہ "ہے" پر ہمیں منظور نہیں

قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا لیکن
ہم کو تقلیدِ تنک ظرفیٔ منصور نہیں

ظُلم کر ظلم! اگر لطف دریغ آتا ہو
تُو تغافل میں کسی رنگ سے معذور نہیں

مَیں جو کہتا ہوں کہ ہم لیں گے قیامت میں تمہیں
کس رعونت سے وہ کہتے ہیں کہ ہم حُور نہیں

ہوں ظہوری کے مقابل میں خفائیٔ غالبؔ
میرے دعوے پہ یہ حُجت ہے کہ مشہُور نہیں!

۱۱۱

نالہ جز حُسنِ طلب، اے ستم ایجاد نہیں
ہے تقاضائے جفا، شکوۂ بیداد نہیں

عشق و مزدوریِ عشرت گہِ خسرو، کیا خوب!
ہم کو تسلیم نکو نامیٔ فرہاد نہیں

کم نہیں وہ بھی خرابی میں، پہ وسعت معلوم
دشت میں ہے مجھے وہ عیش کہ گھر یاد نہیں

اہلِ بینش کو ہے طوفانِ حوادث مکتب
لطمۂ موج کم از سیلیِ اُستاد نہیں

سبدِ گُل کے تلے بند کرے ہے گلچیں
مژدہ اے مُرغ! کہ گلزار میں صیّاد نہیں

کم نہیں جلوہ گری میں ترے کوچے سے بہشت
یہی نقشہ ہے ولے، اِس قدر آباد نہیں

کرتے کس مُنہ سے ہو غربت کی شکایت غالبؔ
تم کو بے مہریِ یارانِ وطن یاد نہیں!

۱۱۲

دونوں جہان دے کے وہ سمجھے یہ خوش رہا
یاں آ پڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کریں؟

تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے
تیرا پتا نہ پائیں تو ناچار کیا کریں؟

کیا شمع کے نہیں ہیں ہَوا خواہ اھلِ بزم
ہو غم ہی جاں گداز تو غم خوار کیا کریں

۱۱۳

ہو گئی ہے غیر کی شِیریں زبانی کارگر
عِشق کا اُس کو گُماں ہم بے زبانوں پر نہیں

۱۱۴

دل لگا کر لگ گیا ان کو بھی تنہا بیٹھنا
بارے اپنی بے کسی کی ہم نے پائی دَاد، یاں
ہیں زوال آمادہ اجزا آفرینش کے تمام
مہرِ گردوں ہے چراغِ رہ گزارِ باد، یاں

۱۱۵

یہ ہم جو ہجر میں دیوار و دَر کو دیکھتے ہیں
کبھی صَبا کو کبھی نامہ بر کو دیکھتے ہیں
وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں
نظر لگے نہ کہیں، اس کے دست و بازو کو
یہ لوگ کیوں مرے زخمِ جگر کو دیکھتے ہیں

ترے جواہرِ طرفِ کُلَہ کو کیا دیکھیں
ہم اَوجِ طالعِ لعل و گہُر کو دیکھتے ہیں

۱۱۶

نہیں، کہ مجھ کو قیامت کا اعتقاد نہیں
شبِ فراق سے روزِ جزا زیاد نہیں
کبھی جو یاد بھی آتا ہُوں مَیں تو کہتے ہیں
کہ آج بزم میں کچھ فتنہ و فساد نہیں
علاوہ عید کے ملتی ہے اَور دن بھی شراب
گدائے کُوچۂ مے خانہ نامُراد نہیں
جہاں میں ہو غم و شادی بہم ہمیں کیا کام
دیا ہے ہم کو خدا نے وہ دِل کہ شاد نہیں
تم ان کے وعدے کا ذکر ان سے کیوں کرو غالبؔ؟
یہ کیا ؟ کہ تم کہو، اور وہ کہیں کہ "یاد نہیں"

۱۱۷

تیرے توسن کو صبا باندھتے ہیں
ہم بھی مضموں کی ہَوا باندھتے ہیں

آہ کا کِس نے اثر دیکھا ہے
ہم بھی اِک اپنی ہَوا باندھتے ہیں

تیری فرصت کے مقابل اے عُمر!
برق کو پا بہ حنا باندھتے ہیں

نشۂ رنگ سے ہے واشدِ گل
مست کب بندِ قبا باندھتے ہیں

غلطی ہائے مضامیں مت پوچھ
لوگ نالے کو رسا باندھتے ہیں

اہلِ تدبیر کی واماندگیاں
آبلوں پر بھی حنا باندھتے ہیں

سادہ پُرکار ہیں خوُباں غالبؔ
ہم سے پیمانِ وفا باندھتے ہیں

۱۱۸

دائم پڑا ہوا ترے دَر پر نہیں ہوں مَیں
خاک ایسی زندگی پہ کہ پتھر نہیں ہوں مَیں

کیوں گردشِ مُدام سے گھبرا نہ جائے دِل
انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں مَیں

یارب زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لیئے
لوحِ جہاں پہ حرفِ مکرّر نہیں ہوں میں

حد چاہیئے سزا میں عقوبت کے واسطے
آخر گنہگار ہوں کافر نہیں ہوں میں

کس واسطے عزیز نہیں جانتے مجھے؟
لعل و زمرّد و زر و گوہر نہیں ہوں میں

رکھتے ہو تم قدم مری آنکھوں سے کیوں دریغ؟
رُتبے میں مہر و ماہ سے کمتر نہیں ہوں میں

کرتے ہو مجھ کو منعِ قدم بوس کس لیئے؟
کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہوں میں؟

غالبؔ وظیفہ خوار ہو، دو شاہ کو دعا
وہ دِن گئے کہ کہتے تھے نوکر نہیں ہوں میں

۱۱۹

سب کہاں؟ کچھ لالہ و گُل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں!

یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آرائیاں
لیکن اب نقش و نگارِ طاقِ نِسیاں ہو گئیں

تھیں بناتُ النعشِ گردوں دن کو پردے میں نہاں
شب کو ان کے جی میں کیا آئی کہ عُریاں ہو گئیں

سب رقیبوں سے ہوں ناخوش، پر زنانِ مصر سے
ہے زلیخا خوش کہ محوِ ماہِ کنعاں ہو گئیں

جُوئے خوں آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شامِ فراق
میں یہ سمجھوں گا کہ شمعیں دو فروزاں ہو گئیں

نیند اُس کی ہے، دماغ اُس کا ہے، راتیں اس کی ہیں
تیری زُلفیں جس کے بازو پر پریشاں ہو گئیں

میں چمن میں کیا گیا گویا دبستاں کھُل گیا
بلبُلیں سُن کر مرے نالے غزل خواں ہو گئیں

وہ نگاہیں کیوں ہوئی جاتی ہیں یارب دِل کے پار؟
جو مِری کوتاہئ قسمت سے مِژگاں ہو گئیں

واں گیا بھی مَیں تو ان کی گالیوں کا کیا جواب
یاد تھیں جتنی دعائیں صرفِ درباں ہو گئیں

جاں فزا ہے بادہ جس کے ہاتھ میں جام آگیا
سب لکیریں ہاتھ کی گویا رگِ جاں ہو گئیں

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترکِ رسوم

ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہو گئیں

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج

مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں

یوں ہی گر روتا رہا غالبؔ تو اے اہلِ جہاں

دیکھنا اِن بستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں

۱۲۰

دیوانگی سے دوش پہ زنّار بھی نہیں

یعنی ہماری جیب میں اِک تار بھی نہیں

دل کو نیازِ حسرتِ دیدار کر چکے

دیکھا تو ہم میں طاقتِ دیدار بھی نہیں

مِلنا ترا اگر نہیں آساں تو سہل ہے

دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں

بے عِشق عُمر کٹ نہیں سکتی ہے اور یاں

طاقت بہ قدرِ لذّتِ آزار بھی نہیں

شوریدگی کے ہاتھ سے سر ہے وبالِ دوش

صحرا میں اے خدا کوئی دیوار بھی نہیں

گنجائشِ عداوتِ اغیار اِک طرف
یاں دِل میں ضعف سے ہوسِ یار بھی نہیں

دِل میں ہے یار کی صفِ مژگاں سے دشمنی
حالانکہ طاقتِ خلشِ خار بھی نہیں

اِس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

دیکھا اسدؔ کو خلوت و جلوت میں بارہا
دیوانہ گر نہیں ہے تو ہشیار بھی نہیں

[۲]

معافِ بیہدہ گوئی ہیں ناصحانِ عزیز
دلے بدستِ نگارے ندادہ رکھتے ہیں

زمانہ سخت کم آزار ہے، بجانِ اسدؔ
وگرنہ ہم تو توقع زیادہ رکھتے ہیں

۱۲۲

نہ جانوں نیک ہوں یا بد ہوں، پر صحبت مخالف ہے
جو گل ہوں تو ہوں گلخن میں جو خس ہوں تو ہوں گلشن میں

اسد زندانیٔ تاثیرِ اُلفت ہائے خُوباں ہُوں
خمِ دستِ نوازش ہو گیا ہے طوق گردن میں

۱۲۳
یہ کس بہشت شمائل کی آمد آمد ہے؟
کہ غیر جلوۂ گُل رہ گزر میں خاک نہیں
خیالِ جلوۂ گل سے خراب ہیں میکش
شراب خانہ کے دیوار و دَر میں خاک نہیں
ہُوا ہوں عشق کی غارت گری سے شرمندہ
سوائے حسرتِ تعمیر گھر میں خاک نہیں
ہمارے شعر ہیں اب صرف دل لگی کے اسد
کھلا، کہ فائدہ عرضِ ہُنر میں خاک نہیں

۱۲۴
دَیر و حرم، آئینۂ تکرارِ تمنّا
وَاماندگیٔ شوق تراشے ہے پناہیں

دِرم و دَام اپنے پاس کہاں!
چیل کے گھونسلے میں ماس کہاں!

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت، درد سے بھر نہ آئے کیوں
روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں
دَیر نہیں، حرم نہیں، دَر نہیں، آستاں نہیں
بیٹھے ہیں رہ گزر پہ ہم، غیر ہمیں اُٹھائے کیوں
جب وہ جمالِ دل فروز، صورتِ مہرِ نیم روز
آپ ہی ہو نظارہ سوز پردے میں مُنہ چھپائے کیوں
قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی، غم سے نجات پائے کیوں
حُسن اور اس پہ حُسنِ ظن، رہ گئی بوالہوس کی شرم
اپنے پہ اعتماد ہے، غیر کو آزمائے کیوں
وَاں وہ غرورِ عزّ و ناز، یاں یہ حجابِ پاسِ وضع
راہ میں ہم مِلیں کہاں، بزم میں وہ بُلائے کیوں
ہاں وہ نہیں خدا پرست، جاؤ وہ بے وفا سہی
جس کو ہو دین و دل عزیز، اس کی گلی میں جائے کیوں
غالبِ خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں
روئیے زار زار کیا! کیجیے ہائے ہائے کیوں

غنچۂ ناشگفتہ کو دُور سے مت دکھا، کہ یُوں

بوسے کو پوچھتا ہوں میں، مُنہ سے مجھے بتا کہ یُوں

پُرسشِ طرزِ دلبری کیجئے کیا کہ بن کہے

اس کے ہر اِک اشارے سے نِکلے ہے یہ اَدا کہ یُوں

رات کے وقت مے پیئے ساتھ رقیب کو لیئے

آئے وہ یاں خدا کرے، پر نہ کرے خدا کہ یُوں

"غیر سے رات کیا بنی؟" یہ جو کہا تو دیکھیے

سامنے آن بیٹھنا، اور یہ دیکھنا کہ یُوں

بزم میں اُس کے روبرو کیوں نہ خموش بیٹھیے

اس کی تو خامشی میں بھی ہے یہی مُدّعا کہ یُوں

مَیں نے کہا کہ "بزمِ ناز چاہیئے غیر سے تہی"

سُن کے سِتم ظریف نے مجھ کو اُٹھا دیا کہ یُوں

کب مجھے کوئے یار میں رہنے کی وَضع یاد تھی

آئینہ دار بن گئی حیرتِ نقشِ پا کہ یُوں

گر ترے دل میں ہو خیال، وصل میں شوق کا زوال

موجِ مُحیطِ آب میں مارے ہے دست و پا کہ یُوں

جو یہ کہے کہ ریختہ کیوں کہ ہو رشکِ فارسی
گفتۂ غالبؔ ایک بار پڑھ کے اُسے سُنا کہ یُوں

۱۲۷

اسدؔ، بزمِ تماشا میں تغافل پردہ داری ہے
اگر ڈھانپے، تو آنکھیں ڈھانپ، ہم تصویرِ عُریاں ہیں

۱۲۸

فتادگی میں قدم اُستوار رکھتے ہیں
برنگِ جادہ، سرِ کوئے یار رکھتے ہیں
طلسمِ مستیٔ دل آں سوے ہجومِ سرشک
ہم ایک میکدہ دریا کے پار رکھتے ہیں
جنونِ فرقتِ یارانِ رفتہ ہے، غالبؔ
بسانِ دشت، دلِ پُر غبار رکھتے ہیں

۱۲۹

دل کو اظہارِ سخن، اندازِ فتح الباب ہے
یاں صریرِ خامہ غیر از اصطکاکِ در نہیں
ہے وطن سے باہر اہلِ دل کی قدر و منزلت
عزلت آبادِ صدف میں قیمتِ گوہر نہیں

۱۳۰

حسد سے دل اگر افسردہ ہے گرمِ تماشا ہو

کہ چشمِ تنگ شاید کثرتِ نظّارہ سے وَا ہو

بہ قدرِ حسرتِ دل چاہیئے ذوقِ مَعاصی بھی

بھروں یک گوشۂ دامن، گر آبِ ہفت دریا ہو

۱۳۱

کعبے میں جا رہا تو نہ دو طعنہ، کیا کہیں

بھولا ہوں حقِ صحبتِ اہلِ کنشت کو

طاعت میں تا رہے نہ مے و انگبیں کی لاگ

دوزخ میں ڈال دو کوئی لے کر بہشت کو

ہوں منحرف نہ کیوں رہ و رسمِ ثواب سے

ٹیڑھا لگا ہے قط، قلمِ سرنوشت کو

غالب کچھ اپنی سعی سے لہنا نہیں مجھے

خرمن جلے اگر نہ ملخ کھائے کِشت کو

۱۳۲

وارستہ اس سے ہیں کہ محبّت ہی کیوں نہ ہو

کیجے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیوں نہ ہو

چھوڑا نہ مجھ میں ضعف نے رنگ اختلاط کا

ہے دل پہ بار نقشِ محبّت ہی کیوں نہ ہو

پیدا ہوئی ہے "کہتے ہیں" ہر درد کی دوا

یوں ہو تو چارۂ غمِ الفت ہی کیوں نہ ہو

ڈالا نہ بے کسی نے کسی سے معاملہ

اپنے سے کھینچتا ہوں خجالت ہی کیوں نہ ہو

ہے آدمی، بجائے خود اِک محشرِ خیال

ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو

ہنگامۂ زبونیٔ ہمت ہے اِنفعال

حاصل نہ کیجے دہر سے عبرت ہی کیوں نہ ہو

وارستگی بہانۂ بیگانگی نہیں!

اپنے سے کر، نہ غیر سے، وحشت ہی کیوں نہ ہو

مِٹتا ہے فوتِ فرصتِ ہستی کا غم کوئی؟

عمرِ عزیز صَرفِ عبادت ہی کیوں نہ ہو

اُس فتنہ خُو کے دَر سے اب اُٹھتے نہیں اسدؔ

اِس میں ہمارے سر پہ قیامت ہی کیوں نہ ہو

۱۳۳

قفس میں ہوں، گر اچھا بھی نہ جانیں میرے شیون کو
مرا ہونا بُرا کیا ہے نوا سنجانِ گلشن کو

خدا شرمائے ہاتھوں کو، کہ رکھتے ہیں کشاکش میں
کبھی میرے گریباں کو کبھی جاناں کے دامن کو

ابھی ہم قتل گہ کا دیکھنا آساں سمجھتے ہیں!
نہیں دیکھا شناور جُوئے خوں میں تیرے توسن کو

خوشی کیا کھیت پر میرے اگر سو بار ابر آوے
سمجھتا ہوں کہ ڈھونڈے ہے ابھی سے برق خرمن کو

وفاداری بہ شرطِ استواری اصل ایماں ہے
مرے بُت خانہ میں، تو کعبہ میں گاڑو برہمن کو

نہ لُٹتا دن کو تو کب رات کو یُوں بے خبر سوتا؟
رہا کھٹکا نہ چوری کا دُعا دیتا ہوں رہزن کو

سخن کیا کہہ نہیں سکتے کہ جویا ہوں جواہر کے
جگر کیا ہم نہیں رکھتے کہ کھودیں جا کے معدن کو؟

۱۳۴

ستم کشی کا کیا دِل نے حوصلہ پیدا
اب اس سے رَبط کروں جو بہت ستمگر ہو

۱۳۵

دھوتا ہوں جب میں پینے کو اس سیم تن کے پانو
رکھتا ہے ضد سے کھینچ کے باہر لگن کے پانو

بھاگے تھے ہم بہت، سو اسی کی سزا ہے یہ
ہو کر اسیر دابتے ہیں راہ زن کے پانو

ہے جوشِ گُل بہار میں یاں تک کہ ہر طرف
اڑتے ہوئے اُلجھتے ہیں، مرغِ چمن کے پانو

غالبؔ مرے کلام میں کیوں کر مزا نہ ہو!
پیتا ہوں دھو کے خسروِ شیریں سخن کے پانو

۱۳۶

جان کر کیجے تغافل کہ کچھ اُمّید بھی ہو
یہ نگاہِ غلط انداز تو سَم ہے ہم کو

سَر اڑانے کے جو وعدے کو مکرر چاہا
ہنس کے بولے کہ "ترے سَر کی قسم ہے ہم کو"

تم وہ نازک کہ خموشی کو فغاں کہتے ہو
ہم وہ عاجز کہ تغافل بھی سِتم ہے ہم کو

قطعہ

لکھنؤ آنے کا باعث نہیں کھلتا یعنی
ہوسِ سیر و تماشا سو وہ کم ہے ہم کو
مقطعِ سلسلۂ شوق نہیں ہے یہ شہر
عزمِ سیرِ نجف و طوفِ حرم ہے ہم کو
لیے جاتی ہے کہیں ایک توقع غالبؔ
جادۂ رہ کششِ کافِ کرم ہے ہم کو

ابر روتا ہے کہ بزمِ طرب آمادہ کرو
برق ہنستی ہے کہ فرصت کوئی دم ہے ہم کو

۱۳۷

تم جانو تم کو غیر سے جو رسم و راہ ہو
مجھ کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو
بچتے نہیں مواخذۂ روزِ حشر سے
قاتل اگر رقیب ہے تو تم گواہ ہو
کیا وہ بھی بے گنہ کُش و حق ناشناس ہیں
مانا کہ تم بشر نہیں، خورشید و ماہ ہو

اُبھرا ہوا نقاب میں ہے ان کے ایک تار
مرتا ہوں مَیں کہ یہ نہ کسی کی نگاہ ہو

جب میکدہ چھٹا، تو پھر اب کیا جگہ کی قید
مسجد ہو، مدرسہ ہو، کوئی خانقاہ ہو

سُنتے ہیں جو بہشت کی تعریف، سب درست
لیکن خدا کرے وہ تری جلوہ گاہ ہو

غالبؔ بھی گر نہ ہو تو کچھ ایسا ضرر نہیں
دنیا ہو یارب! اور مرا بادشاہ ہو

۱۳۸

گئی وہ بات کہ ہو گفتگو تو کیوں کر ہو
کہے سے کچھ نہ ہوا پھر کہو تو کیوں کر ہو

ہمارے ذہن میں اس فکر کا ہے نام وصال
کہ گر نہ ہو تو کہاں جائیں ہو تو کیوں کر ہو

ادب ہے اور یہی کشمکش تو کیا کیجے
حیا ہے اور یہی گومگو تو کیوں کر ہو

تمہیں کہو کہ گزارہ صنم پرستوں کا
بُتوں کی ہو اگر ایسی ہی خُو تو کیوں کر ہو

اُلجھتے ہو تم اگر دیکھتے ہو آئینہ
جو تم سے شہر میں ہوں ایک دو تو کیوں کر ہو

جسے نصیب ہو روزِ سیاہ میرا سا
وہ شخص دِن نہ کہے رات کو تو کیوں کر ہو

ہمیں پھر اُن سے اُمید، اور انہیں ہماری قدر
ہماری بات ہی پُوچھیں نہ وو تو کیوں کر ہو

غلط نہ تھا ہمیں خط پر گماں تسلّی کا
نہ مانے دیدۂ دیدار جو تو کیوں کر ہو

مجھے جنوں نہیں غالبؔ ولے بقول حضور
"فراقِ یار میں تسکین ہو تو کیوں کر ہو"

۱۳۹

کسی کو دے کے دِل کوئی نوا سنجِ فغاں کیوں ہو
نہ ہو جب دِل ہی سینے میں تو پھر مُنہ میں زباں کیوں ہو

وہ اپنی خُو نہ چھوڑیں گے، ہم اپنی وضع کیوں چھوڑیں
سبک سَر بن کے کیا پُوچھیں کہ ہم سے سَر گراں کیوں ہو

کیا غمخوار نے رُسوا، لگے آگ اِس محبّت کو
نہ لاوے تاب جو غم کی وہ میرا راز داں کیوں ہو

وفا کیسی ؟ کہاں کا عشق ؟ جب سر پھوڑنا ٹھہرا
تو پھر اے سنگ دل تیرا ہی سنگِ آستاں کیوں ہو؟
قفس میں مجھ سے رُودادِ چمن کہتے نہ ڈر ہمدم
گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو؟
یہ کہہ سکتے ہو ؟ "ہم دل میں نہیں ہیں" پَر یہ بتلاؤ
کہ جب دل میں تمہیں تم ہو تو آنکھوں سے نہاں کیوں ہو ؟
غلط ہے جذبِ دل کا شکوہ، دیکھو جُرم کس کا ہے
نہ کھینچو گر تم اپنے کو کشاکش درمیاں کیوں ہو ؟
یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے
ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو ؟
یہی ہے آزمانا تو ستانا کِس کو کہتے ہیں
عدو کے ہو لیئے جب تم، تو میرا امتحاں کیوں ہو؟
کہا تم نے کہ "کیوں ہو غیر کے مِلنے میں رُسوائی"؟
بجا کہتے ہو، سچ کہتے ہو، پھر کہیو کہ ہاں کیوں ہو ؟
نکالا چاہتا ہے کام کیا طعنوں سے تُو غالب
ترے بے مہر کہنے سے وہ تجھ پر مہرباں کیوں ہو ؟

۱۴۰

رہیئے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو
ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو

بے در و دیوار سا اِک گھر بنایا چاہیئے
کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاسباں کوئی نہ ہو

پڑیے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیماردار
اور اگر مر جایئے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

۱۴۱

حُسنِ بے پروا گرفتارِ خود آرائی نہ ہو
گر کمیں گاہِ نظر میں، دل تماشائی نہ ہو

بزمِ کثرت عالمِ وحدت ہے بینا کے لئے
بے نیازِ عشق، اسیرِ زورِ تنہائی نہ ہو

۱۴۲

وضع نیرنگیِ آفاق نے مارا ہم کو
ہو گئے سب ستم و جور گوارا ہم کو

تختۂ گور، سفینے کے مماثل ہیں اسدؔ
بحرِ غم کا نظر آتا ہے کنارا ہم کو

از مہر تا بہ ذرّہ، دِل و دِل ہے آئنہ
طوطی کو شش جہت سے مقابل ہے آئنہ

۱۴۴

ہے سبزہ زار ہر در و دیوارِ غم کدہ
جس کی بہار یہ ہو پھر اس کی خزاں نہ پُوچھ
ناچار بے کسی کی بھی حسرت اُٹھائیے
دشواریِ رہ و ستمِ ہمرہاں نہ پُوچھ

ہندوستان سایۂ گُل پائے تخت تھا
جاہ و جلالِ عہد وصالِ بُتاں نہ پوچھ
ہر داغِ تازہ یک دلِ داغ انتظار ہے
عرضِ فضائے سینۂ درد امتحاں نہ پوچھ
کہتا تھا کل وہ محرمِ راز اپنے سے کہ ہاں
دردِ جُدائیِ اسد اللہ خاں نہ پوچھ

۱۴۵

واسطے فکر مضامینِ متیں کے، غالب
چاہیئے خاطرِ جمع و دلِ آرامیدہ

۱۴۶

خواہشِ دل ہے زباں کو سببِ گفت و بیاں
ہے سخن گرد ز داما نِ ضمیر افشاندہ
کوئی آگاہ نہیں باطنِ ہمدیگر سے
ہے ہر اک فرد جہاں میں وَرَقِ ناخواندہ
حیف بے حاصلیِ اہلِ ریا پر غالبؔ
یعنی ہیں ماندہ ازاں سو، وازیں سو راندہ

۱۴۷

شکوہ و شکر کو ثمر بیم و اُمید کا سمجھ
خانۂ آگہی خراب، دِل نہ سمجھ، بَلا سمجھ
گاہ بخُلد امیدوار، گہ بجحیم بیمناک
گرچہ خُدا کی یاد ہے، کُلفتِ ماسوا سمجھ
اے بسراب حُسنِ خلق تشنۂ سعیِ امتحاں
شوق کو مُنفَعِل نہ کر، ناز کو التجا سمجھ
نے سر و برگِ آرزُو، نے رہ و رسمِ گفتگو
اے دل و جانِ خَلق، تو ہم کو بھی آشنا سمجھ

مَیں ہُوں مشتاقِ جفا مجھ پہ جفا اور سہی
تم ہو بیداد سے خوش اِس سے سوا اور سہی

غیر کی مرگ کا غم کس لیئے اے غیرتِ ماہ
ہیں ہوس پیشہ بہت وہ نہ ہُوا اور سہی

تم ہو بُت پھر تمہیں پندار خدائی کیوں ہے
تم خداوند ہی کہلاؤ خدا اور سہی

تیرے کُوچہ کا ہے مائل دلِ مُضطر میرا
کعبہ اِک اور سہی، قبلہ نما اور سہی

کوئی دُنیا میں مگر باغ نہیں ہے واعظ
خُلد بھی باغ ہے خیر آب وہوا اور سہی

کیوں نہ فردوس میں دوزخ کو مِلا لیں یارب
سَیر کے واسطے تھوڑی سی فضا اور سہی

مجھ سے غالبؔ یہ علائی نے غزل لکھوائی
ایک بے دادگرِ رنج فزا اور سہی

مسجد کے زیرِ سایہ خرابات چاہیے
بھوں پاس آنکھ قبلۂ حاجات چاہیے

عاشق ہوئے ہیں آپ بھی اِک اَور شخص پر
آخر ستم کی کچھ تو مکافات چاہیے

دے داد اے فلک! دلِ حسرت پرست کی
ہاں کچھ نہ کچھ تلافیٔ مافات چاہیے

سیکھے ہیں مہ رُخوں کے لیئے ہم مصوّری
تقریب کچھ تو بہرِ ملاقات چاہیے

مَے سے غرض نشاط ہے کِس رُوسیاہ کو
اک گونہ بے خودی مجھے دن رات چاہیے

ہے رنگِ لالہ و گل و نسریں جدا جُدا
ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہیے

ق

سَر پائے خُم پہ چاہیئے ہنگامِ بے خودی
رُو سُوئے قبلہ وقتِ مناجات چاہیے

یعنی بہ حسبِ گردشِ پیمانۂ صفات

عارف ہمیشہ مستِ مے ذات چاہیے

نشو و نما ہے اصل سے غالبؔ فروع کو

خاموشی ہی سے نکلے ہے، جو بات چاہیے

۱۴۹

بساطِ عجز میں تھا ایک دل یک قطرہ خوں وہ بھی

سو رہتا ہے باندازِ چکیدن سرنگوں وہ بھی

رہے اس شوخ سے آزردہ ہم چندے تکلّف سے

تکلّف برطرف، تھا ایک اندازِ جنوں وہ بھی

خیالِ مرگ کب تسکیں دلِ آزردہ کو بخشے

مرے دامِ تمنّا میں ہے اِک صیدِ زبوں وہ بھی

نہ کرتا کاش نالہ، مجھ کو کیا معلوم تھا ہمدم؟

کہ ہوگا باعثِ افزائشِ دردِ دروں وہ بھی

نہ اتنا بُرّشِ تیغِ جفا پر ناز فرماؤ !

مرے دریائے بیتابی میں ہے اک موجِ خوں وہ بھی

مَے عشرت کی خواہش ساقیٔ گردُوں سے کیا کیجے

لیئے بیٹھا ہے اک دو چار جامِ واژگوں وہ بھی

مرے دل میں ہے غالبؔ شوقِ وصل و شکوۂ ہجراں
خدا وہ دن کرے جو اس سے میں یہ بھی کہوں وہ بھی

۱۵۰

بہت سہی غمِ گیتی شراب کم کیا ہے
غلامِ ساقیِ کوثر ہوں مجھ کو غم کیا ہے
رقیب پر ہے اگر لطف تو ستم کیا ہے
تمہاری طرز و روش جانتے ہیں ہم کیا ہے
کٹے تو شب کہیں کاٹے تو سانپ کہلاوے
کوئی بتاؤ کہ وہ زلفِ خم بہ خم کیا ہے
لکھا کرے کوئی احکامِ طالعِ مولود
کسے خبر ہے کہ واں جنبشِ قلم کیا ہے
نہ حشر و نشر کا قائل نہ کیش و ملت کا
خدا کے واسطے ایسے کی پھر قسم کیا ہے
وہ داد و دید گراں مایہ شرط ہے ہمدم
وگرنہ مہرِ سلیماں و جامِ جم کیا ہے
سخن میں خامۂ غالبؔ کی آتش افشانی
یقیں ہے ہم کو بھی لیکن اب اس میں دم کیا ہے

۱۵۱

ہے بزمِ بُتاں میں سُخن آزردہ لبوں سے
تنگ آئے ہیں ہم ایسے خوشامد طلبوں سے
رندانِ درِ مے کدہ، گُستاخ ہیں زاھد
زنہار نہ ہونا طرف ان بے اُدبوں سے

کیا پوچھے ہے برخود غلطی ہائے عزیزاں
خواری کو بھی اِک عار ہے عالی نَسَبوں سے

۱۵۲

رنج طاقت سے سِوا ہو تو نبیڑوں کیوں کر
ذہن میں خوبیِ تسلیم و رضا ہے تو سہی
غیر سے دیکھئے کیا خوب نبھائی اُس نے
نہ سہی ہم سے پر اُس بُت میں وفا ہے تو سہی
نقل کرتا ہوں اُسے نامۂ اعمال میں، مَیں
کچھ نہ کچھ روزِ اَزل تم نے لکھا ہے تو سہی

۱۵۳

غالب زبسکہ سُوکھ گئے چشم میں سرشک آنسو کی بُوند گوہرِ نایاب ہو گئی

۱۵۴

نفسِ قیس کہ ہے چشم و چراغِ صحرا
گر نہیں، شمع سیہ خانۂ لیلیٰ، نہ سہی
ایک ہنگامے پہ موقوف ہے گھر کی رونق
نوحۂ غم ہی سہی، نغمۂ شادی نہ سہی
نہ ستائش کی تمنّا نہ صِلے کی پروا
گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی نہ سہی
عشرتِ صحبتِ خُوباں ہی غنیمت سمجھو
نہ ہوئی غالبؔ اگر عمرِ طبیعی نہ سہی

۱۵۵

تا، ہم کو شکایت کی بھی باقی نہ رہے جا
سُن لیتے ہیں گو ذکر ہمارا نہیں کرتے
غالبؔ ترا احوال سُنا دیں گے ہم ان کو
وہ سُن کے بُلا لیں، یہ اجارا نہیں کرتے

۱۵۶

توڑ بیٹھے جب کہ ہم جام و سُبو پھر ہم کو کیا
آسماں سے بادۂ گُلفام گر برسا کرے

گھر میں تھا کیا کہ ترا غم اُسے غارت کرتا
وہ جو رکھتے تھے ہم اِک حسرتِ تعمیر سو ہے

۱۵۷

لپٹنا پرنیاں میں شعلۂ آتش کا آساں ہے
ولے مشکل ہے حکمت، دل میں سوزِ غم چھپانے کی
ہماری سادگی تھی التفاتِ ناز پر مرنا
ترا آنا نہ تھا ظالم مگر تمہید جانے کی
لکد کوبِ حوادث کا تحمّل کر نہیں سکتی
مری طاقت کہ ضامن تھی بتوں کے ناز اُٹھانے کی
کہوں کیا خوبیٔ اوضاعِ ابنائے زماں غالب
بدی کی اس نے، جس سے کی تھی ہم نے بارہا نیکی

۱۵۸

تمثالِ جلوہ عرض کر، اے حُسن کب تلک
آئینۂ خیال کو دیکھا کرے کوئی

۱۵۹

کمالِ حُسن اگر موقوفِ اندازِ تغافل ہو   تکلف برطرف تجھ سے تری تصویر بہتر ہے

۱۶۰

ہے کائنات کو حرکت تیرے ذوق سے
پرتو سے آفتاب کے ذرّے میں جان ہے

کی اس نے گرم سینۂ اہلِ ہوس میں جا
آوے نہ کیوں پسند کہ ٹھنڈا مکان ہے

کیا خوب تم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا!
بس چُپ رہو، ہمارے بھی مُنہ میں زبان ہے

ہے بارے اعتمادِ وفاداری اس قدر
غالبؔ ہم اس میں خوش ہیں کہ نامہربان ہے

۱۶۱

درد سے میرے ہے تجھ کو بے قراری ہائے ہائے
کیا ہوئی ظالم تری غفلت شعاری ہائے ہائے

تیرے دِل میں گر نہ تھا آشوبِ غم کا حوصلہ
تو نے پھر کیوں کی تھی میری غمگُساری ہائے ہائے

کیوں مِری غم خوارگی کا تجھ کو آیا تھا خیال؟
دشمنی اپنی تھی میری دوستداری ہائے ہائے

عُمر بھر کا تُو نے پیمانِ وفا باندھا تو کیا؟
عُمر کو بھی تو نہیں ہے پائیداری ہائے ہائے
زہر لگتی ہے مجھے آب و ہوائے زندگی
یعنی تجھ سے تھی اسے ناسازگاری ہائے ہائے
گُل فشانی ہائے نازِ جلوہ کو کیا ہو گیا؟
خاک پر ہوتی ہے تیری لالہ کاری ہائے ہائے
شرمِ رُسوائی سے جا چھُپنا نقابِ خاک میں
ختم ہے اُلفت کی تجھ پر پردہ داری ہائے ہائے
خاک میں ناموسِ پیمانِ محبّت مل گئی
اُٹھ گئی دُنیا سے راہ و رسمِ یاری ہائے ہائے
کس طرح کاٹے کوئی شب ہائے تارِ برشگال
ہے نظر خو کردۂ اختر شماری ہائے ہائے
گوش مہجورِ پیام و چشم محرُومِ جمال
ایک دِل تِس پر یہ نا اُمیدواری ہائے ہائے

عِشق نے پکڑا نہ تھا غالبؔ ابھی وحشت کا رنگ
رہ گیا تھا دِل میں جو کچھ ذوقِ خواری ہائے ہائے

۱۶۲

سرگشتگی میں عالمِ ہستی سے یاس ہے
تسکیں کو دے نوید کہ مرنے کی آس ہے

کیا غم ہے اُس کو جس کا علیؑ سا امام ہو
اِتنا بھی اے فلک زدہ کیوں بے حواس ہے؟

۱۶۳

مشکیں لباسِ کعبہ علی کے قدم سے جان
نافِ زمین ہے نہ کہ نافِ غزال ہے
وحشت پہ میری عرصۂ آفاق تنگ تھا
دریا زمین کو عرقِ انفعال ہے
ہستی کے مت فریب میں آجائیو اسدؔ
عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے

پہلو تہی نہ کر غم و اندوہ سے اسدؔ
دل وقفِ درد رکھ کہ فقیروں کا مال ہے

صُبح سے معلوم آثارِ ظہورِ شام ہے ۱۶۴ غافلاں، آغازِ کار آئینۂ انجام ہے

تم اپنے شکوے کی باتیں نہ کھود کھود کر پوچھو
حذر کرو مرے دل سے کہ اس میں آگ دبی ہے
دلا یہ درد و الم بھی تو مغتنم ہے کہ آخر
نہ گریۂ سحری ہے نہ آہِ نیم شبی ہے

نظر بنقصِ گدایاں کمالِ بے ادبی ہے
کہ خارِ خشک کو بھی دعویٔ چمن نسبی ہے
ہوا وصال سے شوقِ دلِ حریص زیادہ
لبِ قدح پہ کفِ بادہ جوشِ تشنہ لبی ہے

۱۶۶

اس شمع کی طرح سے جس کو کوئی بجھا دے
میں بھی جلے ہوؤں میں ہوں داغِ ناتمامی

ہر چند عمر گزری آزردگی میں، لیکن
ہے شرحِ شوق کو بھی جوں شکوہ ناتمامی
ہے یاس میں اسدؔ کو ساقی سے بھی فراغت
دریا سے خشک گزری مستوں کی تشنہ کامی

۱۶۷

آگ سے پانی میں بجھتے وقت اُٹھتی ہے صدا
ہر کوئی درماندگی میں نالے سے ناچار ہے
مجھ سے مت کہہ "تو ہمیں کہتا تھا اپنی زندگی"
زندگی سے بھی مرا جی اِن دنوں بیزار ہے
آنکھ کی تصویر سرنامہ پہ کھینچی ہے کہ تا
تجھ پہ کھُل جاوے کہ اس کو حسرتِ دیدار ہے

۱۶۸

خزاں کیا؟ فصلِ گُل کہتے ہیں کس کو؟ کوئی موسم ہو
وہی ہم ہیں، قفس ہے اور ماتم بال و پَر کا ہے
وفائے دلبراں ہے اتفاقی، ورنہ اے ہمدم
اثر فریادِ دل ہائے حزیں کا کس نے دیکھا ہے

۱۶۹

عشق مجھ کو نہیں وحشت ہی سہی
میری وحشت تری شہرت ہی سہی
قطع کیجے نہ تعلق ہم سے
کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی

میرے ہونے میں ہے کیا رُسوائی؟
اے وہ مجلس نہیں خَلوت ہی سہی

ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے
غیر کو تجھ سے محبّت ہی سہی

اپنی ہستی ہی سے ہو جو کچھ ہو
آگہی گر نہیں غفلت ہی سہی

عُمر ہر چند کہ ہے برق خرام
دل کے خُوں کرنے کی فرصت ہی سہی

ہم کوئی ترکِ وفا کرتے ہیں
نہ سہی عشق مصیبت ہی سہی

کچھ تو دے اے فلکِ ناانصاف
آہ و فریاد کی رخصت ہی سہی

ہم بھی تسلیم کی خُو ڈالیں گے
بے نیازی تِری عادت ہی سہی

یار سے چھیڑ چلی جائے اسدؔ
گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

۱۷۰

ڈھونڈے ہے اُس مغنّیٔ آتش نفس کو جی
جس کی صدا ہو جلوۂ برقِ فنا مجھے
مستانہ طے کروں ہوں رہِ وادیٔ خیال
تا بازگشت سے نہ رہے مُدّعا مجھے
کرتا ہے بس کہ باغ میں تُو بے حجابیاں
آنے لگی ہے نکہتِ گُل سے حیا مجھے
کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ
شعروں کے انتخاب نے رُسوا کیا مجھے

۱۷۱

زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری غالبؔ
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خُدا رکھتے تھے

۱۷۲

اُس بزم میں مجھے نہیں بنتی حیا کیے
بیٹھا رہا اگرچہ اشارے ہُوا کیے
دل ہی تو ہے سیاستِ درباں سے ڈر گیا
مَیں، اور جاؤں در سے ترے بِن صدا کیے!

بے صرفہ ہی گزرتی ہے ہو گرچہ عمرِ خضر
حضرت بھی کل کہیں گے کہ ہم کیا کیا کیے

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ او لئیم!
تُو نے وہ گنج ہائے گرانمایہ کیا کیے

کِس روز تہمتیں نہ تراشا کیے عدو؟
کِس دن ہمارے سر پہ نہ آرے چلا کیے

صُحبت میں غیر کی نہ پڑی ہو کہیں یہ خُو
دینے لگا ہے بوسہ بغیر التجا کیے

ضِد کی ہے اور بات مگر خُو بُری نہیں
بھُولے سے اُس نے سینکڑوں وعدے وفا کیے

غالب تمہیں کہو کہ مِلے گا جواب کیا؟
مانا کہ تم کہا کیے اور وہ سُنا کیے

۱۷۳

رفتارِ عُمر قطعِ رہِ اضطراب ہے
اِس سال کے حساب کو برق آفتاب ہے

زخمی ہُوا ہے پاشنہ پائے ثبات کا
نے بھاگنے کی گوں نہ اقامت کی تاب ہے

جادادِ بادہ نوشئ رنداں ہے شش جہت
غافل گماں کرے ہے کہ گیتی خراب ہے

مَیں نامُراد دل کی تسلّی کو کیا کروں؟
مانا کہ تیرے رُخ سے نگہ کامیاب ہے

گزرا اسدؔ مسرّتِ پیغامِ یار سے
قاصد پہ مجھ کو رشکِ سوال وجواب ہے

۱۷۴

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے
مَیں اسے دیکھوں، بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے؟

ہاتھ دھو دل سے یہی گرمی گر اندیشے میں ہے
آبگینہ تندئ صہبا سے پگھلا جائے ہے

غیر کو یارب! وہ کیوں کر منعِ گستاخی کرے؟
گر حیا بھی اس کو آتی ہے تو شرما جائے ہے

دُور چشمِ بد! تری بزمِ طرب سے واہ وا!
نغمہ ہو جاتا ہے واں گر نالہ میرا جائے ہے

گرچہ ہے طرزِ تغافل پردہ دارِ رازِ عشق
پر ہم ایسے کھوئے جاتے ہیں کہ وہ پا جائے ہے

ہو کے عاشق وہ پری رُخ اَور نازک بن گیا
رنگ کھلتا جائے ہے جتنا کہ اُڑتا جائے ہے
نقش کو اس کے مصوّر پر بھی کیا کیا ناز ہیں!
کھینچتا ہے جس قدر اتنا ہی کھنچتا جائے ہے
سایہ میرا مجھ سے مثلِ دُود بھاگے ہے اسدؔ
پاس مجھ آتش بجاں کے کس سے ٹھہرا جائے ہے

۱۷۵

نسیہ و نقدِ دو عالم کی حقیقت معلوم!
لے لیا مجھ سے مری ہمّتِ عالی نے مجھے
کثرت آرائیِ وحدت ہے پرستاریِ وہم
کر دیا کافر اِن اصنامِ خیالی نے مجھے
ہوسِ گُل کا تصوّر میں بھی کھٹکا نہ رہا
عجب آرام دیا بے پَر و بالی نے مجھے

۱۷۶

کارگاہِ ہستی میں لالہ داغ ساماں ہے
برقِ خرمنِ راحت خونِ گرمِ دہقاں ہے

۱۷۷

اُگ رہا ہے در و دیوار سے سبزہ غالبؔ
ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہار آئی ہے

۱۷۸

دیکھنا تقریر کی لذّت کہ جو اُس نے کہا
مَیں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے
گرچہ ہے کس کس بُرائی سے ولے با ایں ہمہ
ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اُس محفل میں ہے
بس ہجومِ ناامیدی خاک میں مل جائے گی
یہ جو اِک لذّت ہماری سعیِ بے حاصل میں ہے
رنجِ رہ کیوں کھینچیے؟ وَاماندگی سے عشق ہے
اُٹھ نہیں سکتا ہمارا جو قدم منزل میں ہے
ہے دلِ شوریدۂ غالبؔ طلسمِ پیچ و تاب
رحم کر اپنی تمنّا پر، کہ کس مشکل میں ہے

۱۷۹

دل سے تِری نگاہ جگر تک اُتر گئی
دونوں کو اِک ادا میں رَضامند کر گئی

شق ہو گیا ہے سینہ، خوشا لذّتِ فراغ
تکلیفِ پردہ داریٔ زخمِ جگر گئی

وہ بادۂ شبانہ کی سرمستیاں کہاں
اُٹھیے بس اب کہ لذّتِ خوابِ سحر گئی

اُڑتی پھرے ہے خاک مری کوُئے یار میں
بارے اب اے ہوا ہوسِ بال و پَر گئی

دیکھو تو دل فریبیٔ اندازِ نقشِ پا
موجِ خرامِ یار بھی کیا گل کتر گئی

ہر بُوالہوس نے حُسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوۂ اہلِ نظر گئی

نظّارے نے بھی کام کیا واں نقاب کا
مستی سے ہر نگہ ترے رُخ پر بکھر گئی

فردا و دے کا تفرقہ یک بار مٹ گیا
کل تم گئے کہ ہم پہ قیامت گذر گئی

مارا زمانے نے اسداللہ خاں تمہیں
وہ وَلولے کہاں، وہ جوانی کدھر گئی؟

۱۸۰

تسکیں کو ہم نہ روئیں جو ذوقِ نظر ملے
حورانِ خُلد میں تری صُورت اگر ملے

اپنی گلی میں مجھ کو نہ کر دفن بعدِ قتل
میرے پتے سے خلق کو کیوں تیرا گھر ملے

ساقی گری کی شرم کرو آج ورنہ ہم
ہر شب پیا ہی کرتے ہیں مے جس قدر ملے

تجھ سے تو کچھ کلام نہیں لیکن اے ندیم!
میرا سلام کہیو اگر نامہ بر ملے

تم کو بھی ہم دکھائیں کہ مجنوں نے کیا کیا
فرصت کشاکشِ غمِ پنہاں سے گر ملے

لازم نہیں کہ خضر کی ہم پیروی کریں
جانا کہ اِک بزرگ ہمیں ہم سفر ملے

اے ساکنانِ کُوچۂ دِلدار دیکھنا
تم کو کہیں جو غالبِ آشفتہ سر ملے

۱۸۱

نشارِ تنگیٔ خلوت سے بنتی ہے شبنم ٭ صَبا جو غنچے کے پردے میں جا نکلتی ہے

۱۸۲

کوئی دِن گر زندگانی اور ہے

اپنے جی میں ہم نے ٹھانی اور ہے

آتشِ دوزخ میں یہ گرمی کہاں؟

سوزِ غم ہائے نہانی اور ہے

بارہا دیکھی ہیں اُن کی رنجشیں

پر کچھ اب کے سرگرانی اور ہے

دے کے خط مُنہ دیکھتا ہے نامہ بَر

کچھ تو پیغامِ زبانی اور ہے

قاطعِ اَعمار ہیں اکثر نجوم

وہ بَلائے آسمانی اور ہے

ہو چکیں غالبؔ بلائیں سب تمام

ایک مرگِ ناگہانی اور ہے

۱۸۳

کوئی اُمید بَر نہیں آتی

کوئی صُورت نظر نہیں آتی

موت کا ایک دن مُعیّن ہے
نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

آگے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی
اب کسی بات پر نہیں آتی

جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد
پر طبیعت اِدھر نہیں آتی

ہے کچھ ایسی ہی بات جو چُپ ہُوں
ورنہ کیا بات کر نہیں آتی

داغِ دل گر نظر نہیں آتا
بُو بھی اے چارہ گر نہیں آتی

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی
کچھ ہماری خبر نہیں آتی

مَرتے ہیں آرزُو میں مَرنے کی
مَوت آتی ہے پَر نہیں آتی

کعبہ کِس مُنہ سے جاؤ گے غالبؔ؟
شرم تم کو مگر نہیں آتی!

دلِ ناداں تجھے ہُوا کیا ہے؟
آخر اِس دَرد کی دَوا کیا ہے؟
ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار!
یا اِلٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟
مَیں بھی مُنہ میں زبان رکھتا ہُوں
کاش پوچھو کہ "مُدّعا کیا ہے؟
جب کہ تجھ بِن نہیں کوئی موجود
پھر یہ ہنگامہ اے خُدا کیا ہے؟
یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں
غمزہ و عشوہ و اَدا کیا ہے؟
شکنِ زُلفِ عنبریں کیوں ہے؟
نگہِ چشمِ سُرمہ سا کیا ہے؟
سبزہ و گُل کہاں سے آئے ہیں؟
اَبر کیا چیز ہے' ہوا کیا ہے؟

ہم کو اُن سے وَفا کی ہے اُمّید
جو نہیں جانتے وفا کیا ہے؟
ہاں بھلا کر ترا بھلا ہو گا
اور درویش کی صَدا کیا ہے؟
جان تم پر نثار کرتا ہُوں
مَیں نہیں جانتا دُعا کیا ہے؟
مَیں نے مانا کہ کچھ نہیں غالبؔ
مُفت ہاتھ آئے تو بُرا کیا ہے؟

۱۸۵

کہتے تو ہو تم سب کہ بُتِ غالیہ مُو آئے
اِک مرتبہ گھبرا کے کہو کوئی کہ وُہ آئے
ہے صاعقہ و شعلہ و سیماب کا عالم
آنا ہی سمجھ میں مری آتا نہیں، گو آئے
ظاہر ہے کہ گھبرا کے نہ بھاگیں گے نکیرین
ہاں مُنہ سے مگر بادۂ دوشینہ کی بُو آئے
جلّاد سے ڈرتے ہیں نہ واعظ سے جھگڑتے
ہم سمجھے ہوئے ہیں اُسے جس بھیس میں جو آئے

ہاں اہلِ طلب کون سُنے طعنۂ نایافت
دیکھا کہ وہ مِلتا نہیں اپنے ہی کو کھو آئے
اپنا نہیں وہ شیوہ کہ آرام سے بیٹھیں
اِس در پہ نہیں بار تو کعبے ہی کو ہو آئے
اس انجمنِ ناز کی کیا بات ہے غالبؔ
ہم بھی گئے واں اور تری تقدیر کو رو آئے

۱۸۶

پھر کچھ اِک دل کو بے قراری ہے
سینہ جُویائے زخم کاری ہے
پھر جگر کھودنے لگا ناخن!
آمدِ فصلِ لالہ کاری ہے
پھر اُسی بے وفا پہ مرتے ہیں
پھر وہی زندگی ہماری ہے
پھر کھُلا ہے درِ عدالتِ ناز
گرم بازارِ فوجداری ہے
ہو رہا ہے جہان میں اندھیر
زُلف کی پھر سرشتہ داری ہے

پھر دیا پارۂ جگر نے سوال
ایک فریاد و آہ و زاری ہے

پھر ہوئے ہیں گواہِ عشق طلب
اشک باری کا حُکم جاری ہے

دل و مژگاں کا جو مقدمہ تھا
آج پھر اس کی روبکاری ہے

بے خودی بے سبب نہیں غالبؔ
کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

۱۸۷

کشاکش ہائے ہستی سے کرے کیا سعیٔ آزادی
ہوئی زنجیر موجِ آب کو فرصت رَوانی کی

۱۸۸

بے اعتدالیوں سے سبک سب میں ہم ہوئے
جتنے زیادہ ہو گئے اتنے ہی کم ہوئے

پنہاں تھا دام سخت قریب آشیان کے
اُڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

ہستی ہماری اپنی فنا پر دلیل ہے
یاں تک مِٹے کہ آپ ہم اپنی قسم ہوئے
سختی کشانِ عشق کی پوچھے ہے کیا خبر؟
وہ لوگ رفتہ رفتہ سراپا اَلم ہوئے
تیری وفا سے کیا ہو تلافی؟ کہ دَہر میں
تیرے سوا بھی ہم پہ بہت سے سِتم ہوئے
لِکھتے رہے جُنوں کی حکایاتِ خُوں چکاں
ہر چند اس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے
اہلِ ہوس کی فتح ہے ترکِ نبردِ عشق
جو پاؤں اُٹھ گئے وہی اُن کے عَلَم ہوئے
چھوڑی اسدؔ نہ ہم نے گدائی میں دل لگی!
سائل ہوئے تو عاشقِ اہلِ کرم ہوئے

۱۸۹

یُونہی دُکھ کسی کو دینا نہیں خُوب، ورنہ کہتا
کہ مرے عَدو کو یارب! مِلے میری زندگانی

۱۹۰

سیاہی جیسے گر جائے دمِ تحریر کاغذ پر
مری قسمت میں یُوں تصویر ہے شبہائے ہجراں کی

ظلمت کدے میں میرے شبِ غم کا جوش ہے
اِک شمع ہے دلیلِ سحر سو خموش ہے

نے مژدۂ وصال نہ نظّارۂ جمال
مدّت ہوئی کہ آشتیِ چشم و گوش ہے

مَے نے کیا ہے حُسنِ خود آرا کو بے حجاب
اے شوق یاں اجازتِ تسلیمِ ہوش ہے

گوہر کو عقدِ گردنِ خُوباں میں دیکھنا
کیا اَوج پر ستارۂ گوہر فروش ہے

دیدار بادہ، حوصلہ ساقی، نگاہ مست
بزمِ خیال مَے کدۂ بے خروش ہے

قطعہ

اے تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل!
زنہار! اگر تمہیں ہوسِ ناؤ نوش ہے

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو
میری سنو جو گوشِ حقیقت نیوش ہے

ساقی بہ جلوہ، دشمنِ ایمان و آگہی
مطرب بہ نغمہ، رہزنِ تمکین و ہوش ہے

یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشۂ بساط
دامانِ باغبان و کفِ گل فروش ہے

لطفِ خرامِ ساقی و ذوقِ صدائے چنگ
یہ جنتِ نگاہ، وہ فردوسِ گوش ہے

یا صبح دم جو دیکھیے آکر تو بزم میں،
نے وہ سُرور و سور نہ جوش و خروش ہے

داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں
غالبؔ صریرِ خامہ نوائے سروش ہے

۱۹۲

عجب نشاط سے جلّاد کے چلے ہیں ہم آگے
کہ اپنے سائے سے سر پاؤں سے ہے دو قدم آگے

غمِ زمانہ نے جھاڑی نشاطِ عشق کی مستی
وگرنہ ہم بھی اُٹھاتے تھے لذّتِ الم آگے

خدا کے واسطے داد اس جنونِ شوق کی دینا
کہ اس کے در پہ پہنچتے ہیں نامہ بر سے ہم آگے
یہ عمر بھر جو پریشانیاں اُٹھائی ہیں ہم نے
تمہارے آئیو اے طرّہ ہائے خم بہ خم آگے

۱۹۳

خبر نگہ کو، نگہ چشم کو عدو جانے
وہ جلوہ کر کہ میں جانوں اور نہ تُو جانے
نفس بہ نالہ رقیب و نگہ با شک عدو
زیادہ اس سے گرفتار ہوں کہ تُو، جانے

۱۹۴

تا چند نازِ مسجد و بُت خانہ کھینچیے
جُوں شمع، دل بہ خلوتِ جانانہ کھینچیے
عجز و نیاز سے تو نہ آیا وہ راہ پر
دامن کو اُس کے آج حریفانہ کھینچیے

۱۹۵

شکوے کے نام سے بے مہر خفا ہوتا ہے
یہ بھی مت کہہ کہ "جو کہیے تو گلا ہوتا ہے"

پُر ہوں مَیں شکوے سے یُوں راگ سے جیسے باجا
اِک ذرا چھیڑیئے پھر دیکھیئے کیا ہوتا ہے

کیوں نہ ٹھہریں ہدفِ ناوکِ بیداد کہ ہم
آپ اُٹھا لاتے ہیں گر تیر خطا ہوتا ہے

خوب تھا پہلے سے ہوتے جو ہم اپنے بَدخواہ
کہ بھَلا چاہتے ہیں اور بُرا ہوتا ہے

نالہ جاتا تھا پَرے عرش سے میرا اور اب
لب تک آتا ہے جو ایسا ہی رسا ہوتا ہے

قطعہ

مَیں جو گستاخ ہُوں آئینِ غزل خوانی میں
یہ بھی تیرا ہی کرم ذوق فزا ہوتا ہے

رکھیو غالبؔ مجھے اِس تلخ نوائی میں معاف
آج کچھ درد مرے دل میں سِوا ہوتا ہے

۱۹۶

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ "تُو کیا ہے"
تمہیں کہو کہ یہ اندازِ گفتگُو کیا ہے

نہ شعلے میں یہ کرشمہ نہ برق میں یہ ادا
کوئی بتاؤ کہ وہ شوخِ تُند خُو کیا ہے؟

یہ رشک ہے کہ وہ ہوتا ہے ہم سخن تم سے
وگرنہ خوفِ بدآموزئ عدُو کیا ہے؟

چپک رہا ہے بدن پر لہو سے پیراہن
ہماری جیب کو اب حاجتِ رفو کیا ہے؟

جَلا ہے جسم جہاں، دِل بھی جَل گیا ہوگا
کُریدتے ہو جو اب راکھ، جستجو کیا ہے؟

رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے؟

وہ چیز جس کے لیۓ ہم کو ہو بہشت عزیز
سوائے بادۂ گلفام و مُشکبُو کیا ہے؟

پیوں شراب اگر خُم بھی دیکھ لوں دوچار
یہ شِیشہ و قدح و کوزہ و سُبو کیا ہے؟

رہی نہ طاقتِ گفتار اور اگر ہو بھی
تو کِس اُمید پہ کہیے کہ آرزُو کیا ہے؟

ہُوا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اِتراتا وگرنہ شہر میں غالبؔ کی آبرُو کیا ہے؟

۱۹۷

مَیں انھیں چھیڑوں اور کچھ نہ کہیں
چل نکلتے جو مے پیئے ہوتے

قہر ہو یا بَلا ہو ، جو کچھ ہو
کاشکے ! تم مِرے لئے ہوتے

میری قِسمت میں غم گر اتنا تھا
دِل بھی ، یارب ، کئی دیئے ہوتے

آ ہی جاتا وہ راہ پر غالبؔ
کوئی دِن اور بھی جِئے ہوتے

۱۹۸

آ کہ ، مِری جان کو قرار نہیں ہے
طاقتِ بے دادِ انتظار نہیں ہے

دیتے ہیں جنّت ، حیاتِ دَہر کے بَدلے
نشّہ بہ اندازۂ خمار نہیں ہے

ہم سے عبث ہے ، گمانِ رنجشِ خاطر
خاک میں عشّاق کی غبار نہیں ہے

دِل سے اُٹھا لطفِ جلوہ ہائے معانی
غیرِ گُل آئینۂ بہار نہیں ہے
تُو نے قسم مے کشی کی کھائی ہے غالبؔ
تیری قسم کا کچھ اعتبار نہیں ہے

۱۹۹

دیکھنا حالت مِرے دِل کی ہم آغوشی کے وقت
ہے نگاہِ آشنا تیرا سرِ ہر مُو مجھے
ہوں سراپا سازِ آہنگِ شکایت کچھ نہ پوچھ
ہے یہی بہتر کہ لوگوں میں نہ چھیڑے تُو مجھے

۲۰۰

سائے کی طرح ساتھ پھریں سرو و صنوبر
تُو اس قدِ دلکش سے جو گلزار میں آوے
دے مجھ کو شکایت کی اجازت کہ ستم گر!
کچھ تجھ کو مزا بھی مِرے آزار میں آوے
کانٹوں کی زباں سُوکھ گئی پیاس سے یارب
اِک آبلہ پا وادیٔ پُرخار میں آوے

مَر جاؤں نہ کیوں رشک سے، جب وہ تنِ نازک
آغوشِ خمِ حلقۂ زنار میں آوے
غارت گرِ ناموس نہ ہو گر ہوسِ زر
کیوں شاہدِ گُل باغ سے بازار میں آوے
گنجینۂ معنی کا طلسم اس کو سمجھیے
جو لفظ کہ غالبؔ مِرے اشعار میں آوے

۲۰۱

حُسنِ مہ گرچہ بہ ہنگامِ کمال اچھا ہے
اِس سے میرا مہِ خورشید جمال اچھا ہے
اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا
ساغرِ جم سے مِرا جامِ سفال اچھا ہے
بے طلب دیں تو مزا اس میں سوا ملتا ہے
وہ گدا جس کو نہ ہو خُوئے سوال اچھا ہے
اُن کے دیکھے سے جو آجاتی ہے مُنہ پہ رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے
دیکھیے پاتے ہیں عشّاق بُتوں سے کیا فیض!
اِک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے

ہم سخن تیشے نے فرہاد کو شیریں سے کیا
جس طرح کا بھی کسی میں ہو کمال اچھا ہے

قطرہ دریا میں جو مل جائے تو دریا ہو جائے
کام اچھا ہے وہ جس کا کہ مآل اچھا ہے

ہم کو معلوم ہے جنّت کی حقیقت لیکن!
دل کے خوش رکھنے کو غالبؔ یہ خیال اچھا ہے

۲۰۲

غیر لیں محفل میں بوسے جام کے
ہم رہیں یوں تشنہ لب پیغام کے

خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو
ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے

رات پی زمزم پہ مے اور صبح دم
دھوئے دھبّے جامۂ احرام کے

عشق نے غالبؔ نکمّا کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

ہوں میں بھی تماشائی نیرنگِ تمنّا
مطلب نہیں کچھ اس سے کہ مطلب ہی بر آوے

پھر اِس انداز سے بہار آئی
کہ ہوئے مہر و مہ تماشائی
دیکھو اے ساکنانِ خطۂ خاک
اِس کو کہتے ہیں عالم آرائی
کہ زمیں ہو گئی ہے سرتاسر
روکشِ سطحِ چرخِ مینائی
سبزے کو جب کہیں جگہ نہ ملی
بن گیا روئے آب پر کائی
سبزہ و گُل کے دیکھنے کے لیئے
چشمِ نرگس کو دی ہے بینائی
ہے ہوا میں شراب کی تاثیر
بادہ نوشی ہے بادپیمائی
کیوں نہ دُنیا کو ہو خوشی غالبؔ
شاہِ دیندار نے شفا پائی

مسجد کے زیرِ سایہ اِک گھر بنا لیا ہے   یہ بندۂ کمینہ ہمسایۂ خُدا ہے

۲۰۴

تغافل دوست ہوں میرا دماغِ عجز عالی ہے
اگر پہلو تہی کیجے، تو جا میری بھی خالی ہے
رہا آباد عالم اہلِ ہمّت کے نہ ہونے سے
بھرے ہیں جس قدر جام و سبو میخانہ خالی ہے

ہوا آئینہ، جام بادہ عکسِ روئے گلگوں سے
نشانِ خالِ رُخ، داغِ شرابِ پرتگالی ہے
اسد اُٹھنا قیامت قامتوں کا وقتِ آرائش
لباسِ نظم میں بالیدنِ مضمونِ عالی ہے

۲۰۵

کب وہ سُنتا ہے کہانی میری
اور پھر وہ بھی زبانی میری
کیا بیاں کر کے مرا روئیں گے یار
مگر، آشفتہ بیانی میری
متقابل ہے مقابل میرا
رُک گیا، دیکھ روانی میری

قدرِ سنگِ سرِ رہ رکھتا ہوں
سخت ارزاں ہے گرانی میری

۲۰۶

کیا ہے ترکِ دُنیا کاہلی سے
ہمیں حاصِل نہیں بے حاصلی سے
خدا یعنی پدر سے مہرباں تر
پھرے ہم دَر بَدر ناقابلی سے

۲۰۷

آرزوئے خانہ آبادی نے ویراں تر کیا
کیا کروں گر سایۂ دیوارِ سیلابی گرے
بادشاہی کا جہاں یہ حال ہو غالبؔ، تو پھر
کیوں نہ دِلّی میں ہر اِک ناچیز نوّابی کرے

دِلّی کے رہنے والو اسد کو ستاؤ مت　　　　بیچارہ چند یوم کا یاں میہمان ہے

۲۰۸

گلشن کو تِری صحبت از بس کہ خوش آئی ہے
ہر غنچے کا گُل ہونا آغوش کشائی ہے

از بس کہ سِکھاتا ہے غمِ ضبط کے انداز
جو داغ نظر آیا، اِک چشم نمائی ہے

۲۰۹

جس زخم کی ہو سکتی ہو تدبیر رفو کی
لکھ دیجیو یارب! اسے قسمت میں عدو کی

۲۱۰

سیماب پُشت گرمیٔ آئینہ دے ہے ہم
حیراں کئے ہوئے ہیں دلِ بے قرار کے
آغوشِ گُل کشودہ برائے وداع ہے
اے عندلیب! چل کہ چلے دِن بہار کے

۲۱۱

ہے وصل ہجر، عالمِ تمکین و ضبط میں
معشوق شوخ و عاشقِ دیوانہ چاہیے
اس لَب سے مِل ہی جائے گا بوسہ کبھی تو ہاں
شوقِ فضول و جرأتِ رندانہ چاہیے

۲۱۲

جادُو ہے یار کی روشِ گفتگو اسدؔ یاں جُز فسوں نہیں، اگر افسانہ چاہیے

چاہیے اچھوں کو جتنا چاہیے
یہ اگر چاہیں تو پھر کیا چاہیے
صحبتِ رنداں سے واجب ہے حَذر
جائے مے اپنے کو کھینچا چاہیے
چاہنے کو تیرے کیا سمجھا تھا دِل؟
بارے اب اس سے بھی سمجھا چاہیے
چاک مت کر جیب بے ایامِ گُل
کچھ اِدھر کا بھی اشارا چاہیے
دوستی کا پردہ ہے بے گانگی
مُنہ چھپانا ہم سے چھوڑا چاہیے
دشمنی نے میری کھویا غیر کو
کِس قدر دشمن ہے دیکھا چاہیے
منحصر مرنے پہ ہو جس کی اُمید
نا اُمیدی اُس کی دیکھا چاہیے
غافل ان مہ طلعتوں کے واسطے
چاہنے والا بھی اچھا چاہیے

چاہتے ہیں خوب رویوں کو اسدؔ
آپ کی صورت تو دیکھا چاہیے

۲۱۴

ہر قدم دُوریِ منزل ہے نُمایاں مجھ سے
میری رفتار سے بھاگے ہے بیاباں مجھ سے
نگہِ گرم سے اِک آگ ٹپکتی ہے اسدؔ
ہے چراغاں خس و خاشاکِ گُلستاں مجھ سے

۲۱۵

نُکتہ چیں ہے غمِ دل اس کو سُنائے نہ بنے
کیا بنے بات، جہاں بات بنائے نہ بنے
مَیں بُلاتا تو ہوں اس کو مگر اے جذبۂ دِل
اُس پہ بَن جائے کچھ ایسی کہ بِن آئے نہ بنے
کھیل سمجھا ہے کہیں چھوڑ نہ دے، بھُول نہ جائے
کاش یُوں بھی ہو کہ بِن میرے ستائے نہ بنے
غیر پھرتا ہے لیئے یُوں ترے خط کو کہ اگر
کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بنے

اِس نزاکت کا بُرا ہو، وہ بھلے ہیں تو کیا
ہاتھ آئیں تو انھیں ہاتھ لگائے نہ بنے

کہہ سکے کون کہ یہ جلوہ گری کس کی ہے
پردہ چھوڑا ہے وہ اُس نے کہ اُٹھائے نہ بنے

موت کی راہ نہ دیکھوں کہ بن آئے نہ رہے
تم کو چاہوں کہ نہ آؤ تو بُلائے نہ بنے

بوجھ وہ سر سے گرا ہے کہ اُٹھائے نہ اُٹھے
کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے

عشق پر زور نہیں، ہے یہ وہ آتش غالبؔ
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

۲۱۶

وہ آکے خواب میں تسکینِ اضطراب تو دے
ولے مجھے تپشِ دِل مجالِ خواب تو دے

کرے ہے قتل لگاوٹ میں تیرا رو دینا
تری طرح کوئی تیغِ نگاہ کو آب تو دے

پلادے اوک سے ساقی جو ہم سے نفرت ہے
پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے

اسدؔ خوشی سے مِرے ہاتھ پاؤں پھُول گئے
کہا جو اُس نے ذرا میرے پاؤں داب تو دے

۲۱۷

تپش سے میری وقفِ کشمکش ہر تارِ بستر ہے
مرا سَر رنجِ بالیں ہے مرا تن بارِ بستر ہے
کہوں کیا دِل کی کیا حالت ہے ہجرِ یار میں غالبؔ
کہ بے تابی سے ہر اک تارِ بستر خارِ بستر ہے

۲۱۸

فریاد کی کوئی لَے نہیں ہے
نالہ پابندِ نَے نہیں ہے
ہر چند ہر ایک شے میں تُو ہے
پر تجھ سی تو کوئی شے نہیں ہے
ہاں کھائیو مت فریبِ ہستی
ہر چند کہیں کہ "ہے"، نہیں ہے
شادی سے گُذر کہ غم نہ ہووے
اُردی جو نہ ہو تو دَے نہیں ہے

کیوں ردِّ قدح کرے ہے زاہد
مَے ہے یہ مگس کی قے نہیں ہے

ہستی ہے نہ کچھ عدم ہے غالبؔ
آخر تُو کیا ہے؟ اے "نہیں ہے"

۲۱۹

نہ پوچھ نُسخۂ مرہم جراحتِ دِل کا
کہ اِس میں ریزۂ الماس جُزوِ اعظم ہے

بہت دِنوں میں تغافل نے تیرے پیدا کی
وہ اِک نگہ کہ بظاہر نگاہ سے کم ہے

۲۲۰

ہم رشک کو اپنے بھی گوارا نہیں کرتے
مَرتے ہیں وَلے ان کی تمنّا نہیں کرتے

در پردہ انھیں غیر سے ہے ربطِ نہانی
ظاہر کا یہ پردہ ہے کہ پردا نہیں کرتے

یہ باعثِ نومیدیٔ اربابِ ہَوس ہے
غالبؔ کو بُرا کہتے ہو اچھا نہیں کرتے

مقامِ ترکِ حجاب و وداعِ تمکیں ہے ۲۲۱ اسد ہے نزع میں، چل بے وفا برائے خدا

عارضِ گُل دیکھ روئے یار یاد آیا اسدؔ
جوششِ فصلِ بہاری اشتیاق انگیز ہے

۲۲۳

دیا ہے دِل اگر اُس کو بشر ہے کیا کہیے
ہُوا رقیب تو ہو، نامہ بر ہے کیا کہیے

رہے ہے یُوں گہ و بے گہ کہ کُوئے دوست کو اب
اگر نہ کہیے کہ دشمن کا گھر ہے کیا کہیے

زہے کرشمہ کہ یُوں دے رکھا ہے ہم کو فریب
کہ بِن کہے ہی اُنھیں سب خبر ہے کیا کہیے

سمجھ کے کرتے ہیں بازار میں وہ پُرسشِ حال
کہ یہ کہے کہ سرِ رہ گذر ہے کیا کہیے

انھیں سوال پہ زعمِ جنوں ہے کیوں لڑیے؛
ہمیں جواب سے قطعِ نظر ہے کیا کہیے

حسد، سزائے کمالِ سُخن ہے کیا کیجیے
ستم، بہائے متاعِ ہُنر ہے کیا کہیے

کہا ہے کِس نے کہ غالبؔ بُرا نہیں لیکن
سوائے اِس کے کہ آشفتہ سر ہے کیا کہیے

میرے غم خانے کی قسمت جب رقم ہونے لگی
لکھ دیا منجملۂ اسبابِ ویرانی مجھے

وعدہ آنے کا وفا کیجے، یہ کیا انداز ہے
تم نے کیوں سونپی ہے میرے گھر کی دربانی مجھے

ہاں نشاطِ آمدِ فصلِ بہاری، واہ واہ!
پھر ہُوا ہے تازہ سودائے غزلخوانی مجھے

۲۲۵

طبع ہے مشتاقِ لذت ہائے حسرت کیا کروں؛
آرزُو سے ہے شکستِ آرزُو مطلب مجھے

دِل لگا کر آپ بھی غالبؔ مجھی سے ہو گئے
عِشق سے آتے تھے مانع میرزا صاحب مجھے

۲۲۶

حضورِ شاہ میں اہلِ سُخن کی آزمائش ہے
چمن میں خوش نوایانِ چمن کی آزمائش ہے

قد و گیسو میں قیس و کوہ کن کی آزمائش ہے
جہاں ہم ہیں وہاں دار و رسن کی آزمائش ہے

کریں گے کوہ کن کے حوصلے کا امتحاں آخر
ہنوز اس خستہ کے نیروئے تَن کی آزمائش ہے

وہ آیا بزم میں دیکھو نہ کہیو پھر کہ غافل تھے
شکیب و صبرِ اہلِ انجمن کی آزمائش ہے

رہے ہے دِل میں تیر اچھا، جگر کے پار ہو بہتر
غرض شِستِ بُتِ ناوک فگن کی آزمائش ہے

نہیں کچھ سبحہ و زنّار کے پھندے میں گیرائی
وفاداری میں شیخ و برہمن کی آزمائش ہے

رگ و پے میں جب اُترے زہرِ غم تب دیکھیے کیا ہو!
ابھی تو تلخیِ کام و دَہن کی آزمائش ہے

وہ آئیں گے مِرے گھر وعدہ کیسا دیکھنا غالبؔ
نئے فِتنوں میں اب چرخِ کُہن کی آزمائش ہے

۲۲۷

کبھی نیکی بھی اس کے جی میں گر آجائے ہے مُجھ سے
جَفائیں کر کے اپنی یاد شرما جائے ہے مُجھ سے

خدایا! جذبۂ دِل کی مگر تاثیر اُلٹی ہے
کہ جِتنا کھینچتا ہوں اَور کِھنچتا جائے ہے مُجھ سے

اُدھر وہ بدگمانی ہے، اِدھر وہ ناتوانی ہے
نہ پُوچھا جائے ہے اُس سے، نہ بولا جائے ہے مجھ سے
سنبھلنے دے مجھے اے نااُمیدی کیا قیامت ہے
کہ دامانِ خیالِ یار چھُوٹا جائے ہے مجھ سے
ہُوئے ہیں پاؤں ہی پہلے نبردِ عشق میں زخمی
نہ بھاگا جائے ہے مجھ سے، نہ ٹھہرا جائے ہے مجھ سے
قیامت ہے کہ ہووے مُدّعی کا ہم سفر غالب
وہ کافر جو خُدا کو بھی نہ سونپا جائے ہے مجھ سے

۲۲۸

بازیچۂ اطفال ہے دُنیا مِرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا مِرے آگے
اِک کھیل ہے اورنگِ سُلیماں مِرے نزدیک
اِک بات ہے اعجازِ مسیحا مِرے آگے
جُز نام نہیں صُورتِ عالم مجھے منظُور
جُز وہم نہیں ہستیٔ اشیا مِرے آگے
ہوتا ہے نہاں گرد میں صحرا مِرے ہوتے
گِھستا ہے جبیں خاک پہ دریا مِرے آگے

گو ہاتھ کو جُنبش نہیں، آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا مِرے آگے

ہم پیشہ و ہم مشرب و ہم راز ہے میرا
غالبؔ کو بُرا کیوں کہو؟ اچھّا مِرے آگے

۲۲۹

کہوں جو حال تو کہتے ہو "مدّعا کہیے"
تمہیں کہو کہ جو تم یُوں کہو تو کیا کہیے

نہ کہیو طعن سے پھر تم کہ ہم "ستمگر ہیں"!
مجھے تو خُو ہے کہ جو کچھ کہو "بجا" کہیے

وہ نیشتر سہی، پر دِل میں جب اُتر جائے
نگاہِ ناز کو پھر کیوں نہ آشنا کہیے

نہیں ذریعۂ راحت جراحتِ پیکاں
وہ زخمِ تیغ ہے جس کو کہ دِل کُشا کہیے

جو مُدّعی بنے، اُس کے نہ مُدّعی بنیے
جو ناسزا کہے اُس کو نہ ناسزا کہیے

رہے نہ جان تو قاتل کو خُوں بہا دیجے
کٹے زبان تو خنجر کو مرحبا کہیے

نہیں نگار کو اُلفت نہ ہو نگار تو ہے
روانیٔ روشِ و مستیٔ ادا کہیئے
نہیں بہار کو فرصت نہ ہو بہار تو ہے
طراوتِ چمن و خوبیٔ ہوا کہیئے
سفینہ جب کہ کنارے پہ آلگا غالبؔ
خدا سے کیا، ستم و جورِ ناخدا کہیئے

۲۳۰

رونے سے اور عشق میں بیباک ہو گئے
دھوئے گئے ہم اتنے کہ بس پاک ہو گئے
صَرفِ بہائے مَے ہوئے آلاتِ مَے کشی
تھے یہ ہی دو حساب سو یُوں پاک ہو گئے
رسوائے دہر گو ہوئے آوارگی سے تم
بارے طبیعتوں کے تو چالاک ہو گئے
کہتا ہے کون نالۂ بلبُل کو بے اثر
پردے میں گُل کے لاکھ جگر چاک ہو گئے
پوچھے ہے کیا وجود و عدم اہلِ شوق کا
آپ اپنی آگ کے خس و خاشاک ہو گئے

کرنے گئے تھے اُن سے تغافل کا ہم گِلہ
کی ایک ہی نگاہ کہ بس خاک ہو گئے
اس رنگ سے اُٹھائی کل اُس نے اسدؔ کی نعش
دشمن بھی جس کو دیکھ کے غمناک ہو گئے

۲۳۱

ہم نشیں مت کہہ، کہ برہم کر نہ بزمِ عیشِ دوست
واں تو میرے نالے کو بھی اعتبارِ نغمہ ہے

۲۳۲

جب تک دہانِ زخم نہ پیدا کرے کوئی
مشکل کہ تجھ سے راہِ سخن وا کرے کوئی
عالم غبارِ وحشتِ مجنوں ہے سر بہ سر
کب تک خیالِ طرّۂ لیلا کرے کوئی
رونے سے، اے ندیم! ملامت نہ کر مجھے
آخر کبھی تو عقدۂ دِل وا کرے کوئی
چاکِ جگر سے جب رہِ پرسش نہ وا ہوئی
کیا فائدہ کہ جیب کو رسوا کرے کوئی

لختِ جگر سے ہے رگِ ہر خار شاخِ گُل
تا چند باغبانیِ صحرا کرے کوئی

ناکامیِ نگاہ ہے برقِ نظارہ سوز
تُو وہ نہیں کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی

سر بر ہوئی نہ وعدۂ صبر آزما سے عُمر
فرصت کہاں کہ تیری تمنّا کرے کوئی

ہے وحشتِ طبیعتِ ایجاد یاس خیز
یہ درد وہ نہیں کہ نہ پیدا کرے کوئی

حُسنِ فروغِ شمعِ سُخن دُور ہے اسدؔ
پہلے دلِ گُداختہ پیدا کرے کوئی

۲۳۳

ابنِ مریم ہُوا کرے کوئی
میرے دُکھ کی دوا کرے کوئی

شرع و آئین پر مدار سہی
ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی

چال جیسے کڑی کمان کا تیر
دل میں ایسے کے جا کرے کوئی

بات پر واں زبان کٹتی ہے
وہ کہیں اور سُنا کرے کوئی

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

نہ سُنو، گر بُرا کہے کوئی
نہ کہو گر بُرا کرے کوئی

روک لو گر غلط چلے کوئی
بخش دو گر خطا کرے کوئی

کون ہے جو نہیں ہے حاجتمند
کس کی حاجت روا کرے کوئی

کیا کیا خضر نے سکندر سے؟
اب کسے رہنما کرے کوئی

جب توقّع ہی اُٹھ گئی غالبؔ
کیوں کسی کا گلہ کرے کوئی!

۲۳۴

بھولے نہیں ہیں سیرِ گلستاں کے ہم ولے
کیوں کر نہ کھائیے کہ ہوا ہے بہار کی

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

نکلنا خلد سے آدم کا سُنتے آئے ہیں لیکن
بہت بے آبرُو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے

بھرم کھُل جائے ظالم تیرے قامت کی درازی کا
اگر اِس طُرّۂ پُر پیچ و خم کا پیچ و خم نکلے

مگر لکھوائے کوئی اس کو خط تو ہم سے لکھوائے
ہوئی صبح، اور گھر سے کان پر رکھ کر قلم نکلے

ہوئی اِس دور میں منسُوب مجھ سے بادہ آشامی
پھر آیا وہ زمانہ جو جہاں میں جامِ جم نکلے

ہوئی جن سے توقع خستگی کی داد پانے کی
وہ ہم سے بھی زیادہ خستۂ تیغِ ستم نکلے

محبت میں نہیں ہے فرق مرنے اور جینے کا
اُسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کافر پہ دم نکلے

کہاں مے خانہ کا دروازہ غالب اور کہاں واعظ
پَر اتنا جانتے ہیں، کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے

۲۳۶

صد جلوہ رُوبرو ہے جو مژگاں اُٹھائیے
طاقت کہاں کہ دید کا احساں اُٹھائیے

دیوار بارِ منّتِ مزدُور سے ہے خم
اے خانماں خراب، نہ احساں اُٹھائیے

یا میرے زخمِ رشک کو رُسوا نہ کیجئے
یا پردۂ تبسّمِ پنہاں اُٹھائیے

۲۳۷

کوہ کے ہوں بارِ خاطر گر صدا ہو جائیے
بے تکلّف اے شرارِ جستہ کیا ہو جائیے

بیضہ آسا ننگِ بال و پر ہے یہ کُنجِ قفس
از سرِ نو زندگی ہو گر رِہا ہو جائیے

۲۳۸

چونکہ بالائے ہوس پر ہر قبا کوتاہ ہے
بر ہوس ہائے جہاں دامن فشانی مُفت ہے

یک نفس، ہر یک نفس جاتا ہے قسطِ عُمر میں
حَیف ہے اُن کو جو کہویں "زندگانی مُفت ہے"

۲۳۹

چھیڑ کے ہے شبنم آئینۂ برگِ گُل پر آب
اے عندلیب! وقتِ وداعِ بہار ہے
پیچ آپڑی ہے وعدۂ دِلدار کی مجھے
وہ آئے یا نہ آئے پہ یاں اِنتظار ہے
اے عندلیب یک کفِ خَس بہرِ آشیاں
طوفانِ آمد آمدِ فصلِ بہار ہے
دِل مت گنوا خبر نہ سہی سیر ہی سہی
اے بے دماغ آئینہ تمثال دار ہے
غفلت کفیلِ عمر و اسدؔ ضامنِ نشاط
اے مرگِ ناگہاں تجھے کیا اِنتظار ہے

۲۴۰

آئینہ کیوں نہ دُوں کہ تماشا کہیں جسے
ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے
پھونکا ہے کس نے گوشِ محبّت میں اے خُدا!
افسونِ اِنتظار، تمنّا کہیں جسے

غالبؔ بُرا نہ مان جو واعظ بُرا کہے
ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھّا کہیں جسے

۲۴۱

قُمری کفِ خاکستر و بلبُل قفسِ رنگ
اے نالہ نشانِ جگرِ سوختہ کیا ہے؟
خُو نے تری افسُردہ کیا وحشتِ دِل کو!
معشوقی و بے حوصلگی طُرفہ بَلا ہے
مجبُوری و دعوائے گرفتاریٔ اُلفت
دستِ تہِ سنگ آمدہ پیمانِ وَفا ہے
اے پرتوِ خورشیدِ جہاں تاب! اِدھر بھی
سائے کی طرح ہم پہ عجب وقت پڑا ہے
ناکردہ گُناہوں کی بھی حسرت کی مِلے دَاد
یارب! اگر ان کردہ گناہوں کی سَزا ہے
بیگانگیٔ خَلق سے بے دِل نہ ہو غالبؔ
کوئی نہیں تیرا تو مری جان خُدا ہے

۲۴۲

دل تو ہو، اچھا، نہیں ہے گر دماغ　　　　کچھ تو اسبابِ تمنّا چاہیے

منظور تھی یہ شکل، تجلّی کو نُور کی
قِسمت کھُلی ترے قد و رُخ سے ظہُور کی

اِک خُونچکاں کفن میں کروڑوں بناؤ ہیں
پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پہ حُور کی

واعظ نہ تم پیو نہ کِسی کو پِلا سکو
کیا بات ہے تمہاری شرابِ طہُور کی

آمد بہار کی ہے جو بُلبل ہے نغمہ سنج
اُڑتی سی اِک خبر ہے زبانی طیُور کی

گو واں نہیں پہ واں کے نکالے ہوئے تو ہیں
کعبے سے اِن بُتوں کو بھی نِسبت ہے دُور کی

کیا فرض ہے کہ سب کو مِلے ایک سا جواب
آؤ نہ ہم بھی سَیر کریں کوہِ طُور کی

گرمی سہی کلام میں، لیکن نہ اِس قدر
کی جس سے بات اُس نے شکایت ضرور کی

غالبؔ اگر سفر میں مجھے ساتھ لے چلیں
حج کا ثواب نذر کروں گا حُضور کی

غم کھانے میں بودا دلِ ناکام بہت ہے
یہ رنج کہ کم ہے مئے گلفام بہت ہے
کہتے ہوئے ساقی سے حیا آتی ہے ورنہ
ہے یوں کہ مجھے دُردِ تہِ جام بہت ہے
نَے تیر کماں میں ہے نہ صیّاد کمیں میں
گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے
کیا زہد کو مانوں کہ نہ ہو گرچہ ریائی
پاداشِ عمل کی طَمعِ خام بہت ہے
ہیں اہلِ خرد کس روشِ خاص پہ نازاں؟
پابستگیٔ رسم و رہِ عام بہت ہے
زمزم ہی پہ چھوڑو مجھے کیا طوفِ حرم سے
آلودہ بہ مَے جامۂ احرام بہت ہے
ہے قہر کہ اب بھی نہ بنے بات کہ ان کو
انکار نہیں اور مجھے اِبرام بہت ہے
خوں ہو کے جگر آنکھ سے ٹپکا نہیں اے مرگ
رہنے دے مجھے یاں کہ ابھی کام بہت ہے

ہوگا کوئی ایسا بھی کہ غالبؔ کو نہ جانے
شاعر تو وہ اچھا ہے پہ بدنام بہت ہے

۲۴۵

مدّت ہوئی ہے یار کو مہماں کیے ہوئے
جوشِ قدح سے بزم چراغاں کیے ہوئے
کرتا ہوں جمع پھر جگرِ لخت لخت کو
عرصہ ہوا ہے دعوتِ مژگاں کیے ہوئے
پھر وضعِ احتیاط سے رُکنے لگا ہے دَم
برسوں ہوئے ہیں چاک گریباں کیے ہوئے
پھر گرم نالہ ہائے شرربار ہے نفس
مدّت ہوئی ہے سیرِ چراغاں کیے ہوئے
پھر پُرسشِ جراحتِ دِل کو چلا ہے عشق
سامانِ صد ہزار نمکداں کیے ہوئے
پھر بھر رہا ہے خامۂ مژگاں بہ خونِ دِل
سازِ چمن طرازیٔ داماں کیے ہوئے
باہم دگر ہوئے ہیں دِل و دیدہ پھر رقیب
نظارۂ خیال کا ساماں کیے ہوئے

دِل پھر طوافِ کوئے مَلامت کو جائے ہے
پندار کا صنم کدہ ویراں کیئے ہوئے

پھر شوق کر رہا ہے خریدار کی طلب
عرضِ متاعِ عقل و دل و جاں کیئے ہوئے

دَوڑے ہے پھر ہر ایک گل و لالہ پر خیال
صَد گلستاں نگاہ کا سَاماں کیئے ہوئے

پھر چاہتا ہوں نامۂ دِلدار کھولنا
جاں نذرِ دِل فریبئ عُنواں کیئے ہوئے

مانگے ہے پھر کسی کو لبِ بام پر ہَوس
زُلفِ سیاہ رُخ پہ پریشاں کیئے ہوئے

چاہے ہے پھر کِسی کو مقابل میں آرزُو
سُرمے سے تیز دشنۂ مژگاں کیئے ہوئے

اِک نوبہارِ ناز کو تاکے ہے پھر نگاہ
چہرہ فروغِ مَے سے گلُستاں کیئے ہوئے

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کہ رات دِن
بیٹھے رہیں تصوّرِ جاناں کیئے ہوئے

غالب ہمیں نہ چھیڑ کہ پھر جوشِ اشک سے ❊ بیٹھے ہیں ہم تہیۂ طوفاں کیئے ہوئے

نویدِ امن ہے بے دادِ دوست جاں کے لیے
رہی نہ طرزِ ستم کوئی آسماں کے لیے

بَلا سے، گر مژۂ یار تشنۂ خُوں ہے
رکھوں کچھ اپنی بھی مژگانِ خوں فشاں کے لیے

وہ زندہ ہم ہیں کہ ہیں روشناسِ خلق اے خضر!
نہ تم کہ چور بنے عُمرِ جاوداں کے لیے

مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغِ اسیر
کرے قفس میں فراہم خَس آشیاں کے لیے

گدا سمجھ کے وہ چپ تھا، مری جو شامت آئے
اُٹھا اور اُٹھ کے قدم مَیں نے پاسباں کے لیے

بہ قدرِ شوق نہیں، ظرفِ تنگنائے غزل
کچھ اور چاہیئے وسعت مرے بیاں کے لیے

دیا ہے خلق کو بھی، تا اسے نظر نہ لگے
بنا ہے عیش تجمل حُسین خاں کے لیے

زباں پہ بارِ خدایا! یہ کِس کا نام آیا
کہ میرے نُطق نے بوسے مری زباں کے لیے

زمانہ، عہد میں اس کے، ہے محوِ آرائش
بنیں گے اور ستارے اب آسماں کے لیئے
ورق تمام ہوا، اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیئے اِس بحرِ بیکراں کے لیئے
ادائے خاص سے غالبؔ ہوا ہے نکتہ سرا
صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیئے

۲۴۷

ان کو کیا علم کہ کشتی پہ مری کیا گزری
دوست جو ساتھ مرے تالبِ ساحل آئے
وہ نہیں ہم کہ چلے جائیں حرم کو اے شیخ
ساتھ حجاج کے اکثر کئی منزل آئے
آئیں جس بزم میں وہ، لوگ پکار اُٹھتے ہیں
لو، وہ برہم زنِ ہنگامۂ محفل آئے
سامنا حور و پری نے نہ کیا ہے نہ کریں
عکس تیرا ہی مگر تیرے مقابل آئے
اب ہے دِلّی کی طرف کوچ ہمارا غالبؔ
آج ہم حضرتِ نوّابؔ سے بھی مل آئے

۲۴۸

گدائے طاقتِ تحریر ہے زباں تجھ سے
کہ خامشی کو ہے پیرایۂ بیاں تجھ سے

نیاز پردۂ اظہارِ خود پرستی ہے
جبینِ سجدہ فشاں تجھ سے، آستاں تجھ سے

اسدؔ طلسمِ قفس میں رہے، قیامت ہے
خرام تجھ سے، صبا تجھ سے، گلستاں تجھ سے

۲۴۹

لطفِ عشقِ ہر یک، اندازِ دگر دکھلائے گا
بے تکلّف یک نگاہِ آشنا ہو جائیے

۲۵۰

رشک ہے آسایشِ اربابِ غفلت پر اسدؔ
پیچ و تابِ دل نصیبِ خاطرِ آگاہ ہے

۲۵۱

جس طرف سے آئے ہیں، آخر اُدھر ہی جائیں گے
مرگ سے وحشت نہ کر، راہِ عدم پیمودہ ہے

اسدؔ جاں نذرِ الطافے کہ ہنگامِ ہم آغوشی
زبانِ ہر سرِ مُو حالِ دل پُرسیدنی جانے

۲۵۳

اسدؔ وارستگاں باوصفِ ساماں بے تعلق ہیں
صنوبر گلستاں میں با دلِ آزادہ آتا ہے

۲۵۴

اسدؔ جمعیّتِ دل درکنارِ بیخودی خوشتر
دو عالم آگہی سامانِ یک خوابِ پریشاں ہے

۲۵۵

جوشِ جُنوں سے کچھ نظر آتا نہیں اسدؔ
صحرا ہماری آنکھ میں یک مُشتِ خاک ہے

روز اس شہر میں اِک حُکم نیا ہوتا ہے
کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ کیا ہوتا ہے

دل آپ کا کہ دل میں ہے جو کچھ سب آپ کا؟ ٭ دل لیجئے مگر مِرے ارماں نکال کے

عزیزو، اب اللہ ہی اللہ ہے
دمِ واپسیں برسرِ راہ ہے
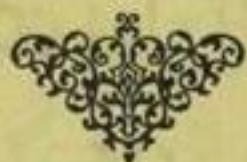
اسدؔ، بندِ قبائے یار ہے فردوس کا غنچہ
اگر وا ہو تو دکھلا دوں کہ یک عالم گلستاں ہے
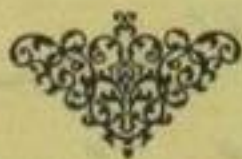
طرزِ بیدل میں ریختہ کہنا
اسد اللہ خاں قیامت ہے

قطعات

کلکتے کا جو ذکر کیا تُو نے، ہمنشیں
اِک تیر میرے سینے میں مارا کہ ہائے ہائے
وہ سبزہ زار ہائے مُطَرّا کہ ہے غضب!
وہ نازنیں بُتانِ خود آرا کہ ہائے ہائے
صبر آزما وہ اُن کی نگاہیں کہ حف نظر!
طاقت رُبا وہ اُن کا اشارا کہ ہائے ہائے
وہ میوہ ہائے تازۂ شِیریں کہ واہ! واہ!
وہ بادہ ہائے نابِ گوارا کہ ہائے ہائے

○

گئے وہ دن کہ نادانستہ غیروں کی وفاداری
کیا کرتے تھے تم تقریر، ہم خاموش رہتے تھے
بس اب بگڑے پہ کیا شرمندگی؟ جانے دو، مِل جاؤ
قسم لو ہم سے، گر یہ بھی کہیں: "کیوں، ہم نہ کہتے تھے"؟

نہ پوچھ اس کی حقیقت حضورِ والا نے
مجھے جو بھیجی ہے بیسن کی روغنی روٹی
نہ کھاتے گیہوں، نکلتے نہ خُلد سے باہر
جو کھاتے حضرتِ آدم یہ بیسنی روٹی

○

اے شہنشاہِ فلک منظرِ بے مثل و نظیر
اے جہاندارِ کرم شیوۂ بے شبہ و عدیل
تیرا اقبالِ ترحّم، مرے جینے کی نوید!
تیرا اندازِ تغافل، مرے مرنے کی دلیل
بختِ ناساز نے چاہا کہ نہ دے مجھ کو اماں
چرخِ کجباز نے تاکا کہ کرے مجھ کو ذلیل
پیچھے ڈالی ہے، سرِ رشتۂ اوقات میں، گانٹھ
پہلے ٹھونکی ہے، بُنِ ناخنِ تدبیر میں، کیل
فکر میری، گہر اندوزِ اشاراتِ کثیر
کلک میری، رقم آموزِ عباراتِ قلیل

میرے اَبہام پہ ہوتی ہے تصدّق، توضیح
میرے اجمال سے کرتی ہے تراوش تفصیل

نیک ہوتی مِری حالت، تو نہ دیتا تکلیف
جمع ہوتی مِری خاطر، تو نہ کرتا تعجیل

قبلۂ کون و مکاں، خستہ نوازی میں یہ دیر!
کعبۂ امن و اَماں، عُقدہ کشائی میں یہ ڈھیل!

○

منظور ہے گزارشِ احوالِ واقعی
اپنا بیانِ حُسنِ طبیعت نہیں مجھے

سَو پُشت سے، ہے پیشۂ آبا سپہ گری
کچھ، شاعری، ذریعۂ عزّت نہیں مجھے

آزادہ رَو ہوں، اور مرا مسلک ہے صُلحِ کُل
ہر گز کبھی کسی سے عَداوت نہیں مجھے

کیا کم ہے یہ شرف کہ ظفر کا غلام ہوں
مانا کہ جاہ و منصب و ثروت نہیں مجھے

استادِ شہ سے ہو مجھے، پرخاش کا خیال
یہ تاب، یہ مجال، یہ طاقت نہیں مجھے

جامِ جہاں نُما ہے، شہنشاہ کا ضمیر
سوگند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے

مَیں کون اور ریختہ؟ ہاں، اس سے مدعا
جز انبساطِ خاطرِ حضرت نہیں مجھے

سہرا لکھا گیا، زرہِ امتثالِ امر
دیکھا کہ چارہ غیرِ اطاعت نہیں مجھے

مقطع میں آ پڑی ہے سخن گسترانہ بات
مقصود اُس سے قطعِ محبت نہیں مجھے

رُوئے سخن کسی کی طرف ہو، تو رُو سیاہ!
سودا نہیں، جنوں نہیں، وحشت نہیں مجھے

قسمت بُری سہی، پہ طبیعت بُری نہیں
ہے شکر کی جگہ کہ شکایت نہیں مجھے

صادق ہوں اپنے قول میں، غالبؔ خدا گواہ!
کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

○

اے شہنشاہِ آسماں اورنگ — اے جہاندارِ آفتاب آثار
تھا میں اِک بینوائے گوشہ نشیں — تھا میں اِک دردمندِ سینہ فگار

تم نے مجھ کو جو آبرو بخشی ہوئی میری وہ گرمئ بازار

کہ ہوا مجھ سا ذرّۂ ناچیز رُوشناسِ ثوابت و سیّار

گرچہ، ازروئے ننگِ بے ہنری ہوں خود اپنی نظر میں اتنا خوار

کہ گر اپنے کو میں کہوں خاکی جانتا ہوں کہ آئے خاک کو عار

شاد ہوں لیکن اپنے جی میں، کہ ہوں بادشہ کا غلامِ کارگزار

خانہ زاد اور مُرید اور مدّاح تھا ہمیشہ سے، یہ عریضہ نگار

بارے، نوکر بھی ہوگیا، صد شکر! نسبتیں، ہوگئیں مشخّص، چار

نہ کہوں آپ سے، تو کس سے کہوں؟ مدّعائے ضروری الاظہار

پیر و مُرشد، اگرچہ مجھ کو نہیں ذوقِ آرائشِ سر و دستار

کچھ تو جاڑے میں چاہیئے، آخر تا نہ دے، بادِ زمہریر، آزار

کیوں نہ درکار ہو مجھے پوشش؛ جسم رکھتا ہوں، ہے اگرچہ نزار

کچھ خریدا نہیں ہے، اب کے سال کچھ بنایا نہیں ہے، اب کی بار

رات کو آگ اور دن کو دھوپ بھاڑ میں جائیں ایسے لیل و نہار!

آگ تاپے کہاں تلک انساں! دھوپ کھاوے کہاں تلک جاندار!

دھوپ کی تابش، آگ کی گرمی وَقِنَا رَبَّنَا عَذَابَ النَّار!

میری تنخواہ جو مقرّر ہے اُس کے ملنے کا ہے عجب ہنجار

رسم ہے، مُردے کی چھ ماہی ایک خلق کا، ہے اسی چلن پہ، مدار

مجھ کو دیکھو کہ ہوں بقیدِ حیات — اور چھماہی ہو سال میں دوبار!

بسکہ لیتا ہوں، ہر مہینے، قرض — اور رہتی ہے سُود کی تکرار

میری تنخواہ میں چہارم کا — ہو گیا ہے شریک ساہوکار

آج مجھ سا نہیں زمانے میں — شاعرِ نغز گوے خوش گفتار

رزم کی داستان گر سُنیئے — ہے، زباں میری، تیغِ جوہر دار

بزم کا التزام گر کیجے — ہے، قلم میری، ابرِ گوہر بار

ظُلم ہے، گر نہ دو سُخن کی داد — قہر ہے، گر کرو نہ مجھ کو پیار

آپ کا بندہ اور پھروں ننگا! — آپ کا نوکر اور کھاؤں اُدھار!

میری تنخواہ کیجے ماہ بماہ — تا نہو، مجھ کو، زندگی دُشوار

ختم کرتا ہوں اب دعا پہ کلام — شاعری سے نہیں مجھے سروکار

تم سلامت رہو ہزار برس!
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار!

○

نُصرتُ المُلک بہادر، مجھے بتلا کہ مجھے
تجھ سے جو اتنی ارادت ہے، تو کس بات سے ہے
گرچہ تو وہ ہے کہ ہنگامہ اگر گرم کرے
رونقِ بزمِ مہ و مہر، تری ذات سے ہے

اور مَیں وہ ہوں کہ گر جی میں کبھی غور کروں
غیر کیا، خود مجھے نفرت مری اوقات سے ہے
خستگی کا ہو بھلا، جس کے سبب سے سرِ دست
نسبت اِک گونہ، مرے دِل کو، ترے ہات سے ہے
ہاتھ میں تیرے رہے، توسنِ دولت کی عناں!
یہ دعا شام و سحر قاضیِ حاجات سے ہے
تو سکندر ہے، مرا فخر ہے مِلنا تیرا
گو، شرف خضر کی بھی، مجھ کو، ملاقات سے ہے
اس پہ گزرے نہ گماں رِیو و رِیا کا زنہار!
غالبِ خاک نشیں اہلِ خرابات سے ہے

ہے چار شنبہ آخرِ ماہِ صفر، چلو
رکھ دیں چمن میں، بھر کے مئے مشکبو کی ناند
جو آئے، جام بھر کے پیئے، اور ہو کے مست
سبزے کو روندتا پھرے، پھولوں کو جائے پھاند

اِفطارِ صَوم کی کچھ، اگر، دستگاہ ہو
اُس شخص کو ضَرور ہے، روزہ رکھا کرے
جس پاس روزہ کھول کے کھانے کو کچھ نہ ہو
روزہ اگر نہ کھائے، تو ناچار کیا کرے؟

○

سِیہ گلیم ہوں، لازم ہے، میرا نام نہ لے
جہاں میں جو کوئی فتح و ظفر کا طالب ہے
ہُوا نہ غلبہ مُیسّر کبھی کسی پہ مجھے
کہ جو شریک ہو میرا، شریکِ غالبؔ ہے

○

گو ایک بادشاہ کے سب خانہ زاد ہیں
دربار دار لوگ بہم آشنا نہیں
کانوں پہ ہاتھ رکھتے ہیں کرتے ہوئے سلام
ہے اس سے یہ مُراد کہ ہم آشنا نہیں

○

خامے کا صفحے پر رَواں ہونا
شاخِ گُل کا ہے گُلفشاں ہونا
بارے، آموں کا کچھ بیاں ہو جائے
خامہ، نخلِ رُطب فشاں ہو جائے

آم کا، کون، مردِ میداں ہے؟
ثمر و شاخ، گوے و چوگاں ہے

تاک کے جی میں کیوں رہے ارماں؟
آئے، یہ گوے اور یہ میداں!

آم کے آگے پیش جاوے خاک
پھوڑتا ہے جلے پھپھولے، تاک

نہ چلا، جب کسی طرح، مقدور
بادۂ ناب بن گیا، انگور

یہ بھی، ناچار، جی کا کھونا ہے
شرم سے پانی پانی ہونا ہے

مجھ سے پوچھو، تمھیں خبر کیا ہے؟
آم کے آگے نیشکر کیا ہے؟

نہ گُل اُس میں، نہ شاخ و برگ، نہ بار
جب خزاں آئے تب ہو اُس کی بہار

اور دوڑائیے قیاس کہاں؟
جانِ شیریں میں یہ مٹھاس کہاں؟

جان میں ہوتی، گر، یہ شیرینی
کوہکن باوجودِ غمگینی،

جان دینے میں اُس کو یکتا جان
پر وہ یُوں سہل دے نہ سکتا جان

نظر آتا ہے یُوں مجھے یہ ثمر
کہ دواخانۂ ازل میں، مگر

آتشِ گُل پہ قند کا ہے قوام
شیرے کے تار کا ہے ریشہ نام

یا یہ ہوگا کہ فرطِ رافت سے
باغبانوں نے باغِ جنّت سے

انگبیں کے، بحکمِ ربّ النّاس
بھر کے بھیجے ہیں، سَر بمُہر گلاس

یا لگا کر خضر نے شاخِ نبات
مدّتوں تک دیا ہے آبِ حیات

تب ہوا ہے ثمرفشاں، یہ نخل
ہم کہاں، ورنہ، اور کہاں یہ نخل!

تھا ترنجِ زر ایک خسرو پاس
رنگ کا زرد، پر کہاں بُو باس!

آم کو دیکھتا اگر یک بار　　پھینک دیتا طلائی دستِ افشار
رونقِ کارگاہِ برگ و نوا　　نازشِ دودمانِ آب و ہوا
صاحبِ شاخ و برگ و بار ہے آم　　ناز پروردۂ بہار ہے آم

○

بسکہ فعّالِ ما یُرید ہے آج　　ہر سلحشور اِنگلستاں کا
گھر سے بازار میں نکلتے ہوئے　　زہرہ ہوتا ہے آب انساں کا
چوک جس کو کہیں، وہ مقتل ہے　　گھر، بنا ہے نمونہ زنداں کا
شہرِ دہلی کا ذرّہ ذرّہ خاک　　تشنۂ خوں ہے، ہر مسلماں کا
کوئی واں سے نہ آسکے یاں تک　　آدمی، واں نہ جاسکے یاں کا
مَیں نے مانا کہ مل گئے، پھر کیا؟　　وہی رونا تن و دل و جاں کا
گاہ جل کر کیا کیے شکوہ　　سوزشِ داغہائے پنہاں کا
گاہ رو کر کہا کیئے باہم　　ماجرا دیدہ ہائے گریاں کا

اس طرح کے وصال سے یارب
کیا مِٹے دل سے داغ ہجراں کا

ایک اہلِ درد نے سُنسان جو دیکھا قفس
یوں کہا آتی نہیں کیوں اب صدائے عندلیب؟

بال و پَر دو چار دِکھلا کر، کہا صیّاد نے:
"یہ نشانی رہ گئی ہے اب بجائے عندلیب!"

○

مسلمانوں کے میلوں کا ہُوا قتل	بچے ہے جوگ مایا اور دیبی
نشاں باقی نہیں اب سلطنت کا	مگر، ہاں، نام کو اورنگ زیبی

○

ہندوستان کی بھی عجب سرزمین ہے
جس میں وفا و مہر و محبّت کا ہے وُفور
جیسا کہ آفتاب نکلتا ہے شرق سے
اخلاص کا ہُوا ہے اِسی مُلک سے ظہُور
ہے اصلِ تخم ہند سے، اور اس زمین سے
پھیلا ہے سب جہان میں یہ میوہ دُور دُور

○

خوشی ہے یہ، آنے کی برسات کے
پئیں بادۂ ناب اور آم کھائیں
سرِ آغازِ موسم میں، اندھے ہیں ہم
کہ دِلّی کو چھوڑیں، لوہارو کو جائیں

سِوا ناج کے، جو ہے مقلوبِ جاں
نہ واں آم پائیں، نہ انگور پائیں
ہُوا حکم باورچیوں کو کہ ہاں
ابھی جا کے پوچھو کہ "کل کیا پکائیں"؟
وہ کھٹے، کہاں پائیں، اِملی کے پھُول
وہ کڑوے کریلے کہاں سے منگائیں؟
فقط گوشت، سو بھیڑ کا ریشے دار
کہو، اس کو، کیا، کھا کے ہم حظ اُٹھائیں؟

O

ہند میں اہلِ تسنّن کی ہیں دو سلطنتیں
حیدر آبادِ دکن، رشکِ گلستانِ اِرم
رامپور، اہلِ نظر کی، ہے نظر میں وہ شہر
کہ جہاں ہشت بہشت آ کے ہوئے ہیں باہم
حیدر آباد بہت دُور ہے، اِس مُلک کے لوگ
اُس طرف کو نہیں جاتے ہیں، جو جاتے ہیں، تو کم
رامپور آج ہے وہ بُقعۂ معمُور کہ ہے
مَرجع و مجمعِ اشرافِ نژادِ آدم

رامپور ایک بڑا باغ ہے، از روئے مثال،
دلکش و تازہ و شاداب و وسیع و خُرّم
جس طرح باغ میں ساون کی گھٹائیں برسیں
ہے اسی طور پہ یاں دجلہ فشاں، دستِ کرم
ابرِ دستِ کرمِ کلبِ علی خاں سے مُدام
دُرِ شہوار ہیں، جو گرتے ہیں قطرے پیہم
ہم نہ تبلیغ کے مائل، نہ غلو کے قائل
دو دعائیں ہیں کہ وہ دیتے ہیں نواب کو ہم
یا خدا، غالبِ عاصی کے خداوند کو دے
دو وہ چیزیں کہ طلبگار رہے جن کا، عالم
اوّلاً، عمرِ طبیعی بدوامِ اقبال
ثانیاً، دولتِ دیدارِ شہنشاہِ اُمم

قصائد

دہر، جز جلوۂ یکتائیِ معشوق نہیں
ہم کہاں ہوتے، اگر حُسن نہ ہوتا خود بیں؟

بے دِلی ہائے تماشا، کہ نہ عبرت ہے، نہ ذوق
بے کسی ہائے تمنّا، کہ نہ دُنیا ہے، نہ دِیں

ہرزہ ہے، نغمۂ زیر و بمِ ہستی و عدم
لغو ہے، آئینۂ فرقِ جنون و تمکیں

لافِ دانش غلط و نفعِ عبادت معلوم
دُردِ یک ساغرِ غفلت ہے، چہ دُنیا وچہ دیں

عشق، بے ربطیِ شیرازۂ اجزائے حواس
وصل، زنگارِ رُخِ آئینۂ حُسنِ یقیں

کوہکن، گرسنہ مزدورِ طرب گاہِ رقیب
بیستوں، آئینۂ خوابِ گرانِ شیریں

کس نے دیکھا، نفَسِ اہلِ وفا آتش خیز؟
کس نے پایا، اثرِ نالۂ دِل ہائے حزیں؟

سامعِ زمزمۂ اہلِ جہاں ہوں، لیکن
نہ سر و برگِ ستائش، نہ دماغِ نفریں

کس قدر ہرزہ سرا ہوں کہ عیاذاً باللہ!
یک قلم خارجِ آدابِ وقار و تمکیں

نقش "لاحول" لکھ، اے خامۂ ہذیاں تحریر! "یا علی" عرض کر، اے فطرتِ وسواس قریں!

○

ہاں، مہِ نو، سُنیں ہم اُس کا نام
جس کو تُو، جُھک کے، کر رہا ہے سلام

دو دن آیا ہے تو نظر دمِ صُبح
یہی انداز اور یہی اندام

بارے، دو دن کہاں رہا غائب؟
بندہ عاجز ہے، گردشِ ایّام

اُڑ کے جاتا کہاں؟ کہ تاروں کا
آسماں نے بچھا رکھا تھا دام

عُذر میں، تین دِن نہ آنے کے
لے کے آیا ہے عید کا پیغام

اُس کو بھُولا نہ چاہیئے کہنا
صبح جو جاوے اور آوے شام

ایک یَیں کیا کہ سب نے جان لیا
تیرا آغاز اور ترا انجام

رازِ دل مجھ سے کیوں چھپاتا ہے؟
مجھ کو سمجھا ہے کیا کہیں نمّام؟

جانتا ہوں کہ آج دُنیا میں
ایک ہی ہے اُمید گاہِ انام!

یَیں نے مانا کہ تُو ہے حلقہ بگوش
غالبؔ اُس کا، مگر نہیں ہے غلام؛

جانتا ہوں کہ اُس کے فیض سے تُو
پھر بنا چاہتا ہے ماہِ تمام

ماہ بن، ماہتاب بن، یَیں کون؟
مجھ کو کیا بانٹ دے گا تُو انعام؟

میرا اپنا جُدا معاملہ ہے
اَور کے لین دین سے کیا کام؟

ہے مجھے آرزوے بخششِ خاص،
گر تجھے ہے اُمیدِ رحمتِ عام

جو کہ بخشے گا تجھ کو فرِّ فروغ
کیا نہ دے گا مجھے مئے گلفام؟

دیکھنا میرے ہاتھ میں لبریز
اپنی صورت کا، اِک بلوریں جام

پھر غزل کی روِش پہ چل نِکلا
توسنِ طبع چاہتا تھا لگام

زہرِ غم کر چکا تھا میرا کام
تجھ کو کس نے کہا کہ ہو بدنام؟

مے ہی پھر کیوں نہ مَیں پیے جاؤں؟
غم سے جب ہو گئی ہو، زیست حرام

بوسہ کیسا؟ یہی غنیمت ہے
کہ نہ سمجھیں وہ لذّتِ دشنام

کعبے میں جا، بجائیں گے ناقوس
اب تو باندھا ہے دَیر میں اِحرام

چھیڑتا ہوں کہ اُن کو غصّہ آئے
کیوں رکھوں، ورنہ، غالب اپنا نام؟

تُو نہیں جانتا، تو مجھ سے سُن
نامِ شاہنشہِ بلند مقام

قبلۂ چشم و دل، بہادر شاہ
مظہرِ ذُوالجلالِ وَالاِکرام

جب ازل میں رقم پذیر ہوئے
صفحہ ہائے لَیالی و ایّام

اور اُن اوراق میں، بکلکِ قضا
مُجملاً مُندرِج ہوئے احکام

لِکھ دیا شاہدوں کو "عاشق کُش"
لِکھ دیا عاشقوں کو "دشمن کام"

آسماں کو، کہا گیا کہ کہیں:
"گنبدِ تیز گردِ نیلی فام"

حکمِ ناطق لکھا گیا کہ لکھیں:
خال کو "دانہ" اور زُلف کو "دام"

آتش و آب و باد و خاک نے لی
وَضعِ سوز و نم و رَم و آرام

مہرِ رخشاں کا نام "خسروِ روز"
ماہِ تاباں کا اسم "شحنۂ شام"

تیرے توقیعِ سلطنت کو بھی
دی، بدستور، صورتِ ارقام
کاتبِ حکم نے، بموجبِ حکم،
اُس رقم کو دیا طرازِ دوام
ہے ازل سے روائیِ آغاز
ہو ابد تک رسائیِ انجام!

○

صُبحدم، دروازۂ خاور کھلا
مہرِ عالمتاب کا منظر کھلا
خسروِ انجم کے، آیا، صَرف میں
شب کو تھا، گنجینۂ گوہر، کھلا
وہ بھی تھی اِک سیمیا کی سی نمود
صُبح کو، رازِ مہ و اختر کھلا
ہیں کواکب کچھ، نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکا، یہ بازیگر، کھلا
سطحِ گردُوں پر پڑا تھا، رات کو
موتیوں کا، ہر طرف، زیور کھلا
صُبح آیا، جانبِ مشرق، نظر
اِک نگارِ آتشیں رُخ سر کھلا
تھی نظر بندی، کیا جب رَدِّ سحر
بادۂ گُلرنگ کا ساغر کھلا
لا کے، ساقی نے، صبوحی کے لیئے
رکھ دیا ہے ایک جامِ زر کھلا
بزمِ سُلطانی ہوئی آراستہ
کعبۂ امن و اماں کا در کھلا
تاجِ زرّیں، مہرِ تاباں سے سوا
خُسروِ آفاق کے مُنہ پر کھلا
شاہِ روشن دل، بہادر شہ، کہ ہے
رازِ ہستی اُس پہ سرتاسر کھلا
وہ کہ جس کی صورتِ تکوین میں
مقصدِ نُہ چرخ و ہفت اختر کھلا

وہ کہ جس کے ناخنِ تاویل سے عُقدۂ احکامِ پیغمبر کھُلا
پہلے دارا کا، نِکل آیا ہے، نام اُس کے سرہنگوں کا جب دفتر کھُلا
رُوشناسوں کی جہاں فہرست ہے واں لکھا ہے چہرۂ قیصر کھُلا
تھا، دلِ وابستہ، قُفلِ بے کلید کِس نے کھولا؟ کب کھُلا؟ کیونکر کھُلا؟
باغِ معنی کی، دکھادوں گا، بہار مجھ سے، اگر، شاہِ سخن گُستر کھُلا
ہو جہاں گرمِ غزل خوانی، نَفَس لوگ جانیں طبلۂ عنبر کھُلا
کُنج میں بیٹھا رہوں، یُوں پَر کھُلا کاشکے ہوتا قفس کا دَر کھُلا
ہم پکاریں اور کھُلے، یوں کون جائے؟ یار کا دروازہ پاویں، گر، کھُلا
ہم کو ہے اس رازداری پر گھمنڈ دوست کا، ہے، راز دشمن پر کھُلا
واقعی، دل پر بَھلا لگتا تھا داغ زخم، لیکن، داغ سے بہتر کھُلا
مُفت کا، کِس کو بُرا ہے بَدرَقہ رہروی میں، پردۂ رہبر کھُلا
سوزِ دل کا کیا کرے بارانِ اشک؟ آگ بھڑکی، مینہہ اگر دم بھر کھُلا
نامے کے ساتھ آگیا پیغامِ مَرگ رہ گیا، خط میری چھاتی پر کھُلا

دیکھیو، غالب سے گر اُلجھا کوئی
ہے ولی پوشیدہ اور کافر کھُلا

پھر، ہُوا مِدحت طرازی کا خیال پھر، مہ و خورشید کا دفتر کھُلا
خامے سے پائی، طبیعت نے مَدد بادباں بھی، اُٹھتے ہی لنگر، کھُلا

مدح سے ممدُوح کی دیکھی شکوہ — یاں عَرَض سے رُتبۂ جوہر کھُلا

مہر کانپا، چرخ چکّر کھا گیا — بادشہ کا رایتِ لشکر کھُلا

بادشہ کا نام لیتا ہے خطیب — اب، عُلُوِّ پایۂ منبر کھُلا

سکۂ شہ کا، ہُوا ہے، رُوشناس — اب، عیارِ آبروئے زَر کھُلا

شاہ کے آگے دَھرا ہے آئنہ — اب، مآلِ سَعیِ اسکندر کھُلا

ملک کے وارث کو دیکھا، خلق نے — اب، فریبِ طُغرل و سنجر کھُلا

ہو سکے کیا مدح ؛ ہاں، اِک نام ہے — دفترِ مدحِ جہاں داور کھُلا

فکر اچھی، پر ستایش ناتمام — عجزِ اعجازِ ستایش گر کھُلا

جانتا ہوں، ہے خطِ لوحِ ازل — تم پہ، اے خاقانِ نام آور کھُلا

تم کرو صاحب قرانی، جب تلک — ہے طلسمِ روز و شب کا دَر کھُلا

○

گِنی ہیں سال کے رشتے میں بیس بار گرہ
ابھی حساب میں باقی ہیں، سو ہزار گرہ

دکھا کے رشتہ، کسی جوتشی سے پُوچھا تھا
کہ "دیکھ کتنی، اُٹھا لائے گا یہ تار گرہ"

کہا کہ 'چرخ پہ ہم نے گِنی ہیں نو گرہیں
جو یاں گِنیں گے، تو پاویں گے نو ہزار گرہ

خود آسماں ہے مہاراؤ راجہ پر صدقے
کرے گا سینکڑوں، اس تار پر نثار گرہ
اُنھیں کی سالگرہ کے لیئے ہے سال بسال
کہ لائے غیب سے غنچوں کی، نو بہار گرہ
اُنھیں کی سالگرہ کے لیئے بناتا ہے
ہوا میں بُوند کو، ابرِ تگرگ ؎ بار گرہ
اُنھیں کی سالگرہ کی یہ شادمانی ہے
کہ ہو گئے ہیں، گہر ہائے شاہوار گرہ
اُنھیں کی سالگرہ کے لیئے ہے یہ توقیر
کہ بن گئے ہیں، ثمر ہائے شاخسار گرہ

○

مرحبا! سالِ فرخی آئیں — عیدِ شوال و ماہِ فروردیں
گرچہ ہے بعد عید کے نوروز — لیک، بیش از سہ ہفتہ بعد نہیں
سو، اس اکیس دن میں، ہولی کی — جا بجا، مجلسیں ہوئیں رنگیں
شہر میں، کو بکو، عبیر و گلال — باغ میں، سو بسو گل و نسریں
شہر، گویا، نمونۂ گلزار — باغ، گویا، نگار خانۂ چیں
تین تیوہار اور ایسے خوب — جمع ہر گز ہوئے نہ ہونگے کہیں

پھر ہوئی ہے اسی مہینے میں منعقد، محفلِ نشاط قریں

محفلِ غسلِ صحتِ نوابؔ رونق افزائے مسندِ تمکیں

○

کرتا ہے، چرخ، روز بصد گونہ احترام
فرماں روائے کشورِ پنجاب کو، سلام
حق گوی و حق پرست و حق اندیش و حق شناس
نوابِ مستطاب، امیرِ شہ احتشام
اخبارِ لودھیانہ میں میری نظر پڑی
تحریر ایک، جس سے ہوا، بندہ، تلخ کام
ٹکڑے ہوا ہے، دیکھ کے تحریر کو، جگر
کاتب کی آستیں ہے، مگر، تیغ کا نیام
وہ فرد، جس میں نام ہے میرا غلط لکھا
جب یاد آ گئی ہے، کلیجا لیا ہے تھام
سب صورتیں بدل گئیں، ناگاہ، یک قلم
نمبر رہا، نہ نذر، نہ خلعت کا انتظام
ستّر برس کی عمر میں یہ داغِ جاں گداز
جس نے، جلا کے، راکھ مجھے کر دیا تمام

عزّت پہ، اہلِ نام کی ہستی کی، ہے، بنا
عزّت جہاں گئی، تو نہ ہستی رہی، نہ نام
تھا ایک گونہ ناز جو اپنے کمال پر
اُس ناز کا، فلک نے لیا مجھ سے' انتقام
اَمرِ جدید کا، تو نہیں ہے مجھے، سُوال
بارے قدیم قاعدے کا، چاہیئے، قیام
ہے بندے کو اعادۂ عزّت کی آرزُو
چاہیں اگر حضور، تو مشکل نہیں یہ کام
دستورِ فنِّ شعر یہی ہے، قدیم سے
یعنی، دُعا پہ مدح کا، کرتے ہیں' اختتام
ہے یہ دُعا کہ زیرِ نگیں آپ کے رہے
اِقلیمِ ہند و سندھ سے تا مُلکِ رُوم و شام!

سہرا

خوش ہو، اے بخت، کہ ہے آج ترے سر سہرا
باندھ، شہزادہ جواں بخت کے سر پر، سہرا

کیا ہی اس چاند سے مکھڑے پہ بھلا لگتا ہے!
ہے ترے حسنِ دل افروز کا زیور، سہرا

سر پہ چڑھنا تجھے پھبتا ہے، پر اے طرفِ کلاہ
مجھ کو ڈر ہے کہ نہ چھینے ترا لمبر، سہرا

ناؤ بھر کر ہی، پروئے گئے ہوں گے موتی
تب بنا ہوگا اس انداز کا گز بھر سہرا

رُخ پہ دولھا کے جو، گرمی سے، پسینہ ٹپکا
ہے رگِ ابرِ گہر بار سراسر، سہرا

یہ بھی اِک بے اَدبی تھی کہ قبا سے بڑھ جائے
رہ گیا، آن کے دامن کے برابر، سہرا

جی میں اترائیں نہ موتی کہ ہمیں ہیں اِک چیز،
چاہیئے، پھولوں کا بھی ایک، مقرر، سہرا

جب کہ اپنے میں سماویں نہ خوشی کے مارے
گوندھے پھولوں کا، بھلا پھر کوئی کیونکر سہرا؟

رُخِ روشن کی دمک، گوہرِ غلطاں کی چمک
کیوں نہ کھلا وے فروغِ مہ واختر، سہرا؟

تار ریشم کا نہیں، ہے یہ رگِ ابرِ بہار
لائے گا تابِ گرانباریِ گوہر، سہرا؟

ہم سخن فہم ہیں، غالبؔ کے طرفدار نہیں
دیکھیں، اِس سہرے سے کہدے کوئی بڑھ کر سہرا

رُباعیات

مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل
سُن سُن کے اُسے سُخنورانِ کامل
آساں کہنے کی کرتے ہیں فرمائش
"گویم مشکل، وگر نگویم مشکل"

دُکھ جی کے پسند ہو گیا ہے غالبؔ
دل رُک کر بند ہو گیا ہے غالبؔ
واللہ کہ شب کو نیند آتی ہی نہیں
سونا، سوگند ہو گیا ہے غالبؔ

سامانِ خور و خواب کہاں سے لاؤں؟
آرام کے اسباب کہاں سے لاؤں؟
روزہ مرا ایمان ہے غالبؔ، لیکن
خس خانہ و برفاب کہاں سے لاؤں؟

انتخاب
کلامِ فارسی

ہم ندارد ۸۶، نشانم دادندگاں برخیزد ۸۷، نشناسد، بجُنبد، دلستاں رسد ۸۸، می رَود، ضرور بود، خروشش آمد، باید بود ۸۹، بدر آورد، ولرزد ۹۰ فرو کنند، چہ می رود، برنمی آید، میدنم نمی آید ۹۱، توشود، خداداد آمد ۹۲ پہلوئے تو بود، ماند نکو بُرد، نداند ۹۳، فرو ریزد سفر گزرد، حرام شد، نہ رسد، ندارد ۹۴، وفاندارد، می زند، گفتہ اند، نقاب زد ۹۵، افگند باشد، آواز دہد، بُرد، پنہاں می رود ۹۶، شام ندارد، جاں نبود، نیز کنند، ایمنی دارد ۹۷، رہزنم باشد، بُرد علم کشد، آشکار بُرد ۹۸، آواز ندارد، مبادمی رسد، بسیار ماند ۹۹، کمیں باشد، چہ کاری کرد، ساربان دارد، خوش نکرد، چندش بود ۱۰۰، آفریں گوید، تبرزد، غم گردد ۱۰۱، چہ رو داد، بگرداند، شنیدہ باد، نکرد ند ۱۰۲، بغاوت نہ رود، ہوشیاراں بر، بہار، نیگر ۱۰۳، یاد آر، بسر بر، بمن آر، ہوش آور ۱۰۴، نمناکش نگر ۱۰۵، نظرم ریز، برخیز، ہنوز شناس ۱۰۶، نکردہ کس، خاموش خَسَش، آتش ۱۰۷، نامیدمش، گفتارش، گوہرکش ۱۰۸، برقص، دہد عوض ۱۰۹، شرط، غلط، چہ خط، جبر چہ خط ۱۱۰، شمع، جمع ۱۱۱ دروغ، دریغ، تلف، یکطرف ۱۱۲، رفیق، شوق، ہلاک، چہ باک ۱۱۳، اندک، ہمہ تنگ، چو خلیل، از دِل، در بغل ۱۱۴، کوئے گل، ساحل، افگنم ۱۱۵، سحرگاہیم، کردہ ایم، خودم ۱۱۶، داشتم، سرداشتم، برابر دارم، شستہ ایم ۱۱۷، تکرارش کنم، گرفتہ ایم، نوشتہ ایم، آدم فگنم ۱۱۸، اثرا ہم، افتادہ ام، کردہ ام، می کنم ۱۱۹، بنمائم، باشم، می خواہم، آتش دارم ۱۲۰، بگردانیم ۱۲۱، خواستیم، پوشم، داشتہ ایم، کنم ۱۲۲، رمیدن ہم، ندارم، ندانم، بازا فگنم ۱۲۳، ترکن، خم شاں کشتن ۱۲۴، خواہم شدن، کشیدن، سیمائے من، زلیستن ۱۲۵، کرم داشتن، ناز کردن ۱۲۶، تواں کردن، شناختن، خواہد شدن ۱۲۷، جہانے بشنو ۱۲۸، خیزد از و، کو مسلماں شو ۱۲۹، کشودہ، کردہ، زدہ، نہادہ ۱۳۰، پنداری، چہ غمستے، باری یکے ۱۳۱، نشانستے، کوتہ قبائے ۱۳۲، داشتی داری، دشواریٔ ۱۳۳، کردے رامانی، نہ دہی ۱۳۴، قبائی، نتواں ہائے سیلاب کجائی ۱۳۵، آرد ہمی، آزری، ستمے ۱۳۶، ہم آبلتے، کردار توانا، جام ما ۱۳۷، ہتنہ ناپایا ہو، تا کے، گوئیند ۱۳۸، دمُ، کوتاہ، نبود ۱۴۰، آہنگ زند، ببرد، پیوند نبود، داری، خویش چہ نشاط ۱۴۱،

رباعیات ص ۱۴۰–۱۴۶

بخشند، زہر، باہم دہ فرات، ہمہ عمر، دارد ۱۴۲، جداست، داشتہ است، برُود، آید پیش، کوثر نیست، دامم کشت ۱۴۳، مرجع عام نجاست، منوالست، دارم، بیا، خدو خال، ۱۴۴، تتواں بودن ہمہ عمر پہ دائے ماحوالست گزشت. بودے ۱۴۵، آسمانی مائیم، زرندہی ۱۴۶،

قطعات

مسنج شوکتِ عرفی که بود شیرازی — مشو اسیرِ زلالی که بود خوانساری
بسومناتِ خیالم در آی تا بینی — روانِ فروز برودوشهای زنّاری

(اقتباس از قصیده دوم در نعت)

قطعۂ

نه چنانم که بر عقیدۂ خویش — از فسونِ کسے ہراس کنم
نه توانم که از نصیحت و وعظ — عالمی را خدا شناس کنم
نه که اخبار پاستانی را — دیو افسانها قیاس کنم
نه که ز آثار ہرچه مشهورست — اثری تازه اقتباس کنم
نه که از بهر حلّه هائے بهشت — ترکِ آرایشِ لباس کنم
نه که در عالمِ فراخ روی — عار از ژندۂ پلاس کنم
چون نه من ساقیم نه محتسبم — نه بریزم نه مے بکاس کنم
نه بواجب زسعے در مانم — نه بهرِ مدعا مکاس کنم
بر مدارا اگر مدار نهم — کاخِ الفت قوی اساس کنم
لیک ناید ز من که در گفتار — مدحتِ لاله سوّرداس کنم
فصلی از مدح خود توانم خواند — گر نه لب را ز لاف پاس کنم
خوشنوایم مرا رسد که زرشک — زهر در جامِ بونواس کنم

میتوان پنجہ از نظامے بُرد — پارۂ جمع گر حواس کنم
توسنِ طبع مَن بدان اَرزد — کہ زبالِ پری قطاس کنم
مزرعِ خویش را بگاہ دِرَو — ناخنِ حور صرفِ داس کنم
ہمچو سرو از غم خزان برہد — گلبنے را کہ من مساس کنم
کوثر از موج وا کند آغوش — اگر اندازِ ارتماس کنم
چہ ازین فرقۂ ادا نشناس — خویشتن را ہلاک یاس کنم
بدو بیتی ز گفتہ ہای حزین — صفحہ را طُرّۂ ایاس کنم
"لائق مَدح در زمانہ چو نیست — خویشتن را ہمی سپاس کنم
کس زبانِ مرا نمے فہمد — بعزیزان چہ التماس کنم"

قطعہ

غالبؔ از خاک پاک تورانیم — لاجرم در نسب فرہ مندیم
ترک زادیم و در نژاد ہمے — بسترگانِ قوم پیوندیم
ایبکیم از جماعۂ اتراک — در تمامے ز ماہ دہ چندیم
فن آبائی ما کشاورزیست — مرزبان زادۂ سمرقندیم
ورز معنے سخن گزار دۂ — خود چہ گوئیم تا چہ و چندیم
فیض حق را کمینہ شاگردیم — عقلِ کُل را بہینہ فرزندیم
ہم بتابِش بَبرق ہم نفسیم — ہم بہ بُخشش بابَر مانندیم

تبلاشیکہ ہست فیروزیم   بمعاشیکہ نیست خرسندیم
ہمہ برخویشتن ہمیگرییم   ہمہ بر روزگار می خندیم

قطعہ

ساقی چو من پشنگے و افراسیابیم   دانی کہ اصل گوہرم از دودۂ جم ست
میراث جم کہ مے بود اینک بمن سپار   زین پس رسد بہشت کہ میراث آدم ست

قطعہ

دل اگر خامست باید کز فشردن نم دہد   وین بریزش نسبت دو رو درازی بودہ است
اینکہ افشارند و نم گیرند مشقی بیش نیست   ونیکہ خود خون گردد و ریزد گدازی بودہ ست

قطعہ ۵

ہزار معنیِ سرجوش خاص نطقِ من ست   کہ اہلِ ذوق دل و گوئی از عسل بُردست
ز رفتگان بیکے گر توارد م رو داد   بدان کہ خوبیِ آرائش غزل بُردست
مراست ننگ ولی فخر اوست کان بسخن   بسعیِ فکرِ رسا جا بدان محل بُردست
مبر گمانِ توارُد یقین شناس کہ دُزد   متاعِ من ز نہاں خانۂ ازل بُردست

قطعہ ۶

غالب درین زمانہ بہر کس کہ وارسی   مضمون غیر و لفظ خودش بر زبان اُوست
زین مایہ از کجا کہ بنالد بخویشتن   ہر گنج شایگان کہ بود رائیگان اُوست
کس راز دست بر دخیالش نجات نیست   گر پیش از گذشتہ و گر در زمان اُوست

جز من کسی بدزد سخن وا نمیرسد | گوخوش بخوان که انجمنی مدح خوان اوست
آری نه "چک" بود نه تمسک زہر کہ ہست | نے دستخط نہ مہر نہ نام و نشان اوست
مضمونِ شعر "نوٹ" بود فی زماننا | یعنی بدستِ ہر کہ بیفتاد آن اوست

قطعہ ۷

اے کہ در بزم شہنشاہِ سخن رس گفتۂ | کی بپر گوئی فلان در شعر ہمسنگ منست
راست گفتی لیک میدانی کہ نبود جائے طعن | کمتر از بانگ دہل گر نغمۂ چنگ منست
نیست نقصان یکدو جزوست ار سوادِ ریختہ | کان دژم برگی ز نخلستان فرہنگ منست
فارسی بین تا بہ بینی نقشہائے رنگ رنگ | بگذر از مجموعۂ اردو کہ بیرنگ منست
کی درخشد جوہر آئینہ تا باقیست زنگ | صیقلے آئینہ ام این جوہر آن زنگ منست
دشمنی را ہمفنی شرطست و آن دانی کہ نیست | از تو بنود نغمہ ور سازی کہ در چنگ منست
راست میگویم من و از راست سر نتوان کشید | ہرچہ در گفتار فخر تست آن ننگ منست

قطعہ ۸

فرصت اگرت دست دہد مغتنم انگار | ساقی و مغنی و شرابی و سرودی
زنہار ازان قوم نباشے کہ فریبند | حق را بسجودی و نبیؐ را بدرودی

قطعہ ۱۰

ساقیِ بزمِ آگہی روزے | رادتے ریخت در پیالۂ من
چون دماغم رسید زان صہبا | شدم از ترکتازِ وہم ایمن

گفتم ای "محرم سرائے سرور" | از ادب دور نیست پرسیدن
اول از دعوئے وجود بگو | گفت کفرست در طریقت من
گفتم آخر نمود اشیا چیست | گفت ہی ہی نمیتواں گفتن
گفتمش بامخالفان چہ کنم | گفت طرح بنائے صلح فگن
گفتم ایں حب جاہ و منصب چیست | گفت دام فریبِ اہرمن
گفتمش چیست منشاءِ سفرم | گفت جور و جفائے اہل وطن
گفتم اکنون بگو کہ دہلی چیست | گفت جانست و ایں جہانش تن
گفتمش چیست ایں بنارس گفت | شاہدی مست محو گل چیدن
گفتمش چوں بود عظیم آباد | گفت رنگیں تر از فضائی چمن
گفتمش سلسبیل خوش باشد | گفت خوشتر نباشد از سوہن
حال کلکتہ باز جستم گفت | باید اقلیم ہشتمش گفتن
گفتم آدم بہم رسد دروے | گفت از ہر دیار و از ہر فن
گفتم اینجا چہ شغل سود دہد | گفت از ہر کہ ہست ترسیدن
گفتم اینجا چہ کار باید کرد | گفت قطع نظر ز شعر و سخن
گفتم ایں ماہ پیکران چہ کس اند | گفت خوبانِ کشورِ لندن
گفتم ایشان مگر دلے دارند | گفت دارند لیکن از آہن
گفتم از بہرِ داد آمدہ ام | گفت بگریز و سر بسنگ مزن

گفتم اکنون مرا چہ زیبد گفت — آستیں بر دو عالم افشاندن
گفتمش باز گو طریق نجات — گفت غالبؔ بجر بلا رفتن

قطعہ ۱۲

ای کہ خواہی کہ بعد ازیں باشم — مخلص صادق الولائی تو من
گر ترا شیوہ شاہدے بودے — کردمی جان و دل فدائی تو من
ور ترا پیشہ شاعرے بودے — سودمی چشم و سر بپائی تو من
در ترا پایہ خسروے بودے — سُفتمے گوہر ثنائی تو من
چون ازینہا نہ مرا چہ ضرور — کہ شوم ہرزہ مبتلائی تو من
بسکہ برمال و جاہ مغرورے — نیستم خوش ازیں ادائی تو من
بتو ہرگز نداد مے زر و سیم — خواجہ گر بودمے خدائی تو من

قطعہ ۱۸

چون الف بیگ در کہن سالے — پسری یافت سرلبسر غمزہ
نام او ہمزہ بیگ کرد بلے — الف منحنے بود ہمزہ

قطعہ ۲۷

آن پسندیدہ خوئے عارف نام — کہ رُخش شمع دودمانِ منست
آنکہ در بزم قرب و خلوتِ اُنس — غمگسار مزاج دان منست
زور بازوے کامرانے من — راحتِ روح ناتوان منست

ای کہ میراث خوارِ من باشے | اندر اُردو کہ آں زبان منست
ازمعانے زمبدءُ فیاض | باد آن تو ہر چہ آن منست

قطعہ

دیدی آن بدگہر و مہر و ولایش بہ یزید | کہ بخشم آید اگر زشت و پلیدش گویند
زان کہ او خود بسرِ ابنِ علی تیغ نراند | خواجہ از ننگ نخواہد کہ یزیدش گویند
گفتم البتہ کہ شبّیر بدان می ارزد | کہ شہیدش بنویسند و سعیدش گویند
گفت زان رو کہ عزیزان ہمہ مُسلِم بودند | نتوان کرد گوارا کہ شہیدش گویند

قطعہ

ہفت گنجینۂ پرویز نہ سنجم بد و جو | تشنۂ بادۂ نابم نہ گدا پیشۂ مال
چُون عطای تو بود پاک ذتحریم چہ باک | مَی حرامست ولی میخورم از وجہِ حلال
انچہ میخواہم ازین توطیہ دانے چہ بُوَد | کُنجی از باغ و خمی از مَی و جامی زسفال
بستہ بر غیر درِ کلبہ و بر نظم طراز | رُفتہ از زاویہ خاشاک و ز دل گردِ ملال
گہ دران گوشہ زخود رفتہ و گاہی ہشیار | گہ در اندیشۂ غزل سنج و گہی مدح سگال
گہ ز اسرار ازل یافتہ در سینہ نشان | گہ ز آثار خرد ریختہ بر صفحہ لآل
چون شود شام نہم شمع فروزندہ بہ پیش | از درخشندگیِ جوہرِ عقلِ فعّال

دارم اُمیّد کہ غالبؔ اگرش عُمر بود
ہم بدین سان گزراند شب و روز مہ و سال

قطعہ ۲۴

به آدم زن بشیطان طوق لعنت		سپردند از رهِ تکریم و تذلیل
ولیکن در اسیری طوقِ آدم		گران تر آمد از طوقِ عزازیل

از مجموعهٔ سبد چین

نوروز و مهرگاں نبوَد در طریق ما		اما شگفته روئی گلهائے تر خوش است
نوروز عید نیست بهارست و در بهار		آئین شادمانی و ذوق نظر خوش است
از بادِ زمهریر به گیتی نشاں نماند		جوشِ گل و نشاطِ نسیم سحر خوش است
دریا خوش و شراب خوش و کوهسار خوش		منزل خوش است و توشه خوش است و سفر خوش است
اینها خوش است و بهر تو آورده روزگار		هم بهر تست هرچه ازیں بیشتر خوش است

قطعہ ۱۰

جان عزیز است و اهل عزت را		عزت از جاں عزیز تر باشد
خود بفرما چساں تواند زیست		هر کرا هر دو در خطر باشد

قطعہ ۱۷

گیر که در روز حشر چوں تو بگفتی		بر سرِ دوزخ نهند تیره نهنبن
واں که نباشد دراں مضیق مصیبت		در طلب نان و جامه کشمکش از زن

داں کہ نباشد دراں مقامِ صعوبت	شورِ تقاضائے ناروائے مہاجن

قطعہ ۲۷

گفتم بخرد بخلوتِ اُنس	کائے شمع و چراغ ہفت ایواں
آیا زچہ رُو بود کہ نواب	ننوشت جواب نامہ ام ہاں
عقلم بجواب گفت غالبؔ	زنہار مخور فریب شیطاں
نواب بفکرِ ارمغانست	تا نامہ فرستدت بساماں
زوداست کہ جمع نیز گردد	دیراست کہ دادہ است فرماں
تا راہ روانِ بحر و بر گرد	آرند بکوششِ فراواں
دیبا ز دمشق و مخمل از روم	الماس ز معدن و زر از کاں
فیل از دکن و نمد از کوہ	توسن ز عراق و دُر ز عماں
فیروزۂ نغز از نشاپور	یاقوتِ گزیدہ از بدخشاں
جمازہ تیز روز بغداد	شمشیر برندہ از صفاہاں
پشمینۂ قیمتی ز کشمیر	زربفت گراں بہا ز ایراں
بالجملہ درنگ چوں ازیں روست	بر رنج و ملال نیست برہاں
گفتم کہ چوں بامن ایں کرم کرد	آں قبلۂ و قبلہ گاہِ اعیاں
من نیز طلب کنم برایش	ایں خواہش اگرچہ نیست آساں
آئینہ و تاج از سکندر	انگشتر و تخت از سلیماں

از عالمِ غیب جام جمشید | از چشمۂ خضر آبِ حیواں
عمرِ ابد و نشاطِ جاوید | نیروئے دل و ثباتِ ایماں
توفیق جواب نامۂ خویش | توقیع عطا و بذل احساں

قطعۂ ۲۶

مولوی احمد علی احمد تخلص نسخۂ | در خصوصِ گفتگوئے پارس انشا کردہ است
در جدل دشنام کارِ سوقیاں باشد ولے | ننگ دارد علم از کاریکہ آغا کردہ است
انتقام جامعِ "برہان قاطع" می کشد | آنچہ ما کردیم با وے خواجہ با ما کردہ است
من سپاہی زادہ ام گفتارِ من باید درشت | ولے بروے گر بہ تقلیدِ من اینہا کردہ است
زشت گفتم لیک دادِ بذلہ سنجی دادہ ام | شوخیٔ طبعے کہ دارم ایں تقاضا کردہ است

قطعہ ۱۹ در مدح گربۂ خود (از کلیات)

دارم بجہاں گربۂ پاکیزہ نہادے | کز بال پریزاد بود موج رم او
چوں صورت آئینہ ز افراطِ لطافت | آید بنظر بچۂ او از شکم او
جوشِ گل و بالیدگیِ موجۂ رنگست | دُم لا بہ کناں آمدنِ دمبدم او
در عربدہ چوں بند زدم باز کشاید | لرزد شکنِ طرّۂ خوباں ز خمِ او
تا مہرہ کشِ صفحۂ افلاک بود مہر | بادا کفِ دستِ من و پشت و شکم او

ترکیب بند

تصنیف ۱۸۴۷ء کہ در کلیات نظم فارسی شریک نبودہ

خواہم از بند بزنداں سخن آغاز کنم غم دل پردہ دری کرد فغاں ساز کنم
در خرابی بجہاں میکدہ بنیاد نہم در اسیری بہ سخن دعویٔ اعجاز کنم
بے مشقت نبود قید بشعر آویزم روز کے چند رسن تابیٔ آواز کنم
ہلہ دزدانِ گرفتار وفا نیست بشہر خویشتن را بشما ہمدم و ہمراز کنم

گرچہ توقیع گرفتاریٔ جاویدم نیست
لیکن از دہر دگر خوشدلی امیدم نیست

شمع ہر چند بہر زاویہ آساں سوزد خوشتر آنست کہ بر نطع در ایواں سوزد
عودِ من ہرزہ مسوزید و گر سوختنی ست بگزارید کہ در مجمرِ سلطاں سوزد
آہ ازیں خانہ کہ روشن نشود در شب تار جز بداں خواب کہ در چشم نگہباں سوزد
آہ ازیں خانہ کہ در رفے نتواں یافت ہوا جز سمومے کہ خس و خارِ بیاباں سوزد

لے کہ در زاویہ شبہا بچراغم شمری
دلم از سینہ بروں آر کہ داغم شمری

پاسبانان بہم آئید کہ من می آیم در زنداں بکشائید کہ من می آیم
جادہ نشناسم و ز انبوہِ شما می ترسم راہم از دور نمائید کہ من می آیم

هاں عزیزاں کہ دریں کلبہ اقامت دارید　　بخت خودرا بستائید کہ من می آیم
چوں سخن سنجی و فرزانگی آئیں من است　　بہرہ از من بر بائید کہ من می آیم

بسکہ خویشاں شدہ بیگانہ زبدنامی من
غیر نشگفت خورد گر غم ناکامی من

آنچہ فرداست ہم امروز در آمد گوئی　　آفتاب از جہت قبلہ بر آمد گوئی
ہنرم راتواں کرد بہ خستن ضائع　　خستگی غازۂ روئے ہنر آمد گوئی
خود چرا خوں خورم از غم کہ بہ غمخواری من　　رحمت حق بہ لباس بشر آمد گوئی
خواجۂ ہست دریں شہر کہ از پرسش وے　　پایۂ خویشتنم در نظر آمد گوئی

مصطفٰے خاں کہ دریں واقعہ غمخوار من است
گر بمیرم چہ غم از مرگ عزا دار من است

خواجہ دانم کہ لبسی روز نمانم در بند　　لیک دانی کہ شب از روز ندانم در بند
شادم از بند کہ از بند معاش آزادم　　از کف شحنہ رسد جامہ و نانم در بند
یارب ایں گوہر معنی کہ فشانم زکجاست　　بند بر دل بود و نیست زبانم در بند
خوے خوش بہر مصیبت زدہ رنجے دگراست　　رنجہ از دیدن رنج دگرانم در بند

نیستم طفل کہ در بند رہائی باشم
ہم زذوق ست کہ در سلسلہ خائی باشم

من نہ آنم کہ ازیں سلسلہ ننگم نبود　　چکنم چوں بہ قضا زہرۂ جنگم نبود

زیں دو سرہنگ کہ پویند بہم می ترسم | بیمے از شیر و ہراسے ز پلنگم نبود

ہمدماں دارم امید رہائی در بند | دامن از بعد رہائی تہِ سنگم نبود

جور اعدا رود از دل بہ رہائی لیکن | طعن احباب کم از زخم خدنگم نبود

بہ صریرِ قلم خویش بود مستیٔ من

اندریں بند گراں بیں و سبکدستیٔ من

ہمدماں در دلم از دیدہ نہانید ہمہ | غالبؔ غمزدہ را روح و روانید ہمہ

درمیاں ضابطۂ مہر و وفاے بود ست | من بر آئینم کہ ہر آئینہ بر آنید ہمہ

روزے از مہر نگفتید فلانے چوں است | بارے از لطف بگوئید چسانید ہمہ

چارۂ گر نتواں کرد دعائے کافی ست | دل اگر نیست خداوند زبانید ہمہ

آں نہ باشم کہ بہر بزم ز من یاد آرید

دارم امید کہ در بزم سخن یاد آرید

متفرق از ترکیب بند در منقبت

آں سحر خیزم کہ مہ را در شبستاں دیدہ ام | شب نشیناں را دریں گردندہ ایواں دیدہ ام

محرمِ رازِ نہانِ روزگارم کردہ اند | تا بحرفم گوش ننہد خلق خوارم کردہ اند

پایۂ من جز بچشم من نیاید در نظر | از بلندی اخترم روشن نیاید در نظر

یخ فروشم در تموز و کلبہ دور از چارسوست | می رود سرمایہ از کف تا خریداری رسد

عاشقم لیکن ندانی کز خرد بیگانہ ام | ہوشیارم با خداؤ با علی دیوانہ ام

مثنوی چراغِ دَیر (۳)

نفس با صورِ دمسازست امروز
خموشی محشرِ رازست امروز

رگِ سنگم شرارے می نویسم
کفِ خاکم غبارے می نویسم

پریشان ترز زلفم داستانیست
بدعوی ہر سرِ مُویم زبانیست

شکایت گونۂ دارم زاحباب
کتانِ خویش میشویم بمہتاب

نفس ابریشم سازِ فغان ست
بسان نے تَبَسّم دَرا ستخوان ست

ز دہلی تا برون آوردہ بختم
بطوفانِ تغافل دادہ رختم

کس از اہلِ وطن غمخوارِ من نیست
مرا در دہر پنداری وطن نیست

مگو داغِ فراقِ بوستان سوخت
غمِ بیمہریِ این دوستان نیست

جہان آباد گر بنود اَلم نیست
جہان آباد باد اجائی کم نیست

نباشد قحطِ بہر آشیانے
سرِ شاخِ گلے در گلستانے

بخاطر دارم اینک گلزمینے
بہار آئین سوادِ دل نشینے

سخن را نازش مینو قماشی
ز گلبانگِ ستایشہاے کاشی

تعالی اللہ بنارس چشمِ بد دور
بہشتِ خرّم و فردوسِ معمور

بنارس را کسی گفتا کہ چینست
ہنوز از گنگ چینش بر جبین ست

بخوش مُہرپ کاری طرزِ وجودش ... ز دہلی میرسد ہردَم درودش

بنارس را مگر دیدست در خواب ... کہ میگردد ز نہرش در دہن آب

تناسخ مشربان چون لب کشایند ... بہ کیشِ خویش کاشی را ستایند

کہ ہر کس کاندران گلشن بمیرد ... دگر پیوند جسمانی نگیرد

چمن سرمایۂ اُمّید گردد ... بمُردن زندۂ جاوید گردد

زہی آسودگی بخشِ رَوانہا ... کہ داغِ جسم می شوید ز جانہا

شگفتی نیست از آب و ہَوایش ... کہ تنہا جان شود اندر فضایش

بیا اے غافل از کیفیتِ ناز ... نگاہی بر پری زادانش انداز

ہمہ جانہای بے تن کُن تماشا ... ندارد آب و خاک این جلوہ حاشا

درین دیرینہ دیرستان نیرنگ ... بہارش ایمن ست از گردشِ رنگ

چہ فروردین چہ دیماہ و چہ مرداد ... بہر موسم فضایش جنت آباد

بہاران در شتا و صیف ز آفاق ... یکانشی میکند قشلاق و ئیلاق

بود در عرض بال افشانیِ ناز ... خزانش صندل پیشانیِ ناز

بہ تسلیم ہوای آن چمن زار ... ز موجِ گُل بہاران بستہ زنار

فلک را قشقہ اش گر بر جبین نیست ... پس این رنگینیِ موجِ شفق چیست

سوادش پای تخت بُت پرستان ... سراپایش زیارتگاہ مستان

عبادتخانۂ ناقوسیانست ... ہمانا کعبۂ ہندوستانست

بتانش را ہیولے شعلۂ طور — سراپا نورِ ایزد چشمِ بد دور

میانہا نازک و دلہا توانا — ز نادانی بکارِ خویش دانا

ز رنگین جلوہا غارتگرِ ہوش — بہارِ بستر و نوروزِ آغوش

ز تابِ جلوۂ خویش آتش افروز — بتانِ بت پرست و برہمن سوز

رسانده از ادائی شست و شوئے — بہر موجے نوید آبروئے

بمستی موج را فرموده آرام — ز لغزے آب را بخشیده اندام

ز بس عرضِ تمنا مے کند گنگ — ز موج آغوشہا وا میکند گنگ

مگر گوئی بنارس شاہدی ہست — ز گنگش صبح و شام آئینہ در دست

بگنگش عکس تا پرتو فگن شد — بنارس خود نظیرِ خویشتن شد

شبے پرسیدم از روشن بیانے — ز گردشہائے گردون رازدانے

ز ایمانہا بجز نامی نمانده — بغیر از دانۂ و دامے نمانده

پدرہا تشنۂ خونِ پسرہا — پسرہا دشمنِ جانِ پدرہا

برادر با برادر در ستیزه ست — وفاق از شش جہت رو در گریز ست

بدین بے پردگیہائے علامت — چرا پیدا نمی گردد قیامت

سوئے کاشے باندازِ اشارت — تبسم کرد و گفتا این عمارت

کہ حقا نیست صانع را گوارا — کہ از ہم ریزد این رنگین بنا را

بلند افتاده تمکینِ بنارس — بود بر اوجِ او اندیشہ نارس

الا اے غالب کار اوفتادہ   زچشمِ یار و اغیار اوفتادہ

زخویش و آشنا بیگانہ گشتہ   جنون گل کردہ و دیوانہ گشتہ

چہ محشر سر زد از آب و گل تو   دریغا از تو و آہ از دلِ تو

چہ جوئی جلوہ زین رنگین چمنہا   بہشت خویش شو از خون شدنہا

چو بوئے گُل ز پیراہن برون آئے   بآزادی ز بند تن برون آئے

فرو ماندن بکاشی نارسائیست   خدارا این چہ کافر ماجرائیست

بکاشی لختی از کاشانہ یاد آر   درین جنت ازان ویرانہ یاد آر

دریغا در وطن وا ماندۂ چند   بخون دیدہ زورق راندۂ چند

ہوس را پائی در دامن شکستہ   بامید تو چشم از خویش بستہ

ہمہ در خاک و خون افگندۂ تو   بحکمِ بیکسیہا بندۂ تو

سر و سرمایہ غارت کردۂ تو   ز تو نالان ولے در پردۂ تو

از آنانت تغافل خوشنمائیست   بداغ شان ہوائے گل روانیست

ترا اے بیخبر کاریست درپیش   بیابانی و کہساریست درپیش

دل از تاب بلا بگداز و خون کُن   ز دانش کار نکشاید جنون کُن

نفس تا خود فرو ننشیند از پای   دمی از جادہ پیمائی میاسای

شرار آسا فنا آمادہ برخیز   بیفشان دامن و آزادہ برخیز

مثنوی رنگ و بو (۴)

غالبِ افسردہ دل وجان بیا — بے سر و پا در صفِ رندان بیا

آن اثر پردۂ سازت چہ شد — زمزمۂ خارا گدازت چہ شد

در ہوسِ جاہ فرو رفتۂ — حیف کہ در چاہ فرو رفتۂ

تا پیٔ نیرنگ و فن افتادۂ — از نظرِ خویشتن افتادۂ

آہ ز دنیا طلبیہائے تو — واین ہمہ ابرام و تقاضائے تو

گرمیِ خونت کہ ازین پیش بود — صرف بر انداختن خویش بود

آتش ہنگامہ بجان داشتے — داغ مغان شیوہ بتان داشتے

چشمِ پریشان نظرے داشتی — جلوہ بہر رہگذرے داشتی

زان ہمہ اجزائے زمانیکہ رفت — وان ہمہ خونابہ فشانی کہ رفت

ہرچہ کنون میرسدم در نظر — شاہد و شعر ست و شراب و شکر

آن ہمہ دیوانگی و جاہلی — وین ہمہ ناکامی و بیحاصلی

آن ہمہ بدمستی و تن پروری — وین ہمہ شیّادی و افسونگری

آن ہمہ بیراہہ رویہائے تو — وین ہمہ بیصرفہ دویہائے تو

نیمہ شب از عمر تو در خواب رفت — نیمہ بہ پیمودن مہتاب رفت

بین کہ درین کارگہ پیچ پیچ — ماحصلِ سعیِ تو ہیچست ہیچ

نقد تمنا بکف افتاده گیر — خسروی دست بہم دادہ گیر

خلق اگر روس دگر روم گیر — ہرچہ بجز حق ہمہ معدوم گیر

ساقی ہمّت کہ صلا میدہد — بادہ ز خمخانۂ لا میدہد

ہمت اگر بال کشائے کند — صعوہ تواند کہ ہمائے کند

نیّرِ توفیق اگر بر دمد — لالہ عجب نیست کز اخگر دمد

مثنوی موسوم بباد مخالف (۵)

اے تماشائیانِ بزمِ سخن — وے مسیحا دمان نادرہ فن

اے گرانمایگان عالمِ حرف — خوش نشینان این بساطِ شگرف

اے سخن پرورانِ کلکتہ — وے زبان آورانِ کلکتہ

اے رئیسان این سواد عظیم — وے فراہم شدہ ز ہفت اقلیم

ہیچو من آرمیدۂ این شہر — بہر کارے رسیدۂ این شہر

اسد اللہ بخت برگشتہ — در خم و پیچ عجز سرگشتہ

گرچہ ناخواندہ میہمان شماست — بے سخن ریزہ چینِ خوان شماست

بہ تظلّم رسیدہ است اینجا — بامید آرمیدہ است اینجا

آرمیدن دہید روزی چار — خستہ را بسایۂ دیوار

چون شنیدم کہ نکتہ پردازان — قدر دانان و انجمن سازان

از من آزرده اندازان پاسخ / بہ نیایش بخاک سودم رخ

نفسِ من بجمع درنگرفت / کس نیازم بہیچ برنگرفت

خاک پائے سخنورانستم / دوستاں را زکہترانستم

با بزرگان نیاز ہا دارم / ہم بدین شیوه ناز ہا دارم

بنده ام بنده مہرناں را / رمز فہمان ونکتہ دانان را

نہ زآویزشش بیان ترسم / من وایمان من کزان ترسم

کہ پس از من بسالہاے دراز / بر زبان ماند این حکایت باز

کہ سفیہے رسیده بود اینجا / چند روز آرمیده بود اینجا

با بزرگان ستیزه پیش گرفت / زحمتی داد وراه خویش گرفت

شوخ چشمے وزشت خوئی بود / بیحیائے وہرزه گوئی بود

آه ازان دم کہ بعد رفتنِ من / خون دہلی بود بگردنِ من

تا بُوَم رنج دوستان باشم / بر دلِ انجمن گران باشم

شاد گردند کز میان بروم / آوخ از من کہ من چنان بروم

تاب ہنگامہ ام خدارانیست / مہربانان دلست خارانیست

زلّہ بردار کس چرا باشم / من ہُمایم مگس چرا باشم

فیضے از صحبتِ قتیلم نیست / رشک بر شہرتِ قتیلم نیست

مگر آنان کہ پارسے دانند / ہم برین عہد ورائے وپیمانند

که ز اهل زبان نبود قتیل — هرگز از اصفهان نبود قتیل

لاجرم اعتماد را نسزد — گفته اش استناد را نسزد

کین زبان خاص اهلِ ایرانست — مشکل ما و سهل ایشانست

اے تماشائیانِ نغز نگاه — هان بگوئید حسبتہ للہ

که چسان از حزین به پیچم سر — آن بجا دودمے بدهر سمر

دل دهد کز اسیر برگردم — زان نوآئین صفیر برگردم

دامن از کف کنم چگونه رها — طالب و عرفی و نظیری را

خاصه رُوح و روانِ معنی را — آن ظهوری جهان معنی را

طرز اندیشه آفریدهٔ اُوست — در تن لفظ جان دمیدهٔ اُوست

فتنهٔ گفتگوے اینانم — مست لای سبوے اینانم

آنکه طے کرده این مواقف را — چه شناسد قتیل و واقف را

لیک با آن همه که این دارم، — گنجِ معنی در آستین دارم

دِل و جانم فدائے احباب ست — شوق وقف رضائے احباب ست

از من نارسائی هیچمدان — معذرت نامه ایست زی یاران

بُو که آید ز عُذر خواهیِ ما — رحم بر ما و بیگناهے ما

آشتی نامهٔ ودادِ پیام
ختم شد وَالسّلام وَالاکرام

بیانِ نمودارئ شانِ نبوت و ولایت

مثنوی ششم

بعد حمد ایزد و نعتِ رسولؐ — می نگارم نکتہ چند از اصول

تا سوادش بخشد اندر رسم و راہ — دیدہ ور را سرمہ اعمیٰ را نگاہ

نیستی عارف کہ گویم خود مباش — بد مبین و بد مگوئی و بد مباش

بد شمردی رہروانِ پیش را — رہرو چالاک گفتے خویش را

گر سفر اینست منزل گہ کجاست — لاالٰہ گفتی الا اللہ کجاست

ہست رسم خاص در ہر مرز و بوم — خود چہ میخواہی ز نفی این رسوم

نفیِ رسم کفر ما ہم مے کنیم — داد با دانش فراہم مے کنیم

نفیِ کفر آئینِ اربابِ صفاست — نفی فیض اے تیرہ دل رسم کجاست

نفی رسم و رہ ہوا را مے کشد — نفی فیض ست اینکہ ما را مے کشد

اے گرفتار خم و پیچ خیال — نفی بے اثبات نبود جز ضلال

ویں کہ میگوئی توانا کردگار — چون محمدؐ دیگرے آرد بکار

نغز گفتی نغز تر باید شنفت — آنکہ پنداری کہ ہست اندر نہفت

گرچہ فخر دودۂ آدم بُوَد — ہم بقدر خاتمیّت کم بُوَد

صورتِ آرائش عالم نگر — یک مہ و یک مہر و یک خاتم نگر

یک جہان تا ہست یک خاتم بس است | قدرت حق را نہ یک عالم بس است
خواہد از ہر ذرہ آرد عالمے | ہم بُوَد ہر عالمے را خاتمے
ہر کجا ہنگامۂ عالم بود | رحمۃٌ للعالمینے ہم بُوَد
کثرتِ ابداعِ عالم خوبتر؟ | یا بیک عالم دو خاتم خوبتر؟
در یکے عالم دوتا خاتم مجوی | صد ہزاران عالم و خاتم بگوی
غالب این اندیشہ نپذیرم ہمی | خردہ ہم برخویش می گیرم ہمی
ہر کرا با سایہ نپسند و خدا | ہمچو اوئی نقش کے بندد خدا
منفرد اندر کمالِ ذاتیست | لاجرم مثلش محالِ ذاتیست

تقریظ "آئین اکبری" (۱۰)

مژدہ یاران را کہ این دیرین کتاب | یافت از اقبالِ سیّد فتح باب
دیدہ بینا آمد و باز و قوے | کہنگی پوشید تشریفِ نوے
وینکہ در تصحیح "آئین" رائی اوست | ننگ و عار ہمت والائی اوست
بر چنین کاری کہ اصلش این بود | آن ستایدکش ریا آئین بود
من کہ آئینِ ریا را دشمنم | در وفا اندازہ دانِ خود منم
گر بدین کارش نگویم آفرین | جائی آن دارد کہ جویم آفرین
گر ز آئین میرود با ما سخن | چشم بکشا و اندرین دیرہ کہن

صاحبانِ انگلستان را نگر — شیوهٔ و انداز اینان را نگر

زین هُنرمندان هنر بیشی گرفت — سعی بر پیشینیان پیشی گرفت

حقِ این قوم ست آئین داشتن — کس نیارد مُلک بہ زین داشتن

آتشی کز سنگ بیرون آورند — این ہُنرمندان ز خس چون آورند

تا چہ افسون خواندہ اند اینان بر آب — دود کشتی را ہمی راند در آب

گہ دخان کشتی بہ جیحون می برد — گہ دخان گردون بہامون می برد

نغمہ ہا بے زخمہ از ساز آورند — حرف چُون طائر بپرواز آورند

ہین نمی بینی کہ این دانا گروہ — در دو دم آرند حرف از صد گروہ

رُو بہ لندن کاندران رخشندہ باغ — شہر روشن گشتہ در شب بیچراغ

کاروبار مردم ہشیار بین — در ہر آئین صد نو آئین کار بین

پیش این آئین کہ دارد روزگار — گشتہ آئینِ دگر تقویم پار

چون چنین گنج گہر بیند کسے — خوشہ زان خرمن چرا چیند کسے

ہر خوشی را خوشتری ہم بودہ ست — گر سَری ہست افسری ہم بودہ ست

مبداءِ فیاض را مشمر بخیل — نور میریزد رطب بازان نخیل

مُردہ پرور دن مبارک کار نیست — خود بگو کان نیز جز گُفتار نیست

غالبؔ آئین خموشی دلکشست
گرچہ خوش گفتی نگفتن ہم خوشست

مثنوی ابرِ گہربار (۱)

سپاسے کزو نامہ نامی شود — سخن در گزارش گرامی شود

سپاسے کہ آغاز گفتار زوست — سخن چون خط از رُخ نمود از زوست

سپاسے کہ تا لب از و کام یافت — روانہا بدان رامش آرام یافت

خدا را سزد کز درون پَروری — بدین شیوہ بخشد شناساوری

خدائی کہ زانگونہ روزی دہد — کہ ہم روزی و ہم دو روزی دہد

خرد جنسِ ہستی فروشندگان — دہد مُزد بیہودہ کوشندگان

رُباید دِل امّا ز دِلدادگان — کشد ناز لیکن ز افتادگان

جہان داور دانش آموزگار — بہ خور روشنائی دہِ روزگار

بہر لب کہ جوئی نوائی ازوست — بہر سر کہ بینی ہوائی ازوست

اگر دیوساریست بیہوش و دنگ — کہ ہموارہ پیکر تراشد ز سنگ

بہ بُت سجدہ زان رو روا داشتہ — کہ بُت را خداوند پنداشتہ

دگر خیرہ چشمیست نیّر پرست — بُدر دِمی از جام اندیشہ مست

بمہرش از آن راہ جنبیدہ مہر
کزین روزنش دوست بنمودہ چہر

گروہی سراسیمہ در دشت و کوی
خداوند جوی و خداوند گوی

ز رسمی کہ خود را بر آن بستہ اند
بہ یزداں پرستی میاں بستہ اند

نظر گاہِ جمع پریشان یکیست
پرستندہ انبوہ و یزداں یکیست

جہاں چیست آئینۂ آگہی
فضائی نظر گاہِ وجہُ اللہی

زہر ذرّہ کارے بہ تنہائیش
نشاں باز یابی ز یکتائیش

مُناجات

خدایا زبانی کہ بخشیدۂ
بہ نیروئی جانی کہ بخشیدۂ

دمادم بجنبش گر آید ہمے
ز راز تو حرفے سراید ہمی

ندانم کہ پیوندِ حرف از کجاست
درین پردہ لحنی شگرف از کجاست

گر از دلِ شناسم جنون بیش نیست
کہ آں نیز یک قطرہ خون بیش نیست

خرد را سگالم کہ نیرو دہد
خود او راز من حیرتی رو دہد

زہر پردہ رنگے کہ گیرد کشاد
چناں دلکش افتد کہ بی آں مباد

بہ یزدانیان فرّہ ایزدی
بیونانیاں بہرۂ بخردی

بساقی خرامی کہ از دلبرے
ز شاہد بَرَد دل بساقی گری

بشاہد ادائی کہ از سر خوشے
بساقی دہد دار وئے بیہشے

ہر آئینہ ما را کہ تر دامنیم — ز دیوانگی باخرد دشمنیم
ز آلودگیہا اگر انے بوُد — ہمہ سختی و سخت جانے بوُد
اگر خوار ور نارو ائیم ما — بباغ تو برگ گیائیم ما

بروزی کہ مردم شوند انجمن — شود تازہ پیوند جاں ہا بہ تن
بہ بخشائے برناکیہائے من — تہیدست و درماندہ ام وائے من
بدوش ترازو منہ بارِ من — نسنجیدہ بگذار کردار من
بکردار سنجے میفزائے رنج — گرانبارئے درد عمرم بسنج
اگر دیگراں را بود گفت و کرد — مرا مایۂ عمر رنجست و درد
چہ پرسی چو آں رنج ز درد از تو بوُد — غمی تازہ در ہر نورَد از تو بود
فرو ہل کہ حسرت خمیر منست — دم سرد من زمہریرِ منست
وگر ہمچنیں ست فرجام کار — کہ می باید از کردہ راندن شمار
مرا نیز یارائے گفتار دہ — چو گویم بر آں گفتہ زنہار دہ
درین خستگی پوزش از من مجوی — بود بندۂ خستہ گستاخ گوی
دل از غصّہ خوں شد نہفتن چہ سوُد — چو ناگفتہ دانی نہ گفتن چہ سوُد
ہما نا تو دانی کہ کافر نیَم — پرستارِ خورشید و آذر نیَم
نکشتم کسے را براہ ہریمنے — نبردم ز کس مایہ در رہزنے

نگرمیٔ کہ آتش بگورم ازوست — بہنگامہ پروازِ مورم ازوست

من اندوہگین و مَی اندُہ ربای — چہ میگردم اے بندہ پَرور خدای

حسابِ مَی و رامش و رنگ و بوے — زجمشید و بہرام و پرویز جوے

کہ از بادہ تا چہرہ افروختند — دلِ دشمن و چشمِ بدسوختند

نہ از من کہ از تابِ مَی گاہ گاہ — بدریوزہ رُخ کردہ باشم سیاہ

نہ بستاں سَرائیٔ نہ میخانۂ — نہ دستاں سَرائیٔ نہ جانانۂ

نہ رقصِ پری پیکراں بر بساط — نہ غوغائی رامشگراں در رَباط

شبانگہ بہ مَی رہنمونم شدی — سحرگہ طلبگار خونم شدی

تمنّائے معشوقۂ بادہ نوش — تقاضائے بیہوُدۂ میفروش

چہ گویم چو ہنگام گفتن گزشت — زعمرِ گران مایہ برمن گزشت

بسا روزگاران بدلدادگے — بسا نوبہاراں بہ بی بادگے

بسا روز باراں و شبہائی ماہ — کہ بودست بی مَی بچشم سیاہ

افقہا پُراز ابر بہمن مہے — سفالینہ جام من از مَی تہے

جہان از گل و لالہ پُر بوی و رنگ — من و حجرہ و دامنی زیرِ سنگ

دمِ عیش جُز رقصِ بسمل نبود — باندازۂ خواہشِ دل نبود

اگر تافتم رشتہ گوہر شکست — وگریافتم بادہ ساغر شکست

بنا سازگاری زہمسایگان — بسرمایہ جوئی زبیمایگان

سر از منّت ناکسان زیر خاک | لب از خاکبوس خسان چاک چاک
بہ گیتی دِرَم بینوا داشتے | دلم را اسیرِ ہوا داشتے
نہ بخشندہ شاہی کہ بارم دہد | بہر بار زر پیل بارم دہد
کہ چون پیل زانجا برانگیز می | زرش بر گدایان فرو ریز می
نہ نازک نگاری کہ نازش کشم | بہر بوسہ زلف درازش کشم
چو زان غمزہ نیشی بدل بر خورد | رگِ جاں غمِ نوک نشتر خورد
بدان عمر ناخوش کہ من داشتم | زجان خار در پیرہن داشتم
چو دِل زین ہَوَسہا بجوش آیدی | زدل بانگ خونم بگوش آیدی
ہنوزم ہمان دل بجوش اندرست | زدل بانگ خونم بگوش اندرست
چو آن نامرادے بیاد آیدم | بفردوس ہم دِل نیاسایدم
دلی را کہ کمتر شکیبد بلاغ | در آتش چہ سوزی بسوزیدہ داغ
صبوحی خورم گر شرابِ طہور | کجا زہرۂ صبح و جام بلور
دم شبرو و ہائی مستانہ کو | بہنگامہ غوغائے مستانہ کو
دراں پاک میخانۂ بیخروش | چہ گنجائیِ شورش نای و نوش
سیہ مستی ابر و باراں کجا | خزاں چوں نباشد بہاراں کجا
اگر حور در دل خیالش کہ چہ | غمِ ہجر و ذوقِ وصالش کہ چہ
چہ منّت نہد ناشناسا نگار | چہ لذّت دہد وصل بے انتظار

گریزد دم بوسہ اینش کجا — فریبد بسوگند دینش کجا

بُرد حکم و بنود لبش تلخ گوئی — دہد کام و بنود دلش کام جوئی

نظر بازی و ذوقِ دیدار کو — بفردوس روزن بدیوار کو

نہ چشم آرزومند دلالۂ — نہ دل تشنۂ ماہ پرکالۂ

ازینہا کہ پیوستہ میخواست دل — ہنوزم ہماں حسرت آلاست دل

چو پرسش رگی را بکاود ز دل — دو صد دجلہ خونم تراود ز دل

بہر جرم کز روئی دفتر رسد — ز من حسرتے در برابر رسد

بفرمائی کاین داوری چون بود — کہ از جرم من حسرت افزون بود

بہ بندِ امید استواری فرست — بہ غالب خطِ رستگاری فرست

نعت

درودی بعنوان دفتر نویس — بدیباچہ نعتِ پیمبر نویس

محمدؐ کز آئینۂ روئے دوست — جز بینش ندانست دانا کہ اوست

زہی روشن آئینۂ ایزدے — کہ درویِ نگنجیدہ زنگ خودے

ز رازِ نہان پردۂ بر زدہ — ز ذاتِ خدا معجزے سر زدہ

خہی قبلۂ آدمے زادگان — نظر گاہِ پیشین فرستادگان

بلندے دہِ کعبہ بالائے او — گرامے کنِ سجدہ سیمائے او

مَنقبت

هزار آفرین بر من و دین مَن — که منعم پرستیت آئینِ مَن

نبی را پذیرم به پیمانِ اُو — خدا را پرستم به ایمانِ اُو

خدایش رَوا نیست هرچند گُفت — علیؑ را توانم خداوند گفت

پس از شاه کس غیر دستور نیست — خداوند من از خدا دُور نیست

نبیؐ را اگر سَایہ صُورت نداشت — تردُّد ندارد ضرورت نداشت

دو پیکر دو جا در نمود آمده — اثرہا بیک جا فرود آمده

دو فرخنده یار گرانمایه بین — دو قالب ز یک نور و یک سایه بین

علی راست بعد از نبیؐ جاے اُو — ہمان حکم کُل دارد اجزاے اُو

ہمانا پس از خاتم المرسلینؐ — بُود تا به مہدی علی جانشین

مرا ناسزا گفتن آئین مباد — لب من رگِ ساز نفرین مباد

بود گرچہ با ہر کسم سینہ صاف — من و ایزد البتہ بنود گزاف

کہ تا کین از مہر بشناختم — بکس غیر حیدر نپرداختم

جوانی برین دَر بسر کرده ام — شبی در خیالش سحر کرده ام

بود گرچہ ثابت کہ چون جان دہم — علی گویم و جان بیزدان دہم

بہ ہند و عراق و بہ گلزار و دشت — بسوی علی باشدم بازگشت

مغنّی نامہ

مغنی دگر زخمہ بر تار زن — گُل از نغمۂ تر بدستار زن

بہ پروازش آن گُل افشاں نوا — نگویم غم از دل دل از من رُبا

دل از خویش بردار و بر ساز نہ — ہم از خویش گوشی بر آواز نہ

ز گنجینۂ ساز بردار بند — درین پردہ نقشی بہنجار بند

سخن گرچہ گنجینۂ گوہرست — خرد را ولی تابشی دیگرست

ہمانا بشبہاے چوں پرّ زاغ — نہ بینی گہر جُز بروشن چراغ

بہ پیرایشِ این کہن کارگاہ — بدانش توان داشت آئین نگاہ

بود بستگی را گشاد از خرد — سر مرد خالی مباد از خرد

خرد چشمۂ زندگانی بود — خرد را بہ پیری جوانی بُوَد

فروغِ سحرگاہ رُوحانیان — چراغِ شبستانِ یونانیان

نخستین نمود ار ہستی گرای — خرد بود کامد سیاہی زدای

ز ہر ذرّہ کان آفتابی شود — نگہ سرخوشِ کامیابی شود

خرد جویم ار خود بود مرگِ من — بہ ہستی خرد بس بُوَد برگ من

سخن گرچہ پیغام راز آورد — سرود ارچہ در اہتزاز آورد

خرد داند این گوہرین در گشاد — ز مغزِ سخن گنج گوہر کشاد

خرد داند آن پردہ بر ساز بست
برامش طلسمے ز آواز بست

بدانش توان پاسِ دَم داشتن
شمارِ خرامِ قلم داشتن

ازین بادہ ہر کس کہ سرمست تر
بافشاندن گنج تر دست تر

بمستی خرد رہنمائے خود ست
رَود گر ز خود ہم بجائے خود ست

زہے کیمیائے معانی سخن
بخود زندۂ جاودانی سخن

سخن بادہ اندیشہ مینائے اُو
زباں بے سخن لائے پالائے اُو

بہ پیمودن بادہ پیمانہ گوش
خرد ساقی و خود خرد جرعہ نوش

ز گنجی کہ بینش بویرانہ ریخت
در آفاق طرح پریخانہ ریخت

زدودن ز آئینہ زنگار برد
زدانش نگہ ذوقِ دیدار برد

خرد کردہ عنوانِ بینش درست
رقم سنجئ آفرینش درست

فروغِ خرد فرّۂ ایزدیست
خدا ناشناسی ز نا بخردیست

نظر آشنا روئی دانائیش
عمل رو شناسِ توانائیش

ز اندیشہ دم زد نظر نام یافت
بکردار رفت از اثر کام یافت

بچشمِ سبکسیر از و گوش تاب
گرانپائے خواہش از و در حساب

غضب را نشاطِ شجاعت دہد
ز خواہش بہ عفّت قناعت دہد

باندازہ زور آزمائی کُند
خورد بادہ و پارسائی کُند

بدین جنبش از مرگ بخشد نجات
براندیشہ پیماید آبِ حیات

منشهای شایسته عادت شود / نظر کیمیائے سعادت شود

بدانش غم آموزگارِ منست / خزان عزیزان بهار منست

غمی کز ازل در سرشتِ منست / بود دوزخ امّا بهشتِ منست

بغم خوشدلم غمگسارم غمست / به بیدانشی پرده دارم غمست

زمن جوئی در بدنکو زیستن / جگر خوردن و تازه رو زیستن

درشتی بنرمی زبوں داشتن / رسد گر ستم غمزه پنداشتن

بعجز از درون سو جگر سوختن / بناز از برون سو رُخ افروختن

بدریوزه گنجینه اندوختن / ببازیچه دانائی آموختن

شگفتن ز داغی که بر دل بود / نهفتن شرارے که در دِل بود

بدین جاده کاندیشه بیهوده است / غم خضر راه سخن بوده است

نظامی کشد ناز تا بم کجا / زلالی بود خفته خوابم کجا

نظامی بحرف از سروش آمده / زلالی ازو در خروش آمده

من از خویشتن بادلِ دردمند / نوائے غزل برکشیده بلند

نباشم گر از گنجه گنجم بس ست / بغم گر چنیں پرده سنجم بس ست

خود از درد بیتاب و خود چاره جوی / خود آشفته مغز و خود افسانه گوی

چراغی که بے روغن افروختم / دلے بود کز تابِ غم سوختم

نشاید که من شکوه سنجم ز غم / خرد رنجد از من چو رنجم ز غم

غم دل زمن مرحبا جوئی باد
دلم زار و لب مرحبا گوئی باد

ساقی نامہ

بیا ساقی آئینِ جم تازہ کُن
طراز بساطِ کرم تازہ کُن

مبادا انطامی زراہت برد
بدستان سوئے خانقاہت برد

فریبش مخور چون مَی آشام نیست
ستمدیدۂ گردش جام نیست

ورع پیشہ مسکین چہ داند ترا
بہ آرایش نامہ خواند ترا

رضاجوئے من شو کہ ساغر کشم
گرم نیل و جیحون دہی درکشم

اگر زود مستم پریشان نیم
وگر دیر مستم گرانجان نیم

ہمانا تو دانستۂ کز دو سال
ننوشم مَی الاّ بہ بزم خیال

زلب تشنگی چون بمَی درخورم
تو کمتر خور امروز تا برخورم

زخود رفتہ ترکیست ہندوی تو
عجب بنود از خوبی خوی تو

کہ جوئی رضائی زخود رفتۂ
دہی مَی بہ ترکِ جگر تفتۂ

ندانی پس از روزگاری دراز
بمَی کردہ ام دست یاری دراز

در اندیشہ محوِ تلاشم ہنوز
قدح سازو ساقی تراشم ہنوز

مَی خویش و جام سفالِ خودم
نہ ساقی کہ من ہم خیال خودم

مرا دستگاہِ مے و شیشہ کو
نشاطی چُنین جز در اندیشہ کو

می و شیشه بگذار و بگذر ز من
همانا نه من بلکه این انجمن

نه از من ز سعدی شنو تا چه گفت
سخن گفت در پرده اما چه گفت

رهِ عقل جز پیچ در پیچ نیست
برِ عارفان جز خدا هیچ نیست

دگر رهروی گوید از زیرِ دلق
که حقیّت محسوس و معقول خلق

خیالی در اندیشه دارد نمود
همان غیب غیبست بزمِ شهود

نشانهائے رازِ خیالِ خودیم
نواهائے سازِ خیالِ خودیم

تصوّف نزیبد سخن پیشه را
سخن پیشه رند کژ اندیشه را

نشان مند این روشنائی نه
غزل خوان و میخور سنائی نه

غزل گر نباشد نوائے دِگر
سرِ دل سلامت هوائے دِگر

غزل گر ملال آرد افسانه گوی
کهن داستانهائے شاهانه گوی

من آن خواهم اے لاابالی خرام
کزین پویه خوشتر سگالی خرام

ز شاهان سخن گر گهر سفتنست
سخن گفتن از حق جگر سفتنست

ننالی ز غم گر جگر سفته شد
سخنهائے حق بین که چون گفته شد

ننالم ز پیری جوانم برائے
هنوزم بود طبع زور آزمائے

سخن سنج معنے ترازم هنوز
بشیوائیِ شیوه نازم هنوز

ز فردوسیم نکته انگیز تر
ز مرغِ سحر خوان سحر خیز تر

بمستی توان نغز گفتار بود
مرا باید از خویش هشیار بود

قصیدہ اول[1] در توحید

اے زوہم غیر غوغا در جہاں انداختہ
گفتہ خود حرفی و خود را در گماں انداختہ

دیدہ بیرون و درون از خویشتن پُر واپسی
پردۂ رسم پرستش درمیان انداختہ

اے اساس عالم و اعیان بہ پیوند الف
ہمچنان بر صورتِ علم و عیان انداختہ

عاشقان در موقف دار و رسن وا داشتہ
غازیان در معرضِ تیغ و سنان انداختہ

رنگہا در طبع ارباب قیاس آمیختہ
نکتہ ہا در خاطر اہل بیان انداختہ

تا علاجِ خستگی آسائش دیگر دہد
خارہا در رہ گزار میہمان انداختہ

اے عمل را دادہ فرجام مکافاتِ عمل
گرچہ دانا شرحِ آن را بر زبان انداختہ

قصیدہ دوم[2] در نعت

مراد لیست بہ بیس کوچۂ گرفتاری
کشادہ روئے تراز شاہدان بازاری

ز طوطیانِ شکر خا مگوی واز من جوی
نشاطِ زمزمہ و لذّتِ جگر خواری

قصیدہ سوم[3] در نعت

آن بلبلم کہ در چمنستان بشاخسار | بود آشیان من شکن طرۂ بہار
ہموارہ ذوق مستی و لہو و سرود و سور | پیوستہ شعر و شاہد و شمع و مَی و قمار
باکیسہ در خصومت و باکاسہ در لجاج | رندان پاکباز و شگرفان شاد خوار
بد مستیٔ شبینہ و خواب سحر گہے | رنگینیٔ سفینہ و اشعار آبدار
چشم کشودہ اند بکار دارہائے من | زایندہ نا امیدم و از رفتہ شرمسار

قصیدہ ششم[6] در منقبت

نظارۂ خوبان و مَی و نغمہ حرامست | دیدیم و شنیدیم سَمِعنَا و اَطَعنَا
با ایں ہمہ ہر جا کند آہنگ خرابے | سرگرمیٔ شوقی کہ بود حوصلہ فرسا
بانغمۂ مطرب نتواں شد متعصب | از جلوۂ ساقی نتواں کرد تبرا
شوقست کہ چون نشاۂ توحید رساند | از دار برد پایۂ منصور ببالا
شوقست کہ فرہاد از و مردہ بہ سختی | شوقست کہ مجنون شد از و بادیہ پیما
شوقست کہ مرآت مرا دادہ بصیقل | شوقست کز و طوطی طبعم شدہ گویا
شوقست کز اعجاز اثرہائے قبولش | آئینۂ پیدائی حرف ست و رقہا
قانع بہ سخن نیستم و باک ندارم | نز خویش سپاس ست و نہ از غیر محابا

نظارگیٔ جلوۂ اسرار خیالم | درآئینۂ چشم حسود و دلِ اعدا
زاویزشِ دونان زسخن باز نمانم | سیلاب مرازین خس وخاشاک چہ پروا
شوقم ہمہ رازست من و عربدہ ہرگز | سوزم ہمہ سازست من وشکوہ مبادا

قصیدہ یازدہم (۱۱) درمنقبت حضرت عباسؑ ابن علیؑ

آوارۂ غربت نتواں دید صنم را | خواہم کہ دگر بتکدہ سازند حرم را
آزادہ روی درنظرم خوار وزبوں کرد | توفیع جہاں بخشیٔ شاہان عجم را
ہمت نکشد ننگ نکو نامیٔ احسان | برخیز و بباز یچہ فرو ریز درم را
روہمت ازآن تشنہ جگر جوئی کہ از مہر | برتشنگیٔ شاہ فدا ساختہ دم را

قصیدہ دوازدہم (۱۲) درمنقبت امام دوازدہم (۱۲)

ہست از تمیز گر بہ ہما استخواں دہد | آئین دہر نیست کرگس را زیاں دہد
مردست مرد ہرچہ کند بے خطر کند | رادست راد ہرچہ دہد رائیگاں دہد
گلزار را اگر نہ ثمر گل بہم نہد | درویش را اگر نہ سحر شام ناں دہد
گنجِ سخن نہد بہ نہاں خانۂ ضمیر | وانگہ کلید گنج بدستِ زیاں دہد
تاروز خاک تیرہ نگردد زرشک چرخ | رخشانیٔ ستارہ بریگ رواں دہد
تا آدمے ملال نگیرد زیک ہوا | سرما ولو بہار و تموز وخزاں دہد

هم در بہار گل شگفاند چمن چمن | تا راحت مشام و نشاط روان دہد
هم در تموز میوه فشاند طبق طبق | تا آرزوے کام و مراد رہان دہد
نظارۂ متاع اثر بر دکاں نہد | اندیشہ را شمار گہر در نہان دہد
آنرا کہ بخت دسترس بذل مال نیست | طبع سخن رس و خرد خرده داں دہد
آنرا کہ طالع کف گنجینہ پاش نیست | نعم البدل ز خامۂ پرویں فشاں دہد

قصیده سیزدہم (۱۳) در مدح اکبر شاه و شاہزاده سلیم

حکایتیست اگر بشنوے فرد گویم | بشو خیے کہ چکد خون ز جبہۂ تسلیم
اگر ز اکبر شہ بود بہرور عرفی | وگر ز شاہجہاں بود مایہ دار کلیم
نہ کمترم ز حریفان بہ فن شعر و سخن | نہ کمتری ز نیاگان بجود و خلق عمیم
بہ دید و داد مرا و ترا نبوده نظیر | بہ ترک و برگ مرا و ترا نبوده سہیم
چہ نیک رائے ارسطو چہ شاه اسکندر | چہ بید پاے برہمن چہ رائے دابشلیم
شہود ہمت تست آنکہ در مشیمۂ غیب | دہد بہ قطرۂ آبی نمود دُرّ یتیم
صریر کلک منست آنکہ در نشیمن قدس | بہ زہره شیوۂ رامشگری کند تعلیم
ز گرمیٔ نفس خویش میتوانم داد | برائے سکۂ نامت گدازش زر و سیم
بہ آستین گہر ریز میتوانے کرد | فراز بام امیدم ظہور صبح و نسیم
مرا بشیوۂ جادو دمی ہمال محال | ترا بہ پایۂ شاہنشہے عدیل عدیم

روا مدار کہ ہم در وطن دو دل باشم — چو خستہ رہروی در کاروان سرائے مقیم
چہار چیز بود آنکہ جاودان باشد — بحکم آں کہ ز اسمائے اوست حی و قدیم
عطیہؔ بخششِ مہر و عطا پذیریِ ماہ — بقائے پادشہ و عیش شاہزادہ سلیم

قصیدہ پانزدہم (۱۵) در مدح بہادر شاہ ظفرؔ

زہے ز خویش نشانِ کمالِ صنعِ آلہ — سراج دین نبی بو ظفر بہادر شاہ
محیط بخشش و دریا کف و سحاب نوال — قمر لوائے و فلک خرگہ و ستارہ سپاہ
رئیسِ تاجوران خسروِ جہاں داور — دلیل راہ رواں مرشدِ خدا آگاہ
ز حق عطیہؔ پذیرد چو ماہتاب ز مہر — بہ خلق بہرہ رساند چو آفتاب بماہ
چو او نکردہ کس از اہل دین بفرش حصیر — نشاط شاہی و فرماندہی خداست گواہ
چو او نگفتہ کس از خسروان بروے سریر — حدیث فقر و فنا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ
بیار گہ ز رسم خانہ سپہر خراب — ندیم شہ نشوم روئے روزگار سیاہ
چہ دل نہم بہ گہر پاشئ سخن چو مرا — ہزار آبلہ بر دل بُوَد ز گرمئ آہ
چہ سر کنم روش مدح گستری چو مرا — ببزم خسرو گیتی ستاں نباشد راہ
ز کار رفتہ دل و دست من چناں کہ مرا — نماندہ شادئ پاداش و رنج باد افراہ
نہ از تو لطف و نہ از حق مدد زہے حرماں — نہ تاب شکوہ نہ جائے سخن معاذ اللہ
نباشدم صلہ مقصود مدح خوانِ توام — بدیں ذریعہ مگر یاد م آوری گہہ گاہ

دگر عطیه فرستی شگفت هم نبود — که می رسد زنمِ ابرتازگے به گیاه

بچشم کم منگر گرچه خاکِ راهِ توام — که آبروئے دیارم دریں خلافت گاه

باخد فیض زمبداء فروبم از اسلاف — که بوده ام قدرے دیر تربداں درگاه

نزول من بجهان بعد یکهزار و دویست[۱۲] — ظهور سعدی و خسرو بششصد[۶۵۰] و پنجاه

کنون تو شاهی و من مدح گو تعال تعال — گزشت دورِ نظیری و عهدِ اکبرشاه

به فنِ شعر چه نسبت به من نظیری را — نظیرِ خود بسخن هم منم سخن کوتاه

سخن سرائی غالب سپس برسم دعاست — اجابت از حق و خواهش زبندۀ درگاه

قصیدہ شانزدهم (۱۶) در مدح بهادر شاه ظفر

ردیف شعر ازان کردم اختیار گره — که از منست برابروئے شهریار گره

گره کشاے رموز خرد بهادر شاه — که پیش ناخن تدبیر اوست خوار گره

بدلکشائی گفتار من که غالب را — مزن بر رشتۀ امید زینهار گره

ازیں گره که بر ابرو زدی چرا ترسم؟ — که در دلت زصفا نیست پائدار گره

قصیدہ هفدهم (۱۷) در مدح بهادر شاه ظفر

گفتم حدیث دوست بقرآں برابرست — نازم به کفر خود که بایماں برابرست

بیدست گه نیم که هنوز از هوائے وصل — شوریست درسرم که بساماں برابرست

نے وعدۂ نہ پرسش رازے، نہ شکوۂ — داغم ز نامۂ کہ بہ عنواں برابرست
نے کف گرفتہ ساعد و نے لب ربودہ بوس — در ناخوشی وصال بہ ہجراں برابرست
ترک وجود گیر سخن در سجود چیست — بگذر ز طاعتی کہ بعصیاں برابرست
در دیدۂ جریدہ روانِ یگانہ بیں — کثرت بخوابہائی پریشاں برابرست

قصیدہ نوزدہم (۱۹) در مدح بہادر شاہ ظفر

دوش در عالم معنی کہ ز صورت بالاست — عقل فعّال سراپردہ ز دو بزم آراست
رفتم آشفتہ و سرمست و پس از لابہ و لاغ — گفتم اینک دل و دیں گفت خوشت باد کجاست
گفتم اسرار نہانی ز تو پرسش دارم — گفت جز محرمیٔ ذات کہ بیچون و چراست
گفتمش چیست جہاں گفت سراپردۂ راز — گفتمش چیست سخن گفت جگر گوشۂ ماست
گفتم از کثرت و وحدت سخنی گوئی بہ رمز — گفت موج و کف و گرداب ہمانا دریاست
گفتم آیا چہ بود کشمکش ردّ و قبول — گفت آہ از سر ایں رشتہ کہ در دست قضاست
گفتمش ذرہ بہ خورشید رسد گفت محال — گفتمش کوشش من در طلبش گفت رواست
گفتم آں خسرو خوبان بسخن گوش نہد — گفت گر گوش نہد زہرۂ گفتار کراست
گفتم از اہل فنا گر خبری ہست بگوی — گفت ایں قافلہ بے گرد رہ و بانگ دراست
گفتم افسوس کہ کمتر دہدم داد سپہر — گفت خاموش کہ در داد نگنجد کم و کاست
گفتم آں بیت کہ ہموارہ سرائی از کیست — گفت غالبؔ کہ ہم از غالبِ آشفتہ نواست

گفتم از چیست کہ چوں شمع گداز نفسم — گفت اے جان پدر روشنیٔ طبع بلاست

قصیدہ بست و سوم (۲۳) در مدح بہادر شاہ ظفر

ماہمانیم و سیہ مستیٔ ہر روزہ ہمان — نہ شب جمعہ شناسیم نہ ماہ رمضان

مستیٔم را نہ بود نامہ سیاہے فرجام — مستیٔم را نبود بادہ پرستے عنوان

مستم اما نہ ازان بادہ کہ آید ز فرنگ — مستم اما نہ ازان بادہ کہ سازند مغان

للّٰہ الشکر کہ در ساغر من ریختہ اند — مے بیرنگ زمیخانۂ بے نام و نشان

ہمدریں فصل کہ مستانہ سخن می گزرد — نکتۂ چند سرایم ز دو جوب و امکان

ہستیٔ محض تغیر نہ پذیرد زنہار — حرف الآن کما کان ازیں صفحہ بخوان

ہمچنان در تتق غیب ثبوتے دارند — بوجودی کہ ندارند ز خارج اعیان

عالم از ذات جدا نبوَد و نبود جز ذات — ہمچو رازی کہ بود در دل فرزانہ نہان

قصیدہ بست و پنجم (۲۵) در مدح بہادر شاہ ظفر

در بہاران چمن از عیش نشانے دارد — برگ ہر نخل کہ بینی رگ جانے دارد

باد را راہ بہ خلوت کدۂ غنچہ چراست — گرنہ با شاہد گل راز نہانے دارد

باد چوں نو سفران در دم رفتن رقصد — آب چوں نکتہ وراں طبع روانے دارد

دہر گو بیند ندارد روش دانش و داد — ہمہ دارد کہ چو غالبؔ ہمہ دانے دارد

نطق تنہا نبود مشق سخن را کافی
سخن اینست کہ ایں تیر کمانے دارد

ہمچو شاہد کہ تحاشی زند اندر آغوش
خامہ در دست من از ناز فغانے دارد

در دیا زمزمۂ مردہ دلاں بو العجبیست
موج خوں جوئے دراں تن گروانے دارد

بے خزاں باد بہار تو علی الرغم جہاں
تا جہانست و بہاری و خزانے دارد

قصیدہ بست و ششم (۲۶) در مدح بہادر شاہ ظفر

رہرواں چوں گہر آبلۂ پا بینند
پائے را پایہ فراتر ز ثریا بینند

ہر چہ در دیدہ عیانست نگاہش دارند
ہر در سینہ نہانست ز سیما بینند

راز زیں دیدہ وراں جوئے کہ از دیدہ ورے
نقطہ گر در نظر آرند سویدا بینند

راہ زیں دیدہ وراں پرس کہ در گرم روی
جادہ چوں نبض تپاں در تن صحرا بینند

شرری را کہ بناگاہ بدر خواہد جست
زخمہ کردار تبار رگ خارا بینند

قطرہ را کہ ہر آئینہ گہر خواہد بست
صورت آبلہ بر چہرۂ دریا بینند

قشقہ را رونق ہنگامۂ ہند و خوانند
بادہ را شمع طرب خانۂ ترسا بینند

برہم و زمزمہ و قشقہ و زنار و صلیب
خرقہ و سبحہ و مسواک و مصلا بینند

دل نہ بندند بہ نیرنگ دریں دیر دو رنگ
ہر چہ بینند بعنوان تماشا بینند

ہر چہ در سو نتوان یافت بہر سو یابند
ہر چہ در جا نتوان دید بہر جا بینند

قصیدہ بست و ہفتم (۲۷) در مدح بہادر شاہ ظفر

بیا و بادہ بہ ہنگامہ آشکار اخور — نماند راز نہانی کہ ترسی از غماز

بدست انچہ بہ ہندوستاں کشند از قند — ہم از فرنگ بیار ار نباشد از شیراز

دعا بصورت شرط و جزا کہن رسم است — نہ لبست دل بچنیں شیوہ خامۂ طناز

برای شاہ زیزداں طلب کنم شش چیز — بہ صد ہزار تضرع ز روئے عجز و نیاز

تنِ درست و دلِ شاد و طالعِ فرخ — شکوہِ وافر و ملکِ وسیع و عمرِ دراز

قصیدہ بست و نہم (۲۹) در مدح ملکہ وکٹوریہ انگلستان

آں مور سر کشم کہ چو مرگش اماں دہد — از ننگ پا ئمال بہ پرواز جاں دہد

راہ سخن کشودم اگر خود نشد کہ بخت — راہم بہ بزم بانوئے گیتے ستاں دہد

وکٹوریا کہ کاتب قسمت ز دفترش — توقیع خسروی بجہاں خسرواں دہد

آن خواہم از خدائے توانا کہ روزگار — از من پزیرد انچہ مرا بر زباں دہد

آن باد کایں شہنشہ فرخ تبار را — از شرق تا بغرب کراں تا کراں دہد

آن باد و در خورست کہ فرماندہی کنم — بر یک دو دہ کہ گنگ بہ ہندوستاں دہد

آن باد و خوش بود کہ شہنشاہ بحر و بر — انجام خواہشِ اسد اللہ خاں دہد

قصیدہ سی ام (۳۰) در مدح شہنشاہ انگلستان

در روزگار ہا نتوانند شمار یافت
خود روزگار آنچہ دریں روزگار یافت

برہم زدند قاعدہ ہائے کہن بدہر
ہر کس نشاط تازہ زہر گونہ کار یافت

فیض سحر بہ غالب پیمانہ کش رسید
ذوق صبوح عابد شب زندہ دار یافت

قصیدہ سی و پنجم (۳۵) در مدح چارلس مٹکاف

یافت آئینۂ بخت تو ز دولت پرواز
ہلہ کلکتہ بدیں حسن خداساز بناز

گل برافشاں بگریبان چو حریف سرمست
جلوہ گر شو بنظر، ہمچو عروس طناز

وقت آنست کہ پائیز تو گردد نوروز
وقت آنست کز انجام تو بالد آغاز

سیرگاہیست در اطراف تو گوئی کشمیر
روستائیست ز اقصائے تو گوئی شیراز

چارلس مٹکف فرخندہ شمائل کہ بدہر
بستہ بر دامن نظارہ ز فردوس طراز

ایں رقمہا کہ فرو ریختہ ام از رگ کلک
باشد آرائش تقریب پئے عرض نیاز

پنج مطلب ز توام ہست و بصد گونہ امید
خواہم آں پنج علی الرغم حسود و غماز

اوّل اینست کہ در باب معاشی کہ مراست
کنی اندیشۂ محکم بہ طریق ایجاز

دوم آں کز اثر عدل تو اے سنجر عہد
غیر با بندہ دریں وجہ نباشد انباز

سوم آنست کہ دیگر نکنم دست طلب
پیش فرمانده میوات بدریوزہ دراز

چارم آنست کہ باقی زر چندیں سالہ
بے نزاع و جدل و جہد بمن گردد باز

پنجم آن کز پس ایں فتح کہ بنماید روی
دہیم مژدۂ اکرام و نوید اعزاز

بخشیم تازہ خطابی و بران افزائے
خلعتی در خور ایں دولت جاوید طراز

بہ کہ کوتہ کنم افسانۂ دعوے بہ دعا
زانکہ دانم سر این رشتہ درازست دراز

قصیدہ سی و ہفتم (۳۷) در مدح پرنسپ بہادر

بے می نکند در کف من خامہ روائے
سر دست ہوا آتش بے دود کجائے

در مدح سرائم غزل و باک ندارم
کز ذوق بود ایں ہمہ آشفتہ نوائے

اے آنکہ کند سایۂ دست تو ہمائے
سہلست کہ شاہی ز تو خواہم بگدائے

قصیدہ سی و ہشتم (۳۸) در مدح ٹامس ماڈک

ہر چہ در مبداء فیاض بود آن منست
گل جدا نا شدہ از شاخ بدامان منست

مستیم عام مدان درروشم سہل مگیر
ناقۂ شوقم و جبرئیل حدی خوان منست

جادۂ عرفی در رفتار شفائی دارم
دہلی و آگرہ شیراز و صفاہان منست

شرط اسلام بود ورزش ایمان بالغیب
اے تو غائب ز نظر مہر تو ایمان منست

لطف یزداں ز غم دہر نگہبان تو باد
اے کہ لطفت ز غم دہر نگہبان منست

قصیدہ چہل و دوم (۴۲) در تہنیت فتح پنجاب

رسیدہ است بگوشم صدائے فتح الباب
زترکتاز سپہ در قلمرو پنجاب

علو حوصلۂ این جہان ستانان بین
کہ فتح را بصفا صلح کردہ اند حساب

کنون کہ ملک مطیعست و راہ بےخس و خار
زمن بگو بفرد شندگان بادۂ ناب

شراب قندئ ہندوستان دماغم سوخت
زشیرہ خانۂ کشمیرم آورند شراب

قصیدہ چہل نہم (۴۹) در مدح فرزوائے اودھ

گر بہ سنبل کدۂ روضۂ رضوان رفتم
ہوس زلف ترا سلسلہ جنبان رفتم

نتوان منّتِ جاویدٔ گوارا کردن
ہمچنان تشنہ ز سرچشمۂ حیوان رفتم

حال من نبگر و از عاقبت کارمپرس
عمر خود گشتم و در غصہ بپایان رفتم

نارواںبود ببازار جہان جنس وفا
رونقے گشتم و از طالع دکان رفتم

نگہم نقب بگنجینۂ دلہا میزد
مژدہ یاد اہل ریا را کہ زمیدان رفتم

لکھنؤ دام نشاطے سر راہم گسترد
بیخود از ولولۂ شوق پرافشان رفتم

نازپروردۂ خلوت گہ آزاد گیم
کافرم گر بسراپردۂ سلطان رفتم

من ہم از خیل کریمانم و خجلت نبود
گر بدریوزہ بدرگاہِ کریمان رفتم

مدحت نائب مہدی ز محبت باشد
شادمانم کہ بہ ہنجار محبّان رفتم

قصیدہ پنجاہم (۵۰) در مدح امجد علی شاہ اودھ

بامن کہ تاب ناز نکویاں نداشتم
بدکرد بد کہ جور و جفا کرد روزگار

گفتم بہ عقل کل کہ ندانم برائے من
حکم دوام حبس چرا کرد روزگار

گفت اے ستارہ سوختہ زاغ و زغن نہٗ
کا زاگرفت و بازرہا کرد روزگار

تو بلبلے ہمیں کہ بدام آمدی ترا
اندر قفس ز بہر نوا کرد روزگار

قصیدہ پنجاہ و ہفتم (۵۷) در مدح وزیر الدولہ والی ٹونک

عید اضحےٰ بسر آغاز زمستاں آمد
وقت آراستن حجرۂ وایواں آمد

چند چیزست کہ در پیش گہ اہل تمیز
بہ گرانمائگی آرایش گیہاں آمد

آن درخشندہ درفشے کہ بیغمائے عرب
در زمان عمر از لشکر ایراں آمد

آن فروزندہ و فیروز و دل افروز نگیں
کہ روائی دہ فرمان سلیماں آمد

دیگر آں جام جہاں بیں کہ بروشن روشی
عالم افروز تر از مہر درخشاں آمد

دیگر آں تخت سبکسیر کہ از تیز روی
ہمدم باد چو بوئے گل ریحاں آمد

ہفت گنجینۂ پرویز کہ در ہفت اقلیم
بہ نموداری ہفت اختر تاباں آمد

فہم ہر نکتۂ غامض کہ پیمبر فرمود
فیض ہر آیت رحمت کہ بقرآں آمد

یارب اینہا بتو بخشند و بر آں افزایند
دم آبی کہ ز سرچشمۂ حیواں آمد

قصیدہ پنجاہ و ہشتم (۵۸) در مدح والی الور

چون من گہر فروش نباشد بہر بساط
چوں من سخن سرائے نخیزد ز ہر دیار

بیرم ولے بہ طبع جوانان گران نیم
غم خوردنم نہفتہ و مَی خوردن آشکار

زاں پس کہ گشت گوہر من درجہاں یتیم
زاں پس کہ کشتہ شد پدر من بکارزار

در پنجسالگے شدہ ام چاکرِ حضور
رنگیں سخن طرازم و دیریں وظیفہ خوار

دارم بگوش حلقۂ ز پنجاہ و ہشت سال
اکنون کہ عمر شست و سہ سالست در شمار

کافی بود مشاہدہ شاہد ضرور نیست
در خاک راج گڑھ پدرم را بوَد مزار

فرزانہ داورا و کرم پیشہ سرورا
دارم دلے ز زخم جفاے فلک فگار

با ایں ہمہ سموم غموم خرد گداز
سہلست غم کہ والی ملکی و غمگسار

پاداش جانگدازی من در طریق نظم
دستی بدستگیریٔ من ز آستیں برآر

قصیدہ شستم (۶۰) در مدح مصطفےٰ خاں شیفتہ

زخمہ بر تار رگ جاں میزنم
کس چہ داند تا چہ دستاں میزنم

رازدانِ خوئ دہرم کردہ اند
خندہ بر دانا و ناداں میزنم

در خراباتم ندیدستی خراب
بادہ پنداری کہ پنہاں میزنم

خوے آدم دارم آدم زادہ ام
آشکارا دم ز عصیاں میزنم

می ستیزم با قضا از دیر باز | خویش را بر تیغ عریاں میزنم
لعب با شمشیر و خنجر مے کنم | بوسہ بر ساطور و پیکاں میزنم
آں ہمائے تیز پروازم کہ بال | در ہوائے مصطفیٰ خاں میزنم
خوبیٔ خویش بد آموز من ست | دم زیاری میزنم ہاں میزنم
بنگرد بے آنکہ کلک آں راکشد | نقش گر بر صفحۂ جاں میزنم

قصیدہ شست و یکم (۶۱) در مدح مفتی صدرالدین آزردہ

زاں نمی ترسم کہ گردد قعر دوزخ جائے من | وائے گر باشد ہمیں امروز من فردائے من
نامرادم دارد ایں افزونیٔ خواہش بدہر | آب بر من بستہ اند آری زاستسقائے من
دل بدیں وصفم نیاساید سخن کوتہ کنید | آنکہ ننگ اوست بودن در سخن ہمتائے من
صدر دین و دولت و صدرالصدور روزگار | میر و مخدوم و مطاع و والی و مولائے من
خاک کویش خود پسند افتاد در جذب سجود | سجدہ از بہر حرم نگذاشت در سیمائے من

قصیدہ شست و دوم (۶۲) در مدح برادر نسبتی ضیاالدین نیر

منم خزینۂ راز و در خزینۂ راز | ضیائے دین محمد کہیں برادر من
بہ دین و دانش و دولت یگانۂ آفاق | بہ عمر کہتر و از روے رتبہ مہتر من
بنکتہ شیوۂ شاگرد من بمن ماناست | صنم بصورت خود می تراشد آزر من

قصیدہ شست وسوم (۶۳) درمدح مختار الملک بہادر حیدرآباد

درمدح سخن چسان نگویم
شرطست کہ داستان نگویم

گفتے کہ بہ پیشگاہ نواب
بسیار مگوئے ہان نگویم

مختار الملک را درین عصر
جز آصف جم نشان نگویم

پاکیزگیٔ نہاد پاکش
جز در صفت قدسیان نگویم

نازم روش سخن سرائے
از گوہر خود نشان نگویم

والا گہرا سپہر جاہا
اینہا زرہ گمان نگویم

کس نیست متاع را خریدار
باآنکہ بہا گران نگویم

زان روکہ خردوران گیتی
رنجند چو قدر دان نگویم

ناچار متاع عرضہ دارم
بے رونقی دکان نگویم

تابِ سفر دکن ندارم
از ناقہ وساربان نگویم

قصیدہ شست وچہارم (۶۴)

ازنکوئی نشاں نے خواہم
خویش را بد گماں نے خواہم

آرزو عیب نیست خردہ مگیر
خواہم اما چناں نے خواہم

رنج صاحبدلان روا نبود
بند اہلِ زباں نے خواہم

دوشہا را فگار پسندم | بارہا را گراں نمے خواہم
مور را مار گیر نپزیرم | پشۂ را پیلباں نمے خواہم
بہر خویش از زمانۂ غدار | راحت جاوداں نمے خواہم
آتش اندر نہاد من زدہ اند | لالہ و ارغواں نمے خواہم
گہر افشانم و بہا طلبم | سیم و زر رائیگاں نمے خواہم
با صلیبم فتادہ کار بدہر | علمِ کاویاں نمے خواہم

در مدح گورنر لارڈ الگن از شش قصیدہ ہائی مجموعہ سبد چین

بیا کہ مدح خداوند دادگر گویم | ز آنچہ گفتم ازیں پیش بیشتر گویم
زشاعری بہ ندیمی رسیدہ ام خواہم | کہ رویداد بہ پیرایۂ سمر گویم
رعایت ادب آئینِ من بُود ناچار | فسانہ گرچہ دراز ست مختصر گویم
سخن نہالِ نو و کہنہ باغباں غالب | نہال را بہ نوی مژدۂ ثمر گویم
طریق وادیٔ غم را کسی نبودہ رفیق | خود از صعوبتِ ایں راہ پرخطر گویم
در آں دیار کہ گوہر خریدن آئیں نیست | دکاں کشودہ ام و قیمت گہر گویم
زعزّ و جاہ نیاگان خویش در سرکار | ہزار گونہ حکایاتِ معتبر گویم

دعائی دولت شاہ و وزیر ہموارہ
زنیم شب کنم آغاز و تا سحر گویم

غزلیات

اے بخلاو ملا خوئے تو ہنگامہ زرا
با ہمہ در گفتگو بے ہمہ با ماجرا

آب نہ بخشی بزور خون سکندر ہدر
جان نہ پزیری بہیچ نقد خضر ناروا

بزم ترا شمع و گل خستگئ بوتراب
سازِ ترا زیر و بم واقعۂ کربلا

خاموشی ما گشت بدآموز بتان را
زیں پیش وگرنہ اثری بود فغان را

برطاعتیان فرخ و بر عشرتیان سہل
نازم شبِ آدینۂ ماہ رمضان را

عیش و غم در دل نمی استد خوشا آزادگی
بادہ و خونابہ یکسانست در غربالِ ما

ماہمائے گرم پروازیم فیض از ما مجوی
سایہ ہمچون دود بالا میرود از بالِ ما

جان غالب تاب گفتاری گماندادی ہنوز
سخت بیدردی کہ می پرسی ز ما احوالِ ما

گر بیائی مست ناگاہ از در گلزار ما
گل زبالیدن رسد تا گوشۂ دستار ما

سخت جانیم و قماش خاطر ما نازکست
کارگاہِ شیشہ پندارے بود کہسارِ ما

غالب از صهبای اخلاق ظهوری سرخوشیم
پارهٔ بیش است از گفتار ما کردار ما

ازین بیگانگیهای تراود آشنائیها
حیای ورزد و در پرده رسوائی کند مارا
حذر از زمهریر سینهٔ آسودگان غالب
چه منتها که بر دل نیست جان ناشکیبا را

محو کن نقش دوئی از ورق سینهٔ ما
ای نگاهت الفِ صیقل آئینهٔ ما
غالب امشب همه از دیده چکیدن دارد
خونِ دل بود مگر بادهٔ دوشینهٔ ما

جوئی از باده و جوئی ز عسل دارد خلد
لب لعل تو هم اینست و هم آنست مرا
خارها از اثر گرمیٔ رفتارم سوخت
منتے بر قدم راهرو انست مرا
رهروِ تفتهٔ در رفته به آبم غالب
توشهٔ بر لبِ جو مانده نشانست مرا

آشنایانه کشد خارِ رهت دامن ما
گوئی این بود ازین پیش به پیراهن ما
بلبتو چون باده که در شیشه هم از شیشه جداست
نبود آمیزش جاں در تن ما با تن ما
سخن ما ز لطافت نپذیرد تحریر
نشود گرد نمایاں ز رم توسنِ ما
طوطیان را نبود هرزه جگر گون منقار
خورده خون جگر از رشک سخن گفتن ما
ما نبودیم بدین مرتبه راضی غالب
شعر خود خواهشِ آن کرد که گردد فن ما

نقشی ز خود براہ گزر بستہ ایم ما … بر دوست راہ ذوقِ نظر بستہ ایم ما

با بندۂ خود ایں ہمہ سختی نمے کنند … خود را بزورِ بر تو مگر بستہ ایم ما

در گردِ غربت آئینہ دارِ خودیم ما … یعنی ز بیکسان دیارِ خودیم ما

دیگر ز سازِ بیخودیٔ ما صدا مجوی … آوازی از گسستنِ تارِ خودیم ما

از بسکہ خاطرِ ہوسِ گل عزیز بود … خون گشتہ ایم و باغ و بہارِ خودیم ما

ہر کس خبر ز حوصلۂ خویش میدہد … بد مستی حریف و خمارِ خودیم ما

غالبؔ چو شخص و عکس در آئینۂ خیال … با خویشتن یکے و دو چارِ خودیم ما

بہ شغلِ انتظارِ مہوشان در خلوتِ شبہا … سرِ تارِ نظر شد رشتۂ تسبیح کوکبہا

خوشا رندی و جوشِ زندہ رود و مشربِ عذبش … بہ لب خشکی چہ میری در سرابستانِ مذہبہا

پس از عمری کہ فرسودم بمشق پارسائیہا … گدا گفت و بمن تن در نداد از خود نمائیہا

چہ خوش باشد دو شاہد را بہ بحثِ ناز پیچیدن … نگہ در نکتہ زائیہا نفس در سرمہ سائیہا

سخن کوتہ مرا ہم دل بتقویٰ مائلست اما … ز ننگِ زاہد افتادم بکافر ماجرائیہا

نز نجم گر بصورت از گدایاں بودہ ام غالبؔ … بدار الملکِ معنی مے کنم فرمان روائیہا

من آن نیم که دگر میتواں فریفت مرا — فریبمش که مگر میتواں فریفت مرا

شب فراق ندارد سحر ولے یکچند — به گفتگوے سحر میتوان فریفت مرا

سرشت من بود این ورنہ آن نیم غالبؔ — کہ از وفا بہ اثر میتوان فریفت مرا

ز من گرت نبود باور انتظار بیا — بہانہ جوی مباش و ستیزہ کار بیا

ہلاک شیوۂ تمکین مخواہ مستان را — عنان گسستہ تر از بادِ نوبہار بیا

ز ما گسستی و با دیگران گرو بستے — بیا کہ عہد وفا نیست استوار بیا

وداع و وصل جداگانہ لذتی دارد — ہزار بار برو صد ہزار بار بیا

ز خوے تست نہاد شکیب نازک تر — بیا کہ دست و دلم میرود ز کار بیا

حصار عافیتی گر ہوس کنی غالبؔ — چو ما بہ حلقۂ رندان خاکسار بیا

چون بہ قاصد بسپرم پیغام را — رشک نگزارد کہ گویم نام را

گشتہ در تاریکیٔ روزم نہان — کو چراغی تا بجویم شام را

آن میم باید کہ چون ریزم بجام — زورِ مے در گردش آرد جام را

تا نیفتد ہر کہ تن پرور بود — خوش بود گر دانہ نبود دام را

زحمت عام ست دائم خاص را — عشرتی خاص ست ہر دم عام را

دلستان در خشم غالبؔ بوسہ جوے — شوق نشناسد ہمے ہنگام را

برنمی آید زچشم از جوشِ حیرانی مرا — شد نگہ زنار تسبیح سلیمانی مرا
وہ کہ پیش از من بپابوس کسی خواہد رسید — سجدۂ شوقی کہ می بالد بہ پیشانی مرا
برنیایم با روانیہائے طبعِ خویشتن — موجِ آبِ گوہرِ من کردہ طوفانی مرا
خویش را چون موج گوہر گرچہ گرد آوردہ ام — دل پُرست از ذوقِ انداز پرافشانی مرا
تشنہ لب بر ساحلِ دریا زغیرت جان دہم — گر بموج افتد گمانِ چینِ پیشانی مرا

از وہم قطرہ گیست کہ در خود گمُیم ما — امّا چو وارسیم ہمان قلزمیم ما
مردم بہ کینہ تشنہ خون ہمند و بس — خون می خوریم چون ہم ازین مردمیم ما
پنہان بہ عالمیم زبس عینِ عالمیم — چون قطرہ در روانئ دریا گمُیم ما

نشستن بر سرِ راہِ تحیّر عالمے دارد — کہ ہرکس میرود از خویش میگردد دوچار ما
فروزد ہر قدر رنگِ گل افزاید تب و تابش — کباب آتشِ خویش ست پنداری بہار ما

ببایانِ محبت یاد می آرم زمانی را — کہ دل عہدِ وفا نابستہ دادم دلستانی را

خوش وقتِ اسیری کہ برآمد ہوسِ ما — شد روز نخستین سبدِ گل قفسِ ما

در دہر فرو رفتۂ لذت نتوان بود — بر قند نہ بر شہد نشیند مگس ما
باشد کہ بدین سایہ و سرچشمہ گرایند — یاران عزیز اند گروہی ز پس ما
خرسندی غالب بنود زین ہمہ گفتن — یکبار بفرمائے کہ اے ہیچکس ما

زپیکانہائی ناوک در دلِ گرمم نشان بنوَد — بریگستان چہ جوئی قطرہ ہائے آب باران را
کف خاکیم از ما بر نخیزد جز غبار آنجا — فزوں از صرصری نبود قیامت خاکساران را
نگشت از سجدۂ حق جبہۂ زہّاد نورانی — چنان کافروخت تاب بادہ روئے بادہ خواران را
دریغ آگاہیے کافسردگی گردد سرو برگش — ز مستی بہرہ جز غفلت نباشد ہوشیاران را

چمن طراز جنونیم و دشت و کوہ از ماست — بہ مُہرِ داغِ شقائق بود قبالۂ ما
ہمیں گداختنست آبروئے ما غالب — گُہر چہ ناز فروشد بہ پیش ژالۂ ما

چو غنچہ جوشش صفای تنش ز بالیدن — دریدہ بر تنِ نازک قبائے تنگش را
ز ظرف غالب آشفتہ گر نۂ آگاہ — بیا ز ما بہ مئِ تند ہوش و ہنگش را

رازِ خویت از بد آموز تو میجوئیم ما — از تو می گوئیم گر با غیر می گوئیم ما
راز عاشق از شکست رنگ رسوا می شود — با وجودِ سخت جانیہا تنک روئیم ما

زحمتِ احباب نتوان داد غالبؔ بیش ازین ‌ ‌ هرچہ مے گوئیم بہر خویش مے گوئیم ما

شوخی کہ خود ز نام و فا ننگ داشتی
بر باد مید ہد بوفا نام و ننگ را

آسودہ باد خاطر غالبؔ کہ خوی اوست
آمیختن بباد ٔہ صافے گلاب را

ندارم شکوہ از غم با ہجوم شوق خرسندم ‌ ‌ زجا برداشت جوش دل ہمانا داغِ ہجراں را
تکلف برطرف لب تشنۂ بوس و کنارستم ‌ ‌ زراہم باز چین دام نوازشہای پنہاں را

بخلوت مژدۂ نزدیکی یار ست پہلو را ‌ ‌ فریب امتحان پاکبازی دادہ ام اورا
جہان از بادہ و شاہد بدان ماند کہ پنداری ‌ ‌ بدنیا از پس آدم فرستادند مینو را
نباشد دیدہ تا حق بین مدہ دستوری اشکش ‌ ‌ چو گوہر سنج کو پیش از گہر سنجد ترازو را

حسرت وصل از چہ رو چون بخیال سرخوشیم ‌ ‌ ابر اگر بایستد برلبِ جوست کشتِ ما
بادہ اگر بود حرام بذلہ خلافِ شرع نیست ‌ ‌ دل نہ نہی بخوب ما طعنہ مزن بزشتِ ما

آید بچشم روشنیٔ ذره آفتاب — بر ہر زمین کہ طرح کنی نقش پائے را
حسن بتان ز جلوهٔ ناز تو رنگ داشت — بیخود بہ بوئے بادہ کشیدیم لائے را
مردم ز فرطِ ذوق و تسلّی نمی شوم — یارب کجا برم لبِ خنجر ستائے را

با اضطرابِ دل زِ ہر اندیشہ فارغم
آسائشیست جنبشِ این گاہوارہ را

قضا آئینہ دارِ عجز خواہد نازِ شاہی را — شکستے در نہادستی ادائے کجکلاہی را
طبیعی نیست ہر جا اختلاط از وے حذر خوشتر — کم از سوزندہ آتش نیست آبِ گرم ماہی را
شبم تاریک و منزل دور و نقشِ جادہ ناپیدا — ہلاکم جلوهٔ برقِ شرابِ گاہ گاہی را

چشم بر تازگیِ شورِ جنون دوختہ ست — در خزان بیش بود مستیِ دیوانۂ ما
مَیٔ باندازہ حرام آمدہ ساقی برخیز — شیشۂ خود بشکن بر سرِ پیمانۂ ما

قضا در کارہا اندازۂ ہر کس نگہدارد — بقطعِ وادیٔ غم می گمارد تیز گامان را
بسا افتادہ سرمست و بسا افتادہ در طاعت — تو دانی تا بہ لطف از خاک برداری گدایان را

جهان را خاصی و عامیست آن مغرور واین عاجز
بیا غالبؔ ز خاصان بگزرو بگزار عامان را

نگویم تازہ دارم شیوۂ جادو بیانان را
دلی در خویش بنیم کارگر جادوئے آنان را

مرنج از ناروائی بے نیازی عالمی دارد
حکایتہا بُوَد با خویشتن مرہے زبانان را

نداند قدر غم تا در نماند کس بدان غالبؔ
مسرت خیزد از تقلیدِ پیران نوجوانان را

خیزو بیراہہ روی را سر راہی دریاب
شورش افزا نگہِ حوصلہ گاہی دریاب

عالم آئینۂ راز ست چہ پیدا چہ نہان
تابِ اندیشہ نداری بہ نگاہی دریاب

گر بہ معنی نرسی جلوۂ صورت چہ کمست
خم زلف و شکن طرفِ کلاہی دریاب

فرصت از کف مدہ و وقت غنیمت پندار
نیست گر صبح بہاری شبِ ماہی دریاب

غالبؔ و کشمکش بیم و امیدش ہیہات
یا بہ تیغی بکُشش و یا بہ نگاہی دریاب

شیوہ ہا دارد و من معتقد خوئے ویَم
شوقم از رنجش او گر بفزاید چہ عجب

چون کشد می کُشدم رشک کہ در پردۂ جام
از لبِ خویش اگر بوسہ رباید چہ عجب

طرۂ درہم و پیراہنِ چاکش نگرید
اگر از ناز بخود ہم نگراید چہ عجب

کار با مطربۂ زہرہ نہادی دارم
گر لبم نالہ بہ ہنجار سراید چہ عجب

آنکہ چون برق بیکجائی نگیرد آرام
گلہ اش در دل اگر دیر نپاید چہ عجب

بذوقِ وعدہ سامانِ نشاطی کردہ پندارم
ز فرشِ گُل بروئے آتشم بنشاندہ است امشب

بخوابم میرسد بندِ قبا واکردہ از مستی
ندانم شوقِ من بروے چہ افسوں خواندہ است امشب

خوشست افسانۂ دردِ جُدائی مختصر غالبؔ
بہ محشر میتوان گفت آنچہ در دل ماندہ است امشب

از اندُہِ نایافت قلق میکنم امشب
گر پردۂ ہستیت کہ شق میکنم امشب

ہان آئینہ بگزار کہ عکسم نفریبد
نظارۂ یکتائیِ حق میکنم امشب

جان بَر لبم اندازۂ دریاکشیم نیست
از مَی طلبِ سدِّ رمق میکنم امشب

نازم سخنش را و نیابم دہنش را
خوش تفرقہ در باطل و حق میکنم امشب

غالبؔ نبود شیوۂ من قافیہ بندی
ظلمی ست کہ بر کلک و ورق میکنم امشب

سحر دمیدہ و گُل در دمیدنست مخسپ
جہاں جہاں گُلِ نظارہ چیدنست مخسپ

مشام را بہ شمیم گلے نوازش کن
نسیم غالیہ سا در وزیدنست مخسپ

ستارۂ سحری مژدہ سنجِ دیداریست
ببین کہ چشمِ فلک در پریدنست مخسپ

تو محوِ خواب و سحر در تاسف از انجم
بہ پشتِ دست بدندان گزیدنست مخسپ

نفس ز نالہ بہ سُنبل درودنست بخیز
ز خونِ دل مژہ در لالہ چیدنست مخسپ

نشانِ زندگیِ دل دَویدنست مالیست
جِلائے آئینۂ چشم دیدنست مخسپ

ز دیده سودِ حریفان کشودنست مَبَند — ز دل مرادِ عزیزان تپیدنست مخسپ
بذکر مرگ شبی زنده داشتن ذوقیست — گرت فسانۂ غالبؔ شنیدنست مخسپ

گلشن بفضائے چمن سینۂ ما نیست — هر دل که نه زخمی خورد از تیغ تو وا نیست
میسوزم و می ترسم از آسیب زدانش — آوخ که در آتش اثرِ آبِ بقا نیست
عمری سپری گشت و همان بر سرِ جورست — گویند بتان را که وفا نیست چرا نیست
جنّت نکند چارۂ افسردگئ دِل — تعمیر باندازۂ ویرانئ ما نیست
هر مرحله از دهر سرابست لبی را — کز نقش کفِ پائے کسی بوسه ربا نیست
از ناز دلِ بے هوسِ ما نه پسندید — دل تنگ شد و گفت درین خانه هوا نیست
دریوزۂ راحت نتوان کرد ز مرهم — غالبؔ همه تن خستۂ یارست گدا نیست

عکس تنش را در آب لرزه بود هم ز موج — بیم نگاه خودش کارگر افتاده است
آن همه آزادگی وین همه دلدادگی — حیف که غالبؔ ز خویش بیخبر افتاده است

حُسن تو در حجاب ز شرم گناهِ کیست — جا بر کرشمه تنگ ز جوشِ نگاهِ کیست
ما با تو آشنا و تو بیگانه ز ما — آخر تو و خدا که جهانی گواه کیست
رشک آیدم بروشنئ دیده هائے خلق — دانسته ام که از اثرِ گردِ راهِ کیست

بیخود بوقتِ ذبح تپیدن گناہِ من — دانستہ دشنہ تیز نکردن گناہِ کیست

یاد از عدو نیارم وین ہم ز دوربینیست — کاندر دلم گزشتن با دوست ہمنشینیست
در عالمِ خرابے از خیلِ منعمانم — سیلم برخت شوئی برقم بخوشہ چینیست
سوزم دمی کہ یارم یاد آورد کہ غالبؔ — در خاطرش گزشتن با غیر ہمنشینیست

ناز سرمایۂ دیگر ز تو یافت — نمکِ خوانِ تو خوانِ نمکست
نطق من مایۂ من بس غالبؔ — خود نمک گوہر کانِ نمکست

مگر ز پارۂ سنگم کہ ریزدت دم تیغ — بکش مترس کہ در سود من زیانِ تو نیست
دلم بعہد و فائی فریفت نامہ سپار — خوش ست وعدۂ تو گرچہ از زبانِ تو نیست
روان فدائی تو نام کہ بردۂ ناصح — زہی لطافت ذوقیکہ در بیانِ تو نیست
گمان زیست بود بر منت ز بیدردی — بدست مرگ ولی بدتر از گمانِ تو نیست

ایکہ گفتی غم درونِ سینہ جانفرساست ہست — خامشیم امّا اگر دانی کہ حق باماست ہست
این سخن حق بود و گاہی برزبانِ ما نرفت — چون تو خود گفتی کہ خوبانرا دل ازخاراست ہست
ہم وفا ہم خواہشِ ما ہیچ پرسش عیب نیست — آنکہ میگفتی کہ خواہش در وفا بیجاست ہست

سینہ بکشودیم و خلقے دید کاینجا آتشست   بعد ازین گویند آتش را کہ گویا آتشَست

انتظارِ جلوۂ ساقی کبابم میکند   می بساغر آبِ حیوان و بہ مینا آتشَست

بے تکلف در بلا بودن بہ از بیمِ بلاست   قعرِ دریا سلسبیل و روئ دریا آتشَست

پاک خور امروز و زنہار از پئ فردا منہ   در شریعت بادہ امروز آب و فردا آتشَست

گشتہ ام غالبؔ طرف با مشربِ عرفی کہ گفت   روئ دریا سلسبیل و قعرِ دریا آتشَست

بیا کہ فصلِ بہارست و گُل بہ صحنِ چمن   کشادہ روئ تر از شاہدانِ بازارست

ز آفرینشِ عالم غرض جُز آدم نیست   بگردِ نقطۂ ما دَورِ ہفت پرکارست

سموم وادئ امکان زبسن جگر تابَست   گداز زہرۂ خاکست ہر کجا آبَست

مرنج از شبِ تار و بیا بہ بزمِ نشاط   کہ پنبۂ سرِ مینائ بادہ مہتابست

ز وضعِ روزنِ دیوار میتوان دانست   کہ چشمِ غمکدۂ ما براہِ سیلابست

توئ فتادہ چو نسبت ادب مجو غالبؔ   ندیدۂ کہ سوئے قبلہ پُشتِ محرابست

نازم نگہِ شرم کہ دِلہا ز میان برد   ز انسان کہ خود آن چشم فسون ساز ندانست

مخمورِ مکافات بہ خلد و سقر آویخت   مشتاقِ عطا شعلہ ز گُل باز ندانست

ہر ذرہ محو جلوۂ حُسن یگانہ ایست
گوئی طلسم شش جہت آئینہ خانہ ایست

ناچار با تغافل صَیّاد ساختم
پنداشتم کہ حلقۂ دام آشیانہ ایست

پابستۂ نوردِ خیالی چو وارسے
ہر عالمے ز عالم دیگر فسانہ ایست

در پردۂ تو چند کشم ناز عالمے
داغم ز روزگار و فراقت بہانہ ایست

ہر چہ فلک نخواستست ہیچکس از فلک نخواست
ظرف فقیہ می نجُست بادۂ ما گزک نخواست

غرقہ بموجہ تاب خورد تشنہ ز دجلہ آب خورد
زحمتِ ہیچیک نداد راحتِ ہیچ یک نخواست

جاہ ز علم بیخبر علم ز جاہ بے نیاز
ہم محکِ تو زر ندید ہم زرِ من محک نخواست

زاہد و ورزش سجود آہ ز دعویٰ وجود
تا نزد اہرمن رہش بدرقۂ ملکَ نخواست

بحث و جدل بجائے مان میکدہ جوئے کاندران
کس نفس از جمل نزد کس سخن از فدک نخواست

خرقہ خوش ست در بزم پردہ چنین خشن خوش ست
عشق بخار خار غم پیرہنم تنک نخواست

رند ہزار شیوہ را طاعتِ حق گران نبود
لیک صنم بسجدہ در ناصیہ مُشترک نخواست

سہل شمرد و سرسری تا تو ز عجز نشمرے
غالبؔ اگر بداوری داد خود از فلک نخواست

دارم دلے ز آبلہ نازک نہاد تر
آہستہ پا نہم کہ سرِ خار نازک ست

از جنبشِ نسیم فرو ریزدی ز ہم
مارا چو برگ گل در و دیوار نازک ست

میرنجد از تحمّل ما بر جفائے خویش ہان شکوۂ کہ خاطرِ دلدار نازک ست

تا در آب افتادہ عکس قدّ دلجویش چشمہ ہمچو آئینہ فارغ از روانیہاست
کشتۂ دلِ خویشم کز ستمگران یکسر دید دلفریبی ہا گفت مہربانیہاست
ایکہ اندرین وادی مژدہ از ہما دادی برسرم ز آزادی سایہ راگرانیہاست
ذوقِ فکر غالب را بُردہ زانجمن بیرون با ظہوری و صائب محوِ ہم زبانیہاست

سرگرمی خیال تو از نالہ باز داشت دل پارہ آتشیست کہ دودش نماندہ است
داد از تغافلے کہ بگوشت نمیرسد آہ از توقعی کہ وجودش نماندہ است
دِل را بوعدۂ ستمی میتوان فریفت نازی کہ بر وفائے تو بودش نماندہ است
دل جلوہ میدہد ہنرِ خود در انجمن رحمی مگر بجانِ حسودش نماندہ است
غالب زبان بریدہ و آگندہ گوش نیست اما دماغِ گفت وشنودش نماندہ است

بیخود بزیرِ سایۂ طوبےٰ غنودہ اند شبگیر رہروان تمنّا بلند نیست
غالب من و خدا کہ سر انجام برشگال غیر از شراب وانبہ و برفاب و قند نیست

منع ما از بادہ عرضِ احتسابی بیش نیست محتسب افشردۂ انگور آبی بیش نیست

خارج از ہنگامہ سرتاسر بہ بیکاری گزشت
رشتۂ عمرِ خضر مدّ حسابی بیش نیست

قطرہ و موج و کف و گرداب جیحونست و بس
این من و مائی کہ می بالد حجابی بیش نیست

خویش را صورت پرستان ہرزہ رُسوا کردہ اند
جلوہ می نامند و در معنی نقابی بیش نیست

نامہ بر از پیشگاہِ نازِ مکتوبِ مرا
پاسخی آوردہ ست امّا جوابی بیش نیست

جلوہ کن منت منہ از ذرّہ کمتر نیستم
حُسن با این تابناکی آفتابی بیش نیست

چند رنگین نکتۂ دلکش تکلّف بر طرف
دیدہ ام دیوانِ غالب انتخابی بیش نیست

شہرئی دل نیست گر حسرت مرا اینجا از چہ رو
چشمِ اہلِ دل زباندانِ نگاہِ سائلست

باہمہ نزدیکی از وی کام دل نتوان گرفت
تشنۂ ما بر کنارِ آب جو پا در گلست

عقل در اثبات وحدت خیرہ میگردد چرا
ہر چہ جز ہستیست ہیچ و ہر چہ جز حق باطلست

ما ہمان عین خودیم امّا خود از وہم دوئی
در میان ما و غالب ما و غالب حائلست

در مژدہ ز جوئے عسل و کاخ زمرّد
چیزے کہ بہ دل بستگی ارزد مئے نابست

ہم چشمئ آئینہ نگند از نظر ما
مارا کہ ز بیداریِ دل دیدہ بخوا بست

خیز و در دامن بادِ سحر آویز بہ عذر
گر شبت تیرہ بداغ مژہ نکشودن رفت

بر تنک مایگیم رحم کہ یک عمر گناہ
ہم بتاراجِ سبکدستیِ نکشودن رفت

شست و شو مشغلۂ شوخیِ ابر کرمست — دژرم آن خرقہ کہ با داغ نیالودن رفت
مدعی خواست رود برا ثرِ من غالبؔ — ہر چہ زو بود بسودائے چو من بودن رفت

زہے لطافتِ پرواز سعئ ابر بہار — کہ ہر چہ در دلِ باد ست از زمین پیدا است
عیار فطرتِ پیشینیان زما خیزد — صفائے بادہ ازین دُردِ تہ نشین پیداست
زہے شکوہ تو کاندر طراز صورت تو — زخود برآمدنِ صورت آفرین پیداست
نہادِ نرم زشیرینیِ سخن غالبؔ — بسانِ موم زاجزائے انگبین پیداست

ہر گونہ حرتی کہ ز ایّام می کشیم — دُردِ تہِ پیالۂ اُمّید بودہ است
حق راز خلق جو کہ نو آموزِ دید را — آئینہ خانہ مکتبِ توحید بودہ است

یار در عہد شبابم بکنار آمد و رفت — ہمچو عیدی کہ در ایّام بہار آمد و رفت
شادی و غم ہمہ سرگشتہ تر از یک دگراند — روزِ روشن بوداعِ شبِ تار آمد و رفت
ہرزہ مشتاب و پیٔ جادہ شناسان بردار — اے کہ در راہِ سخن چون تو ہزار آمد و رفت
ہلہ غافل ز بہاران چہ طمع داشتۂ — گیر کامسال بر نگینیٔ پار آمد و رفت

از فرنگ آمدہ در شہر فراوان شدہ ست — جرعہ رادین عوض آرید مَی ارزان شدہ است

در دلش جوئی و در دیر و حرم نشناسی | تا چه رُوداد که در زاویه پنهان شده است

فغان که برقِ عتابِ تو آن چنانم سوخت | که راز در دل و مغز اندر استخوانم سوخت
شنیدۂ که بآتش نسوخت ابراهیم | ببین که بے شرر و شعله میتوانم سوخت
مراد میدنِ گُل در گمان فگند امروز | که باز بر سرِ شاخِ گُل آشیانم سوخت
نفس گداختگی هائے شوق را نازم | چه شمع ها بسرا پردۂ بیانم سوخت
نویدِ آمدنت رشک از قفا دارد | شگفته روئی گلهائے بوستانم سوخت
کسی درین کف خاکسترم مباد انباز | چه شد گر آتش همسایه خانمانم سوخت
سخن چه عطر شرر بر دماغ زد غالب | که تابِ عطسۂ اندیشه مغز جانم سوخت

گفتم بروزگار سخنور چو من بسیست | گفتند اندرین که تو گفتی سخن بسیست
معنی غریب مدّعی و خانه زاد ماست | هر جا عقیق نادر و اندر یمن بسیست
در صفحه نبودم همه آنچه در دلست | در بزم کمتر ست گل و در چمن بسیست

به رنج از پئے راحت نگاهداشته اند | ز حکمتست که پای شکسته در بندست
نه گفتۂ که به تلخی بساز و پند پذیر | برو که بادۂ ما تلخ تر ازین پندست
نه آن بود که وفا خواهد از جهان غالب | بدین که پرسد و گویند هست خرسندست

شه به گدا کجا رسد زانکه چو فتنه روئی داد
خاتمِ دست دیو بُرد کشورِ دل پَری گرفت

ای که دلت زغصه سوخت شکوه نه درخور وفاست
وَر بَنَرد آنکه سر کَنی گیر که سَر سری گرفت

نازم بفریبی که دهی اہلِ نظر را
کز بوسه پیامی بدہانست و دہان نیست

سرمایۂ ہر قطره که گم گشت به دریا
سود لیست که مانا بزیانست و زیان نیست

در ہر مژه بر ہم زدن این خلق جدیدست
نظاره سگالد که ہمانست و ہمان نیست

در شاخ بُوَد موج گل از جوشش بہاران
چون باده به مینا که نہانست و نہان نیست

ناکس ز تنومندی ظاہر نشود کس
چون سنگ سره که گرانست و گران نیست

پہلو بشگافید و به بینید دلم را
تا چند بگویم که چسانست و چسان نیست

غالبؔ ہله نظّارگی خویش توان بود
زین پرده برون آ که چنانست و چنان نیست

دل برد و حق آنست که دلبر نتوان گفت
بیداد توان دید و ستمگر نتوان گفت

پیوسته دہد باده و ساقی نتوان خواند
ہمواره تراشد بُت و آزر نتوان گفت

در گرم روی سایه و سرچشمه نجوئیم
با ما سخن از طوبیٰ و کوثر نتوان گفت

آن راز که در سینه نہانست نه وعظ ست
بر دار توان گفت و به منبر نتوان گفت

کاری عجب افتاد بدین شیفته مارا
مومن نبُوَد غالبؔ و کافر نتوان گفت

مشاطہ بہ آرایشِ آن حسنِ خداداد   گل در چمن و قند بہ بنگالہ فرو ریخت
در قالبِ ملّا اثرش پردہ کشا شد   خاکی کہ قضا در تنِ گوسالہ فرو ریخت
دزدیدہ سرِ اہلِ سخن از بیم تو غالب   گوئی رگِ ابرِ قلمت ژالہ فرو ریخت

گل فراوان بود و می پُر زور و دوشم بر بساط   خود بخود پیمانہ میگردید و گردیدن نداشت
برد آدم از امانت ہرچہ گردوں بر نتافت   ریخت می بر خاک چون در جام گنجیدن نداشت

ببین کہ در گل و مُل جلوہ گر برائی توکیست   مپوش دیدہ ز حق طالب رضائی توکیست
کلید بستگیِ تست غم بجوش اے دل   تو گر چنین نگدازی گرہ کشائی توکیست
بلا بہ صورتِ زلفِ تو رو بما آورد   بہ بندِ خصمی زہریم مبتلائی توکیست
فرشتہ معنیٔ مَنْ رَبُّكَ نمی فہمم   بمن بگوئی کہ غالب بگو خدائی توکیست

بوادیے کہ دران خضر را عصا خفتت   بسینہ می سُپرم رہ اگرچہ پا خفتت
ہوا مخالف و شب تار و بحر طوفان خیز   گسستہ لنگرِ کشتی و ناخدا خفتت
دلم بہ سبحہ و سجادہ و ردا لرزد   کہ دزد در مرحلہ بیدار و پارسا خفتت
درازیِ شب و بیداریِ من اینہمہ نیست   زبختِ من خبر آرید تا کجا خفتت

دگر ز ایمنی راہ و قربِ کعبہ چہ حظ — مرا کہ ناقہ ز رفتار ماند و پا خفتست

مستی اندازِ لغزشی دارد — حیف پائے کہ آفتش ز سرست
عقل و دین بردہ دل و جان نیز — آنچہ از ما نبردہ خبرست
شہ حریر و گدا پلاس برید — آنچہ من قطع کردہ ام نظرست
قفس و دام را گناہے نیست — ریختن در نہادِ بال و پرست
ریزد آن برگ و این گل افشاند — ہم خزان ہم بہار در گزرست
کم خود گیر و بیش شو غالب — قطرہ از ترکِ خویشتن گہرست

نہ بر جستہ شرار و نہ بجا ماندہ رماد — سوختم لیک ندانم بچہ عنوانم سوخت
پایم از گرمیِ رفتار نمیسوخت براہ — در قدم سوختنِ خارِ بیابانم سوخت
دیگر از خاتمۂ کفر چگویم غالب — من کہ رخشندگیِ جوہر ایمانم سوخت

در بذلِ لآلی و رقم دستِ کریم ست — نی نی نئی کلکم رگِ مژگانِ یتیم ست
بختم ندہد کام دلِ غمزدہ غالب — گوئی لب یارست کہ در بوسہ لئیم ست

مستم ز خونِ دل کہ دو چشمم ازان پُرست — گوئی مخور شراب و نہ بینی بجام چیست

با دوست ہر کہ بادہ بخلوت خورد مدام — داند کہ حور و کوثر و دار السلام چیست

دلخستہ غمیم و بود مے دوائے ما — با خستگان حدیثِ حلال و حرام چیست

در روز تیرہ از شب تارم نماند بیم — چون صبح نیست خود چہ شناسم کہ شام چیست

از کاسۂ کرام نصیب ست خاک را — تا از فلک نصیبۂ کاس کرام چیست

نیکی ز تست از تو نخواہیم مزد کار — ور خود بدیم کار تو ایم انتقام چیست

غالب اگر نہ خرقہ و مصحف بہم فروخت — پرسد چرا کہ نرخِ مے لالہ فام چیست

چون اصل کار در نظر ہمنشین نبود — بیچارہ خردہ بر روشِ جستجو گرفت

لطف خدای ذوق نشاطش نمیدہد — کافر دلی کہ با ستمِ دوست خو گرفت

شرمندۂ نوازش گردون نماندہ ام — گر چاک دوخت جامہ بمزدِ رفو گرفت

از یک سبوست بادہ و قسمت جدا جدا ست — جمشید جام برد و قلندر کدو گرفت

فرمان روا نگشت مسلمان بہیچ عصر — گر رفت مغ ز میکدہ ترسا فرو گرفت

رضوان چو شہد و شیر بہ غالب حوالہ کرد — بیچارہ باز داد و مے مشک بو گرفت

ز سردیِ نفس نامہ بر توان دانست — کہ نا رسیدہ پیامِ مرا جوابی ہست

زسردمہریٔ ایام نیستیم نژند — کہ در خرابۂ ما روی آفتابی ہست
بہار ہند بود برشگال ہان غالبؔ — درین خزان کدہ ہم موسم شرابی ہست

حریفِ ما ہمہ بے بذلہ می خورد غالبؔ — مگر ز خلوتِ واعظ بہ محفل افتادست

ما و خاک رہ گزر بر فرقِ عریان ریختن — گل کسی جوید کہ او را گوشۂ دستار ہست
در پرستش سستم و در کامجوئی استوار — بادشہ را بندۂ کم خدمت پرخوار ہست
راز دیدنہا مجوی و از شنیدنہا مگوے — نقشہا در خامہ و آہنگہا در تار ہست
کہنہ نخلے تازہ از صرصر زپا افتادہ ام — خاکم ار کاوی ہنوزم ریشہ در گلزار ہست

اے کہ خوی تو ہمچو روی تو نیست — دیدہ از دل امیدوار تر ست
خستہ از راہ دور مے آییم — پا ز تن پارۂ فگار تر ست

رموز دین نشناسم درست و معذورم — نہاد من عجمی و طریق من عربیست
نشاطِ جم طلب از آسمان نہ شوکتِ جم — قدح مباش ز یاقوت بادہ گر عنبیست
بالتفات نیرزم در آرزو چہ نزاع — نشاطِ خاطرِ مفلس ز کیمیا طلبیست

نہ ہم پیالۂ زاہدان بلائے بُوَد　　　خوشست گرمیِ بحثش خلافِ شرع نیست
ہر آنچہ در نگری جز بہ جنس مائل نیست　　　عیار بیکسی ما شرافتِ نسبیست
میان غالب و واعظ نزاع شد ساقی　　　بیا بہ لا بہ کہ ہیجان قوت غضبیست

بجام و آئینہ حرف جم و سکندر چیست　　　کہ ہر چہ رفت بہر عہد در زمانۂ تست
ہم از احاطۂ تست اینکہ در جہان ما را　　　قدم بہ بتکدہ و سر بر آستانۂ تست
سپہر را تو بتاراج ما گماشتۂ　　　نہ ہر چہ دزد زما بُرد در خزانۂ تست
مرا چہ جرم گر اندیشہ آسمان پیماست　　　نہ تیز گامئ توسن ز تازیانۂ تست
تو اے کہ محو سخن گسترانِ پیشینی　　　مباش منکرِ غالب کہ در زمانۂ تست

محو خودست لیک چوں من دریں چہ بحث　　　او چوں خودی نداشتہ دشمن دریں چہ بحث
افسانہ گوست غیر چہ مہر افگنے برو　　　غم بر نتابد این ہمہ گفتن درین چہ بحث
بُت را بجلوہ دیدہ و برجائ ماندہ است　　　گر بحث می کنم بہ برہمن درین چہ بحث
بعد از حزین کہ رحمتِ حق بر روانش باد　　　ما کردہ ایم پرورشِ فن درین چہ بحث
او جستہ جستہ غالب و من دستہ دستہ ام　　　عرفی کسیست لیک نہ چون من درین چہ بحث

نقشم گرفته دوست نمودن چه احتیاج
آئینهٔ مرا بزدودن چه احتیاج
با پیرہن زناز فرو می رود به دل
بند قبائے دوست کشودن چه احتیاج
در دست دیگریست سفید و سیاه ما
با روز و شب بعربده بودن چه احتیاج
آن کن که در نگاهِ کساں محتشم شوی
بر خویش ہم زخویش فزودن چه احتیاج

جلوه میخواہیم آتش شو ہوائے ما مسنج
دستگاه خویش بیں و مدعائے ما مسنج
در گزر زیں پرده چوں دمساز غالب نیستی
مدعی ہنجار خود گیر و نوائے ما مسنج

در پرده شکایت زتو داریم و بیاں ہیچ
زخم دل ما جمله دہانست و زبان ہیچ
تن پروری خلق فزوں شد زریاضت
جز گرمی افطار ندارد رمضان ہیچ
پیمانهٔ رنگیست دریں بزم بگردش
ہستی ہمه طوفان بہارست خزان ہیچ
عالم ہمه مرآت وجود ست عدم چیست
تا کار کند چشم محیط ست و کران ہیچ
غالبؔ زگرفتاری اوہام بروں آی
باللہ جہاں ہیچ و بد و نیک جہاں ہیچ

اے ہوس کارت زگستاخی به بیرحمی کشید
نازکیہاے میانش بیں بیالایش مپیچ
پیش ازیں کی بود اینہم التفاتی بوده است
اینقدر برخود زرنجشہاے بیجایش مپیچ

آفتابیم بہم دشمن و ہمدرد اے شمع
ما ہلاک سر شامیم و تو داغ دم صبح

پیش ازیں باد بہار ایں ہمہ سرمست نبود
شبنم ماست کہ تر کردہ دماغ دم صبح

حق آن گرمیٔ ہنگامہ کہ دارم بشناس
اے کہ در بزم تو ماتم بچراغ دم صبح

غالبؔ امروز بوقتی کہ صبوحی زدہ ام
چیدہ ام ایں گل اندیشہ زباغ دم صبح

در فصل دی گذشتہ جہان زمہریر از و
بنشین کہ آب گردش ساغر کنیم طرح

تا چند نشنوی تو و ما حسب حال خویش
افسانہ ہائے غیر مکرر کنیم طرح

آئین برہمن بنہایت رساندہ ایم
غالبؔ بیا کہ شیوۂ آزر کنیم طرح

خواہش وصل خود از غیر ز اخلاص مسنج
کاین گدائیست بدریوزۂ در ما گستاخ

شاد گردم کہ بخلوت نرسیدست رقیب
بینمش چون بتو در راہ گزر ما گستاخ

تا ز دلہائے نزارش چہ محابا باشد
سر زلفی کہ بہ پیچد بکمر ما گستاخ

کفیل ہوش خودم وقت می بہ بزم حبیب
بشرط آنکہ زیک قلزمم فزوں ندہد

شریک کار نیاورد تاب سختی کار
جواب نالۂ ما غیر بے ستوں ندہد

بمن گرائے وو فا جو کہ سادہ برہمنم
بسنگ ہر کہ دہد دل بغمزہ چوں ندہد

بروئی عقدۂ کارم بہ شکلِ برگ خزاں　　زلرزہ ناخنِ دستِ گرہ کشا ریزد

شباب در زہرچہ ناقدردانی ہستیست　　بلا بجان جوانان پارسا ریزد

بسجدہ بردرِ یار اوفتیم تا غالب　　خطِ جبیں چو غبار از جبین ما ریزد

بہ بندِ پرسشِ حالم نمے توان افتاد　　توان شناخت ز بندی کہ بر زبانِ افتاد

حدیثِ مَی بدف و چنگ در میان داریم　　کنون کہ کار بہ شیخ نہفتہ دان افتاد

فرو نیامدم از بسکہ بے خودم بطلب　　ہزار بار گزارم بر آشیان افتاد

غم چو ہم درانگند رو کہ مراد میدہد　　دانہ ذخیرہ می کند کاہ بباد میدہد

آخر منزل نخست خوئی تو راہ میزند　　اول منزل دگر بوئے تو زاد میدہد

اے کہ بدیدہ نم زتست وی کہ بسینہ غم زتست　　نازشِ غم کہ ہم زتست خاطر شاد میدہد

مست عطای خود کند ساقی ما نہ مست مَی　　دادہ زیاد می برد بسکہ زیاد میدہد

میدہیم بہ خلد جا رحم کجاست اے خدا　　آب و ہوائی این فضا کوئی کہ یاد میدہد

دل اسباب طرب گم کردہ در بندِ غمِ نان شد　　زراعت گاہ دہقان ہشود چون باغ ویران شد

جنون کردیم و مجنون شہرہ گشتیم از خردمندی　　برون دادیم رازِ غم بعنوانی کہ پنہان شد

فراغت بر نتابد ہمت مشکل پسندِ من
ز دشواری بجان می افتدم کاری که آسان شد

زما گرمست این ہنگامہ بنگر شور ہستی را
قیامت می دمد از پردۂ خاکی که انسان شد

قضا از ذوقِ معنی شیرہ میریخت در جاہا
نمی از لای پالایش چکید و آبِ حیوان شد

چو اسکندر زنادانی ہلاک آبِ حیوانی
خوشا سوہن که ہر کس غوطه زد در وے تنش جان شد

خدا را اے بتان گردش گردیدنی دارد
دریغا آبروے دیر گر غالب مسلمان شد

ہمچو رازی که به مستی ز دل آید بیرون
در بہاران ہمه بوئیت ز صبا می آید

راز از سینه بمضراب نه زیرم بیرون
ساز عاشق ز شکستن بصدا می آید

در ہم افشردنِ اندام تو چون ما نجواست
خنده بر تنگیِ آغوش قبا می آید

رفته در حسرتِ نقش قدمی عمر بسر
جادۂ را که بسر منزل ما می آید

اتفاقِ سفر افتاد به پیری غالب
آنچه از پائے نیامد ز عصا می آید

خوش ست آنکه با خویش جز غم ندارد
دلی خوشتر ست آنکه این ہم ندارد

سرابی که رخشد بویرانه خوشتر
ز چشمے که پیرایۂ نم ندارد

گلگشت را نوا نرگست را تماشا
تو داری بہاری که عالم ندارد

نگہدار خود را و ز آئینه بگزر
نگاهِ تو پروائے خود ہم ندارد

مژدهٔ صبح درین تیره شبانم دادند
شمع کشتند و ز خورشید نشانم دادند

رخ کشودند و لب هرزه سرایم بستند
دل ربودند و دو چشم نگرانم دادند

سوخت آتشکده ز آتش نفسم بخشیدند
ریخت بتخانه ز ناقوس فغانم دادند

گہر از رایتِ شاہان عجم برچیدند
بعوض خامهٔ گنجینه فشانم دادند

افسر از تارک ترکان پشنگی بردند
به سخن ناصیهٔ فرّکیانم دادند

گوہر از تاج گسستند و بدانش بستند
ہرچه بُردند به پیدا به نہانم دادند

ہرچه در جزیه ز گبران مے ناب آوردند
بشبِ جمعهٔ ماه رمضانم دادند

ہرچه از دستگه پارس به یغما بردند
تا بنالم ہم ازاں جمله زبانم دادند

می رمی از من و خلقی بگمانست ز تو
بیحیا باش و بنشین که گمان برخیزد

گرد ہم شرح عتابے که بدلہا داری
دود از کارگہِ شیشه گران برخیزد

با قدت سرو چو شخصیست که ناگه یکبار
بیخود از جا ز ہجوم خفقان برخیزد

بچه گیرند عیار ہوس و عشق دگر
رسم بیداد مباد از جہان برخیزد

زنہار از تعبِ دوزخِ جاوید مترس
خوش بہاریست کزو بیم خزان برخیزد

عمرہا چرخ بگردد که جگر سوختهٔ
چون من از دودهٔ آذر نفسان برخیزد

گرد ہم شرح ستمہائے عزیزان غالب
رسم اُمید ہمانا ز جہان برخیزد

گویم سخنی گرچه شنیدن نشناسد   صبحیست شبم را که دمیدن نشناسد
از بند چه بکشاید و از دام چه خیزد   مائیم و غزالے که رمیدن نشناسد
ساقی چه شگرفی کند و باده چه تندی   خون باد دماغی که رسیدن نشناسد
ما لذتِ دیدار ز پیغام گرفتیم   مشتاق تو دیدن ز شنیدن نشناسد
پیوسته روان از مژه خون جگر ستم   رنگیست رخم را که پریدن نشناسد
شوقم مے گلگون لبِ بو میزند امشب   پیمانه ز ساقی طلبیدن نشناسد
بالذّت اندوهِ تو در ساخته غالب   گوئی همه دل گشت و طپیدن نشناسد

هردم ز نشاطم دلِ آزاد بجنبد   تا کیست درین پرده که بے باد بجنبد

خوبان نه آن کنند که کس را زیان رسد   دل بُرد تا دگر چه از آن دلستان رسد
مقصود ما ز دیر و حرم جز حبیب نیست   هر جا کنیم سجده بدان آستان رسد
گم شد نشانِ من چو رسیدم به کنج دیر   مانند آن صدا که بگوش گران رسد
در دام بهر دانه نیفتم مگر قفس   چندان کنی بلند که تا آشیان رسد
امید غلبه نیست به کیش مغان در آی   مُی گر به جزیه دست ندادا مغان رسد
صاحبقرانِ ثانی اگر در جهان نماند   گفتارِ من به ثانیِ صاحبقران رسد

از ناله ام مرنج که آخر شدست کار　　　شمع خموشم و ز سرم دود میرود
فردوس جوئی عمر بوسواس داده را　　　سرمایه نیز در هوسِ سود میرود

دانست کز شهادتم امید حور بود　　　برگشتنم ز دین دم بسمل ضرور بود
رفت آنکه ما ز حسن مدارا طمع کنیم　　　سر رشته در کفِ اَرِنی گوئی طور بود
مجرم مسنج رند انا الحق سرائے را　　　معشوقه خود نمای و نگهبان غیور بود
نازم بامتیاز که بگزشتن از گناه　　　با دیگران ز عفو و بما از غرور بود
قطع پیام کردی و دانستم آشتیست　　　دلّاله خوبروی و دلم ناصبور بود
دادی صلائے جلوه و غالب کناره کرد　　　کو بخش آن گدا که ز غوغا نفور بود

ز گرمی نگهت خون دل بجوش آمد　　　ز شادیِ ستمت سینه در خروش آمد
فدای شیوهٔ رحمت که در لباس بهار　　　بعذر خواهی رندان باده نوش آمد
زمام حوصله نگرفت و کوهکن جان داد　　　چه نرم شانه گذشت و چه سخت کوش آمد
ترا جمال و مرا مایهٔ سخن سازیست　　　بهار زینتِ دکان گلفروش آمد

بعشق از دو جهان بے نیاز باید بود　　　مجاز سوز حقیقت گداز باید بود

چو لب ز ہرزہ نوایانِ شوق نتوان شد | چو دل ز پردہ سرایان راز باید بود
چو بزم عشرتیان تازہ رو توان جوشید | چو شمع خلوتیان جان گداز باید بود
چو شوق بال کشاید توان بخود بالید | چو ناز جلوہ گرایِ نیاز باید بود
بہ صحن میکدہ سرمست میتوان گردید | بہ کنج صومعہ وقفِ نماز باید بود
نگہ ز دیدۂ بیدار جو کہ سائل را | بہ گدیہ طالب درہائے باز باید بود
بہ بر زراحتِ آزادگی خوری غالب | ترا کہ این ہمہ با برگ و ساز باید بود

شادم بخیالت کہ ز تابم بدر آورد | از کشمکش حسرت خوابم بدر آورد
جان بر سر مکتوب تو از شوق فشاندن | از عہدۂ تحریر جوابم بدر آورد
ساقی نگہی تا بشناسم ز چہ جامست | آن بادہ کہ از بند حجابم بدر آورد
غالب ز عزیزانِ وطن بودہ ام اما | آوارگی از فردِ حسابم بدر آورد

منم بوصل بہ گنجینہ راہ یافتہ دزدی | کہ در ضمیر بُوَد بیمِ پاسبانش د لرزد
دگر بکام خود اے دل چہ بہرہ بُرد توانی | ز سادہ کہ زنی بوسہ بر دہانش د لرزد
ز شیخ وجد بذوقِ نشاطِ نغمہ نیابی | مگر بدل گزرد مرگ ناگہانش د لرزد
فغان ز خجلتِ صرافِ کم عیار کہ ناگہ | بر آورند زر قلب از دکانش د لرزد

گر از فشاندن جان شور نیست در سر غالب   چرا به سجده نهد سر بر آستانش و لرزد

آنانکه وصل یار همی آرزو کنند   باید که خویش را بگدازند و او کنند
می نالی از نی که به ناخن شکسته اند   ای وای ناخنی به دلت گر فرو کنند
آلودهٔ ریا نتوان بود غالبا   پاکست خرقه که بمی شست و شو کنند

چون گویم از تو بر دل شیدا چه میرود   بنگر بر آبگینه ز خارا چه میرود
گویی مباد در شکن طره خون شود   دل زان تست از گره ما چه میرود
با ما که محو لذت بیداد گشته ایم   دیگر سخن ز مهر و مدارا چه میرود
هفت آسمان بگردش و ما در میانه ایم   غالب دگر مپرس که بر ما چه میرود

نه از شرمست کز چشم وی آسان بر نمی آید   نگاهش با درازیهای مژگان بر نمی آید
سرت گردم بزن تیغ و دری بر روی دل بگشا   دلم تنگست کار از زخم پیکان بر نمی آید
مجو آسودگی گر مرد راهی کاندرین وادی   چو خار از پا بر آید پا ز دامان بر نمی آید
بر آر از بزم بحث ای جذبهٔ توحید غالب را   که ترک سادهٔ ما با فقیهان بر نمی آید

چه عیش از وعده چون باور ز عنوانم نمی آید   بنوعی گفت می آیم که میدانم نمی آید

گزشتم زانکہ برزخم دل صدپارہ خون گرید
خود اورا خندہ برچاک گریبانم نمی آید

براہ کعبہ زادم نیست شادم کز سبکساری
برفتن پائے برخار مغیلانم نمی آید

دلش خواہد کہ تنہا سوی من روی آورد لیکن
فریب ہمرہان دانم زنادانم نمی آید

دبیرم شاعرم رندم ندیمم شیوہ ہا دارم
گرفتم رحم بر فریاد و افغانم نمی آید

ندارم بادہ غالبؔ گر سحرگاہش سراہی
بہ بینی مست دانی کز شبستانم نمی آید

لبم از نام تو آن مایہ پرستی کہ اگر
بوسہ بر غنچہ زنم غنچہ نگینِ تو شود

چون بہ سنجد کہ نہ آنست بکاہد از شرم
ماہ یکچند ببالد کہ جبینِ تو شود

چشم و دل باختہ ام دادِ ہنر خواہد داد
آنکہ چون من ہمہ دانُ ہمہ بینِ تو شود

کفر و دین چیست جز آلائش پندار وجود
پاک شو پاک کہ ہم کفرِ تو دینِ تو شود

دوزخِ تافتہٗ ہست نہادت غالبؔ
آہ ازان دم کہ دم بازپسینِ تو شود

خیز و در ماتمِ ما سرمہ فروشو از چشم
وقتِ مشاطگی حسنِ خداداد آمد

رفتہ بودی دگر از جا بہ سخن سازی غیر
منّت از بخت کہ خاموشی ما یاد آمد

خشک و تر سوزی این شعلہ تماشا دارد
عشق یکرنگ کن بندہٗ آزاد آمد

تا نہ دانی جگر سنگ کشودن ہنر است
تیشہ داند کہ چہا بر سر فرہاد آمد

دادہ خونین نفسے رس خیالم غالبؔ
رنگ بر روئے من از سیلی استاد آمد

دوش کز گردشِ بختم گلہ بروئے تو بود — چشم سوی فلک و روے سخن سوئے تو بود

دوست دارم گرہی راکہ بکارم زدہ اند — کایں ہمانست کہ پیوستہ درابروئے تو بود

شب چہ دانی زتو دربزم بخوباں چہ گزشت — خاصہ برصدر نشینی کہ بہ پہلوئے تو بود

ہم ازآں پیش کہ مشّاطہ بدآموز شود — نقش ہر شیوہ در آئینۂ زانوئے تو بود

لالہ و گل دمد از طرفِ مزارش پس مرگ — تا چہا در دلِ غالبؔ ہوسِ روئے تو بود

ہم بسودائی تو خورشید پرستم آرے — دل زمجنوں بردآہو کہ بہ لیلا مانَد

شکوۂ دوست زدشمن نتوانم پوشید — گر غمِ ہجر چنیں حوصلہ فرسا مانَد

دربغل دشنہ نہاں ساختہ غالبؔ امروز — مگزارید کہ ماتم زدہ تنہا مانَد

ہمرہِ روشِ کوثر و حوران کہ دمِ مرگ — ذوقِ مے ناب و ہوسِ روے نکو بُرد

دی رند بہنگامہ خجل کرد عَسَس را — می خورد و ہم ازمیکدہ آبی بسبو بُرد

مارا نبُود ہمتے و اورا نبود صبر — دستی کہ زما شست بخونِ کہ فرو بُرد

یک گریہ پس از ضبط دو صد گریہ رضا دہ — تا تلخئ آن زہر توانم زگلو برد

گردم سرِ آوازۂ آزادگے خویش — صد رہ نہدم بند و گرفتار نداند

پیمانہ برآں رند حرامست کہ غالبؔ — در بیخودے اندازۂ گفتار نداند

خوشا کہ گنبدِ چرخِ کہن فرو ریزد
اگرچہ خود ہمہ بر فرقِ من فرو ریزد

بریدہ ام رہِ دوری کہ گر بیفشانم
بجاے گرد رواں از بدن فرو ریزد

دہد بہ مجلسیان بادہ و بنوبتِ من
بمن نماید و در انجمن فرو ریزد

بمن بساز و بداں غمزہ می بجام مریز
کہ ہوشم از سر و تابم ز تن فرو ریزد

رواست غالبؔ اگر دُرِّ قائلش گوئے
کہ از لبش ز روانی سخن فرو ریزد

اگر بدل نہ خلد ہرچہ از نظر گزرد
زہے روانیِ عمری کہ در سفر گزرد

بوصل لطف باندازۂ تحمّل کن
کہ مرگ تشنہ بود آب چوں ز سر گزرد

حریفِ منّتِ احباب نیستم غالبؔ
خوشم کہ کارِ من از سعیِ چارہ گر گزرد

تا تو بہ عزمِ حرم ناقہ فگندی براہ
کعبہ ز فرشِ سیاہ مردمکِ احرام شد

دیگرم از روزگار شکوہ چہ در خور بود
نالہ شرر تاب شد اشک جگر فام شد

مَی بہ زُہّاد مکن عرض کہ ایں جوہرِ ناب
پیشِ ایں قوم بشو رابۂ زمزم نرسد

ہرچہ بینی بجہاں حلقۂ زنجیری ہست
ہیچ جانیست کہ ایں دائرہ باہم نرسد

آزادگیست سازی اما صدا ندارد
از ہرچہ در گزشتیم آوازِ پا ندارد

عشقست و ناتوانی حسنست و سرگرانی   جور و جفا نتابم مہر و وفا ندارد
اے سبزۂ سرِ رہ از جور پا چہ نالی؟   در کیش روزگاراں گل خوں بہا ندارد
ہر مطلعی کہ ریزد از خامہ ام فغانیست   جز نغمۂ محبت سازم نوا ندارد
جان در غمت فشاندن مرگ از قفا ندارد   تن در بلا فگندن بیمِ بلا ندارد
چشمی سیاہ دارد یعنی بما نہ بیند   روئے چو ماہ دارد اما بما ندارد
چوں لعل تست غنچہ اما سخن نداند   چوں چشم تست نرگس اما حیا ندارد

خونی کہ دی بہ جیبم از و خار خار بود   امروز گل بدامن جلاد میزند
زیں بیش نیست قافلۂ رنگ را درنگ   گل یک قدح بسایۂ شمشاد میزند

باید زمی ہر آئینہ پرہیز گفتہ اند   "آری دروغ مصلحت آمیز گفتہ اند"
خوں ریختن بجوئی تو کردار چشم ماست   مردم ترا برائے چہ خونریز گفتہ اند
نازی بصد مضائقہ عجزی بصد خوشے   گر از تو گفتہ اند زمانہ نیز گفتہ اند
غالب ترا بدیر مسلماں شمردہ اند   آری دروغ مصلحت آمیز گفتہ اند

گفتم گرہ ز کار دل و دیدہ باز کن   از جبہہ ناگشودہ بہ بند نقاب زد
غالب کساں ز جہل حکیمش گرفتہ اند   بیدانشے کہ طعنہ بر اہل کتاب زد

گر قضا ساز تلافی در خور عشرت کند
آہ ازاں خونابہ کاندر جام فغفور افگند

گر مسلمانی یکے بیں زرد ہشتست آنکہ او
اختلافے درمیان ظلمت و نور افگند

نمی گیری بخون خلق بے پروا نگاہاں را
تواند بود یارب بعد محشر محشری باشد

دل نہ تنہا ز فراق تو فغاں ساز دہد
رفتن عکس تو از آئینہ آواز دہد

دل چو بیند ستم از دوست نشاط آغاز د
شیشہ سازیست کہ تا بشکند آواز دہد

ہای پُرکاری ساقی کہ بہ ارباب نظر
می باندازہ و پیمانہ باندازہ دہد

چوں نناز د سخن از مرحمت دہر بخویش
کہ بَرَد عرفی و غالب بعوض باز دہد

عشوۂ مرحمت چرخ مخر کایں عیار
یوسف از چاہ بر آرد کہ ببازار برد

جوہر طبعم درخشاں ست لیک
روز م اندر ابر پنہاں میرود

گر بود مشکل مرنج اے دل کہ کار
چوں رود از دست آساں میرود

جز سخن کفرے و ایمانے کجاست
خود سخن در کفر و ایماں میرود

آید و از ذوق نشناسم کہ کیست
تا رود پنداشتی جاں میرود

ہر کہ بیند در رہش گوید ہمے
قبلۂ آتش پرستاں میرود

کیست تا گوید بدان ایوان نشین — آنچه بر غالب ز دربان میرود

نومیدی ما گردش ایام ندارد — روزی که سیه شد سحر و شام ندارد
بلبل بچمن بنگر و پروانه به محفل — شوقست که در وصل هم آرام ندارد
بوسی که ربایند بمستی ز لب یار — لغزست ولی لذتِ دشنام ندارد

چه خیزد از سخنی کز درون جان نبوَد — بریده باد زبانی که خونچکان نبوَد
امید بوالهوس و حسرتِ من افزون شد — ازین نوید که اندوه جاودان نبوَد
بالتفات نگارم چه جائے تهنیت ست — دعا کنید که نوعی ز امتحان نبوَد
عجب بود سر همخوابی کسی غالب — مرا که بالش و بستر ز پرنیان نبوَد

دلستانان بهلند ارچه جفا نیز کنند — از وفائی که نکردند حیا نیز کنند
خون ناکامی سی ساله هدر خواهد بود — مهر با ما اگر از بهر خدا نیز کنند
اندران روز که پرسش رود از هرچه گزشت — کاش با ما سخن از حسرتِ ما نیز کنند
حلق غالب نگر و دشنهٔ سعدی که سرود — خوبرویان جفا پیشه وفا نیز کنند

چه ذوق رهروی آنرا که خارخاری نیست — مرَو به کعبه اگر راه ایمنی دارد

بباده گر بوَدم میل شاعرم نہ فقیہ
سخن چہ ننگ ز آلودہ دامنی دارد

خوشم ببزم ز اکرام خویش وزین غافل
کہ می نماندہ وساقی فروتنی دارد

بیاوریدگر اینجا بود زباندانے
غریبِ شہر سخنہائے گفتنی دارد

تو داری دین وایمانی بترس ازدیو تیزش
چو نبوَد توشہ راہی چہ باک از رہزنم باشد

بدان تا با من آویزد چو حرفِ زنگ ِ او گوید
دلم با اوستی اما زبان با گلشنم باشد

بزرہمدوش قارون خفتن ازدون ہمتی خیزد
بیا تا در سخن پیچم کہ غالبؔ ہمفنم باشد

خانۂ زنبور شد کلبہ ام از دست چرخ
بسکہ ز آب وگلم رغبت تعمیر برد

تاچند بوالہوس می وعاشق ستم کشد
کو فتنہ تا بداورے ہم علم کشد

دشوار نیست چارۂ عیش گریز پائے
دورِ قدح چو سلسلہ گر سر بہم کشد

شوقم کہ روشناس دلِ نازنین تست
کی منت نوشتن و ناز قلم کشد

صہبا حلال زاہد شب زندہ دار را
اما بشرط آنکہ ہمان صبحدم کشد

از تازگی بد ہر مکرر نمے شود
نقشیکہ کلک غالبؔ خونین رقم کشد

گفتند حور وکوثر و دادند ذوق کار
منعست نام شاہد و مے آشکار برد

می داد یدله جست مگر ابرو قلزمیم — کاور دقطره وگهر شاهوار برد
بیشم از آن بپرس که پرسی و اہل کوے — گویند خستہ زحمت خود زین دیار برد
نازم فریب صلح که غالبؔ زکوئ تو — ناکام رفت و خاطر امیدوار برد

تنگست دلم حوصلۂ راز ندارد — آه از نے تیر تو که آواز ندارد
تمکین برہمن دلم از کفر بگرداند — بت خانه بتے خانه برانداز ندارد
بے حیله زخوبان نتوان چشم ستم داشت — رحمست بران خسته که غمّاز ندارد
کیفیت عرفی طلب از طینت غالبؔ — جام دگران بادۂ شیراز ندارد

ہمه گرمیوۂ فردوس بخوانت باشد — غالبؔ آں انبۂ بنگاله فراموش مباد

ہر ذره را فلک بے زمین بوس میرسد — گر خاک راست دعوئ ناموس میرسد
بیرون میا ز خانه به ہنگام نیمروز — رشک آیدم که سایه بپا بوس میرسد
سجاده رہن می نپذیرفت میفروش — کایں رالنسب بخرقۂ سالوس میرسد

دریغا که کام و لب از کار ماند — سخنہاے ناگفته بسیار ماند
ادائیست او را که از دلربائی — تہفتن زشوخے به اظہار ماند

زقحطِ سخن ماندم خامہ غالبؔ
بہ نخلے کز آوردن بار ماند

ازاں سرمایۂ خوبی بوصلم کام دل جستن
بدان ماند کہ موری خرمنی را درکمیں باشد

لنگر گسست صرصرِ کشتی شکست موج
دانا خورد دریغ کہ ناداں چہ کار کرد

ازبسکہ در کشاکشم از کار رفتہ دست
بندمرا گسستن بند استوار کرد

تامی بزعم من فتد از دستِ من بخاک
افراطِ ذوق دست مرا رعشہ دار کرد

نومیدی از تو کفر و تو راضی نہ بکفر
نومیدیم دگر بتو امیدوار کرد

بشرعِ آویز و حق میجو کم از مجنون نہ بادی
دلش با محملست اما زباں با ساربان دارد

خدارا وقت پرسش نیست گفتم بگذر از غالبؔ
کہ ہم جان برلب و ہم داستانہا بر زبان دارد

آں خود بیازی می برد ویں را دو جو می نشمرد
بنمودمش دیں خندہ زد آوردمش جاں خوش نکرد

با من میاویز ای پدر فرزند آزر را نگر
ہر کس کہ شد صاحب نظر دینِ بزرگاں خوش نکرد

غالبؔ بہ فنِ گفتگو نازد بدیں ارزش کہ او
ننوشت در دیوان غزل تا مصطفیٰ خاں خوش نکرد

قدر مشتاقاں چہ داند دردِ ما چندش بود
آنکہ دائم کار با دلہائے خرسندش بود

باخرد گفتم نشانِ اہلِ معنے باز گوے — گفت گفتاری کہ با کردار پیوندش بود

کسی با من چہ در صورت پرستی حرف دین گوید — ز آزر گفت دانم گر ز صورت آفریں گوید
دلم در کعبہ از تنگی گرفت آوارۂ خواہم — کہ با من وسعت بتخانہائی ہند و چیں گوید
بخشم تا سزا میگوید و از لطف گفتارش — گمان دارم کہ حرفِ دلنشینی بعد ازیں گوید
چرا رانند غالب را ازاں در رہروی باید — کہ راز خلوتِ شہ با گدائے رہ نشیں گوید

من بوفا مُردم و رقیب بدر زد — نیمہ لبش انگبیں و نیمہ تیر زد
کیست درین خانہ کز خطوط شعاعے — مہر نفس ریزہ ہا بہ روزنِ در زد
لشکرِ ہوشم بزور مے نہ شکستی — غمزۂ ساقی نخست راہ نظر زد
برگِ طرب ساختیم و بادہ گرفتیم — ہر چہ ز طبعِ زمانہ بیہدہ سر زد
شاخ چہ بالد گر ارمغانِ گل آرد — تاک چہ نازد اگر صلائے ثمر زد
کام نہ بخشیدہ گنہ چہ شمارے — غالبِ مسکیں بالتفات نیرزد

ترا تنیست کہ بروی سمن خسک باشد — مرا دلیست کہ در وی نشاط غم گردد
بدیں قدر کہ لبے تر کنے و من بمکم — ترا ز بادۂ نوشیں چہ مایہ کم گردد
سبکسریست بدریوزۂ طرب رفتن — خوشا دلے کہ باندوہ محتشم گردد

گرفته خاطر غالب ز هند و اعیانش — بران سرست که آوارهٔ عجم گردد

سخت ست دل غیر و گر از ننگ نگوے — برگشتن مژگاں تو گوید که چه رو داد
شائسته همیں ماؤ تو بودیم که تقدیر — مارا سخن نغز و ترا روی نکو داد
ساقی دگرم بُرد به میخانه ز مسجد — می یک دو قدح بود و فریبم به سبو داد
زیں ساده دلی داد که چوں دید بخوابم — ترسیده خود و مژدهٔ مرگم بعدو داد
حسن تو بساقی گری آئین نشناسد — مہبت آمد و یکبار دو ساغر ز دو سو داد

تو نالی از خلاۓ خار و نگرے که سپهر — سر حسینؑ علیؑ بر سناں بگرداند
برو بشادی و اندوه دل منه که قضا — چو قرعه ابر نمط امتحاں بگرداند
یزید را به بساط خلیفه بنشاند — کلیم را به لباس شباں بگرداند

گر رفته ام ز کوئی تو آساں نرفته ام — ایں قصه از زبان عزیزاں شنیده باد
نغزی و خود پسند به بینم چه میکنے — یارب بدهر هیچو توئی آفریده باد
غالبؔ شراب قندی هندم کباب کرد — زیں بعد باده هاے گوارا کشیده باد

در تیغ زدن منت بسیار نهادند — بُردند سر از دوش و سبکدوش نکردند

داغ دل ما شعلہ فشاں ماند بہ پیری ایں شمع شب آخر شد و خاموش نکردند
روزی کہ بہ می زور و بہ نی شور نہفتند اندیشہ بکارِ خرد و ہوش نکردند
گر خود یغلامے نہ پذیرند گدا باش بر دَر بزن آں حلقہ کہ در گوش نکردند
غالبؔ زتو آں بادہ کہ خود گفت نظیریؔ در کاسۂ ما بادۂ سر جوش نکردند

تاجر شوق بداں رہ بتجارت نرود کہ رہ انجا مدو سرمایہ بغارت نرود
قصر و مہمانکدۂ حاتم و کسریٰ بگذار نام از رفتن آثارِ عمارت نرود
رمز نشناس کہ ہر نکتہ ادائے دارد محرم آنست کہ رہ جز باشارت نرود

بتی دارم ز شنگی روزگاراں خوبہاراں بر بہ مستی خویش را گردِ آرد گوی از ہوشیاراں بر
ندارد شیر خرما ذوقِ صہبا رحم می آید نشاط عید از ماہدیہ سوی روزہ داراں بر

مژدہ اے ذوق خرابی کہ بہارست بہار خرد آشوب تراز جلوۂ یارست بہار
شوخیٔ خوی ترا قاعدہ دانست خزاں خوبیِ روئی ترا آئینہ دارست بہار

بیا و جوش تمنائے دیدنم بنگر چو اشک از سر مژگاں چکیدنم بنگر
زمن بجرم تپیدن کنارہ می کردے بیا بخاکِ من و آرمیدنم بنگر

شنیده ام که نه بینی و نا امید نیم — ندیدن تو شنیدم شنیدنم بنگر
دمید دانهٔ و بالید و آشیان گه شد — در انتظار هما دام چیدنم بنگر
نیاز مندے حسرت کشان نمیدانی — نگاه من شو و دزدیده دیدنم بنگر
بهار من شو و گل گل شگفتنم دریاب — بخلوتم برو ساغر کشیدنم بنگر

من آں نیم که زمرگم جهاں بهم نخورد — فغان زاهد و فریاد برهمن یاد آر
بخود شمار وفاهاے من زمردم پرس — بمن حساب جفاهاے خویشتن یاد آر
هزار خستهٔ و رنجور در جهاں دارے — یکے زغالبِ رنجور خسته تن یاد آر

عمری که بسوادے تو گنجینهٔ غم بود — اینک بتو دادیم تو در عیش بسر بر
مطرب بغزلخوانی و غالبؔ بسماعست — ساقی مے و آلات مے از حلقه بدر بر

اے دل از گلبن امید نشانے بمن آر — نیست گر تازه گلی برگ خزانی بمن آر
یارب ایں مایه وجود از عدم آوردهٔ تست — بوسهٔ چند هم از گنج دهانے بمن آر
سخن ساده دلم را نفریبد غالبؔ — نکتهٔ چند ز پیچیده بیانے بمن آر

اے ذوق نواسنجی بازم بخروش آور — غوغای شبیخونی بر بُنگهِ هوش آور

گر خود نجهد از سر از دیده فرو بارم
دل خون کن و آن خون را در سینه بجوش آور

هان همدم فرزانه داغی رهِ ویرانه
شمعی که نخواهد شد از باد خموش آور

شورابهٔ ایں وادی تلخست اگر رادی
از شهر بسوئی من سرچشمهٔ نوش آور

دانم که زری داری هر جا گزری داری
می گر ندهد سلطان از باده فروش آور

گر مغ به کدو ریزد بر کف نه و راهی شو
ور شه بسبو بخشد بر دار و بدوش آور

ریحان دمد از مینا رامش چکد از قلقل
آں در رهِ چشم افگن ایں از پئے گوش آور

گاہے بسبکدستی از باده ز خویشم بر
گاہے به سیه مستی از نغمه بهوش آور

غالب که بقایش باد همپائے تو گر ناید
باری غزلی فردی زاں موئنه پوش آور

در گریه از بس نازکی رخ مانده بر خاکش نگر
وان سینه سودن از تپش بر خاک نمناکش نگر

برقی که جانها سوختی دل از جفا سر دش ببیں
شوخی که خونها ریختی دست از حنا پاکش نگر

آں کو بخلوت با خدا هرگز نکردے التجا
نالان به پیش هر کسے از جورِ افلاکش نگر

تا نام غم بردی زبان میگفت دریا در میان
دریائے خون اکنون روان از چشم سفاکش نگر

آن سینه کز چشم جهان مانند جان بودی نهان
اینک بے پیراهن عیان از روزن چاکش نگر

بر آستان دیگرے در شکر در بانش ببین
در کوی از خود کمتری در رشک خاشاکش نگر

با خوبی چشم و دلش با گرمے آب و گلش
چشم گهر بارش ببیں آه شرر ناکش نگر

خواند با میدِ اثر اشعارِ غالب هر سحر
از نکته چینے در گزر فرهنگ و ادراکش نگر

هر برق که نظاره گداز ست نهادش
بگزارو به پیمانهٔ ذوق نظرم ریز

رقیب یافته تقریب رنج بیا سودن
تراکه گفت که از بزم سرگراں برخیز

سبوچهٔ دهمت هر سحر زمی غالبؔ
خدا‌ے را ز سر کوچه مغاں برخیز

با همه گم گشتگی خالی بود جایم هنوز
گاه گاهی در خیال خویش می آیم هنوز

تا سرِ خارِ کدامیں دشت در جاں میخلد
کز هجوم شوق می خارد کف پایم هنوز

خشک شد چندانکه می جزو بدن شد شیشه را
همچناں گوئی در انگورست صهبایم هنوز

بعد مردن مشت خاکم در نورد صرصرست
بیقراری میزند موج از سراپایم هنوز

تازه دور افتادهٔ ظرف بساط عشرتم
میتواں افشرد می از لای پالایم هنوز

صد قیامت در نورد هر نفس خوں گشته است
من ز خامی در فشار بیم فردایم هنوز

تا کجا یارب فروشست اشک من ظلمت زخاک
لاله بیداغ از زمیں روید بصحرایم هنوز

با تغافل بر نیامد طاقتم لیک از هوس
در تمنائے نگاه بے محابایم هنوز

لطفی به تحت هر نگه خشمگیں شناس
آرائش جبینِ شگرفاں زچیں شناس

آرائش زمانه ز بیداد کرده اند
هر خوں که ریخت غازهٔ روئے زمیں شناس

بے غم نهادِ مردِ گرامے نمے شود
زنهار قدر خاطر اندوهگیں شناس

غالبؔ مذاق ما نتوان یافتن زما — رو شیوۂ نظیری و طرزِ حزیں شناس

تیغ از نیام بیہدہ بیرون نکردہ کس — ما را بہیچ کشتہ و ممنون نکردہ کس
فرصت ز دست رفتہ و حسرت فشردہ پای — کار از دوا گزشتہ و افسون نکردہ کس
یارب بزاہدان چہ دہی خلد رائیگاں — جورِ بتان ندیدہ و دل خون نکردہ کس
غالبؔ ز حسرتی چہ سرائی کہ در غزل — چون او تلاشِ معنی و مضمون نکردہ کس

ہمہ محسوس بود ایزد عالم معقول — غالبؔ ایں زمزمہ آواز نخواہد خاموش

بعرض شہرتِ خویش احتیاج ما دارد — چو شعلۂ کہ نیاز او فتد بخار و خسش
ز رنگ و بوے گل و غنچہ در نظر دارم — غبار قافلۂ عمر و نالۂ جرسش
مرا بہ غیر ز یک جنس در شمار آورد — فغان کہ نیست ز پروانہ فرق تا مگسش
جگر ز گرمی ایں جرعہ تشنہ تر گردید — فغان ز طرز فریب نگاہ نیم رسش
خوشم کہ دوست خود آزمایہ بیوفا باشد — کہ در گمان نسگالم امیدگاہ کسش
بہار پیشہ جوانی کہ غالبش نامند — کنون ببیں کہ چہ خوں میچکد ز ہر نفسش

بہ خلد از سردی ہنگامہ خواہم — برافروزم بگرد کوثر آتش

بدان ماند زشاہد دعوے مہر — کہ ریزد از دم افسون گر آتش
قمر در عقرب و غالبؔ بدہلی — سمندر در شط و ماہی در آتش

قطرۂ خونی گرہ گردید دل دانستمش — موج زہر آبی بطوفاں زد زباں نامیدمش
غربتم ناساز گار آمد وطن فہمیدمش — کرد تنگی حلقۂ دام آشیاں نامیدمش
در سلوک از ہر چہ پیش آمد گزشتن داشتم — کعبہ دیدم نقش پائے رہرواں نامیدمش
بر امید شیوۂ صبر آزمائے زیستم — تو بریدی از من و من امتحاں نامیدمش
بود غالبؔ عندلیبے از گلستانِ عجم — من زغفلت طوطیٔ ہندوستاں نامیدمش

زلکنت می تپد نبض رگ لعل گہر بارش — شہید انتظار جلوہ خویشست گفتارش
بدیں سوزم رواجی نیست ہی فرہاد را نازم — کہ از تاب شرار تیشۂ گرمست بازارش
بد اگر دوست زندان مرا تاریک بگزارد — بدیں حسنی کہ در گیرد چراغ از تاب رخسارش

اگر بادہ گرائے قدح ز نرگس خواہ — و گر بسجہ زشبنم برشتہ گوہر کش
بداں ترانہ کہ ممنوع نیست مستی کن — ازاں شراب کہ نبود حرام ساغر کش
مذاق مشرب فقر محمدؐ ے داری — مے مشاہدۂ حق نیوشش و دم درکش
نشاط ورزو گہر پاش و شادمانی کن — جہاں ستان و قلمرو کشای و لشکر کش

ترا اگر گفت کہ منت کشی ز چرخ کبود
بقہر کام دل خویشتن ز اختر کش

چون عکس پل بسیل بذوقِ بلا برقص
جا را نگاه دار و ہم از خود جدا برقص

نبود وفای عہد دمی خوش غنیمت ست
از شاہدان بنازش عہد وفا برقص

ذوقیست جستجو چہ زنے دم ز قطع راه
رفتار گم کن و بصدائے درا برقص

در عشق انبساط بپایاں نمیرسد
چون گرد باد خاک شو و در ہوا برقص

فرسوده رسمہاے عزیزان فروگزار
در سور نوحہ خوان و بزم عزا برقص

چون خشم صالحان و ولاے منافقان
در نفس خود مباش و لے برملا برقص

از سوختن الم ز شگفتن طرب مجوے
بیہوده در کنار سموم و صبا برقص

غالب بدین نشاط کہ وابستۂ کۂ
بر خویشتن ببال و بہ بندِ بلا برقص

دل در غمش بسوز کہ جان میدہد عوض
ور جان دہی غمی بہ ازان میدہد عوض

فارغ مشو ز دوست بمی در ریاض خلد
از ما گرفت انچہ ہمان میدہد عوض

سرمایۂ خرد بجنون ده کہ این کریم
یک سود را ہزار زیان میدہد عوض

نبود سخن سرائی ما رائگان کہ دوست
دل میبرد ز ما و زبان میدہد عوض

نازم بدست سبحہ شماریکہ عاقبت
شوقش کف پیالہ ستاں میدہد عوض

پاداش ہر وفا بجفائے دگر کند
غالب ببین کہ دوست چسان میدہد عوض

گوئی کہ ہاں وفا کہ وفا بودہ است شرط
آری ہمیں زجانبِ ما بودہ است شرط

لب بر لبت نہادن وجان دادن آرزوست
در عرضِ شوقِ حسنِ ادا بودہ است شرط

تا نگذرم ز کعبہ چہ بینم کہ خود ز دیر
رفتن بہ کعبہ رو بقفا بودہ است شرط

غالبؔ بعالمی کہ تو ئی خون دل بنوش
از بہر بادہ برگ و نوا بودہ است شرط

تکیہ بر عہدِ زباں تو غلط بود غلط
کایں خود از طرزِ بیانِ تو غلط بود غلط

آنکہ گفت از من دلخستہ بہ پیشِ تو رقیب
کہ غلط بود بجانِ تو غلط بود غلط

غنچہ را نیک نظر کردم ادائے دارد
دیں کہ مانند بدہانِ تو غلط بود غلط

دل نہادن بہ پیامِ تو خطا بود خطا
کام جستن ز لبانِ تو غلط بود غلط

آخر اے بوقلموں جلوہ کجائی کاینجا
ہر چہ دادند نشانِ تو غلط بود غلط

مرا کہ بادہ ندارم ز روزگار چہ حظ
ترا کہ ہست و نیاشامی از بہار چہ حظ

خوشست کوثر و پاکست بادہ کہ دوست
ازاں رحیقِ مقدس دریں خمار چہ حظ

چنیں کہ نخل بلندست و سنگ ناپیدا
زمیوہ تا نفتد خود ز شاخسار چہ حظ

بہ بندِ زحمتِ فرزند و زن چہ می کشیم
ازیں نخواستہ غمہائے ناگوار چہ حظ

تا رغبتِ وطن بنود از سفر چہ حظ
آنرا کہ نیست خانہ بہ شہر از خبر چہ حظ

دلہاے مردہ را ز نشاط نفس چہ کار
گلہاے چیدہ را ز نسیم سحر چہ حظ

تا فتنہ در نظر نہی از نظر چہ سود
تا دشنہ بر جگر نخوری ز جگر چہ حظ

ز النسوئی کانح روزن دیوار بستہ اند
بے دوست از مشاہدۂ بام و درچہ حظ

چوں پردۂ محافہ ببالا نمیزند
از وے بداعیان سر رہگزر چہ حظ

تا لف شوق تو انداختہ جاں در تن شمع
شر راز رشتۂ خویشست بہ پیراہن شمع

مجمعی از دل و جانست بگرد در دوست
تودۂ از پر و بالست بہ پیراہن شمع

روزم از تیرگے آن وسوسہ ریزد بنظر
کہ شب تار بہنگام فرو مردن شمع

نازم آں حسن کہ در جلوہ ز شہرت باشد
خاطر آشوب گل و قاعدہ برہم زن شمع

بر نتابد ز بتاں جلوہ گر فتار، کسے
صبح را کردہ ہوا داری گل دشمن شمع

می گدازم نفسے بے شرر و شعلہ و دود
داغ آں سوز نہانم کہ نباشد فن شمع

وقت آرائش ایوان بہارست کہ باز
کوہ از جوش گل و لالہ بود معدن شمع

غالبؔ از ہستی خویشست عذابی کہ مراست
ہم ز خود خار غم آویختہ در دامن شمع

شادم کہ بر انکار من شیخ و برہمن گشتہ جمع
کز اختلاف کفر و دیں خود خاطر من گشتہ جمع

مقتول خویشاں خودم جوئید خون ریز مرا
زینان کہ بر نعش منند از بہر شیون گشتہ جمع

در گریہ تا رفتم ز خود اندوہم از سر تازہ شد
بر ہیئت دل لخت دل بازم بدامن گشتہ جمع

ہی ہی چہ خوش باشد بہ دی آتش بہ پیش مرغ و مے — از بذلہ سنجاں چند کس در یک نشیمن گشتہ جمع
صحبت و گوناگوں اثر غالب چہ خسپی بے خبر — نیکان بمسجد رفتہ در رندان بگلشن گشتہ جمع

اگر بہ مہر نخواندی بناز خواہے کشت — نہ ہر چہ وعدہ کنی سر بسر دروغ دروغ
دگر کرشمہ در ایجاد شیوۂ نگہیست — تو وز عربدہ قطع نظر دروغ دروغ
دریں ستیزہ ظہوری گواہ غالب بس — من وز کوئی تو عزم سفر دروغ دروغ

ہنگام بوسہ بر لب جاناں خورم دریغ — در تشنگی بچشمۂ حیواں خورم دریغ
دل زان تست ہدیۂ تن کن کنار و بوس — چند از تو بر نوازش پنہاں خورم دریغ

سعی در مرگ رقیبان گرانجان کردی — می شناسم کہ چہ از ناز و ادا گشت تلف
آمدی دیر بپرسش چہ بشارت آرم — من و عمری کہ باندوہ وفا گشت تلف
رنگ و بو بود ترا برگ و نوا بود مرا — رنگ و بو گشت کہن برگ و نوا گشت تلف
گیرم امروز دہی کام دل آں حسن کجا — اجر ناکامی سی سالۂ ما گشت تلف
کاش پاے فلک از سیر بماندی غالب — روزگاری کہ تلف گشت چرا گشت تلف

اے کردہ عزم بیخبر شوزیں نشانہا یکطرف — رختم بساحل یکطرف شستم بدریا یکطرف

تا دل بدنیا داده ام در کشمکش افتاده ام — اندوه فرصت یکطرف ذوق تماشا یکطرف

بجز دمی نکند خسته ام چو سنگ در آب — هجوم ریزش غمهاے سخت و قلبِ رقیق
براه کعبه هلاکم ستم کنی باور — تو اے که بیهده باز آمدی ز بیت عتیق
ترا به پهلوے میخانه جا دهم غالبؔ — بشرط آنکه قناعت کنی ببوی رحیق

بزم باده گریبان کشودلش نگرید — خوشا بهانهٔ مستے خوشا رعایت شوق
هران غزل که مرا خود بخاطرست هنوز — ببانگ چنگ ادامی کند زغایت شوق
دخاں ز آتش یاقوت گرد مد عجبست — عجب ترست ازیں پرلیش حکایت شوق
ترا ز پرسش احباب بے نیاز کند — غرور یکدلی و زنازشش حمایت شوق

مرد آنکه در هجوم تمنا شود هلاک — از رشک تشنهٔ که بدریا شود هلاک
نا مرد را بلخلخه آسائش مشام — مرد از تف سموم به صحرا شود هلاک
غم لذتیست خاص که طالب بذوق آں — پنهاں نشاط وَرزد و پیدا شود هلاک

بحر اگر موج زنست از خس و خاشاک چه باک — با تو ز اندیشه چه اندیشه و از باک چه باک
شتی نیست اگر خانه چراغے دارد — با دلِ از تیرگیِ زاویهٔ خاک چه باک

کلک ما تا بہ کفِ ماست ز دشمن چہ ہراس
چون فریدون علم آراست ز ضحاک چہ باک
طبعم از دخل خساں باز نہ استد ز سخن
شعلہ را غالبؔ از آویزشِ خاشاک چہ باک

ازیں پرسش کہ بسیار ست از تو
شد اندوہ دلِ زارِ من اندک
ز خاصانت گرامے گوہری ہست
کہ میداند ز اسرارِ من اندک
وجودم خوانِ یغما بود غم را
تو ہم بر وے ز بسیارِ من اندک
نگویم تا نباشد لغز غالبؔ
چہ غم گر ہست اشعارِ من اندک

اے ترا و مرا دریں نیرنگ
دہن و چشم و دست و دل ہمہ تنگ
شکوہ و شکر ہرزہ و باطل
غالبؔ و دو دست آبگینہ و سنگ

نہ مرا دولت دنیا نہ مرا اجر جمیل
نہ چو نمرود توانا نہ شکیبا چو خلیل
غالبؔ سوختہ جاں را چہ بگفتار آری
بدیاری کہ ندانند نظیریؔ ز قتیلؔ

زان شعر کہ در شکوۂ خوے تو سرایم
لفظم بزباں ماند و مضمونؔ رود از دل

گفتم ز شادی بنودم گنجیدن آساں در بغل
تنگم کشید از سادگی در وصل جاناں در بغل

نازم خطر ورزیدنش واں ہرزہ دل لرزیدنش
چینی ببازی بر جبیں دستی بہ دستاں در بغل

آہ از تنک پیراہنی کافزون شدش تر دامنی
تا خوی بروں داد از حیا گردید عریاں در بغل

دانش ہمی درباختہ خود را ز من نشناختہ
رخ در کنارم ساختہ از شرم پنہاں در بغل

گاہم بہ پہلو خفتہ خوش بستی لب از حرف و سخن
گاہم ببازو ماندہ سر سودی زنخداں در بغل

ناخواندہ آمد صبحگہ بند قبائش بے گرہ
واندر طلب منشورِ شہ نکشودہ عنواں در بغل

ہاں غالبؔ خلوت نشیں بیمی چناں عیشی چنیں
جاسوس سلطاں در کمیں مطلوب سلطاں در بغل

برگوشۂ بساط غریب ست و آشناست
گلبن دیار گل بود و شاخ کوے گل

تا گل برنگ و بوے کہ ماند کہ در چمن
گل در پس گل آمدہ در جستجوے گل

زانگہ کہ عندلیب لقب دادۂ مرا
افزودۂ امید من و آبروے گل

در موسم تموز گلابے بہ تن بریز
تا آب رفتہ باز بیاید بجوے گل

غالبؔ ز وضع طالبم آید حیا کہ داشت
"چشمی بسوے بلبل و چشمی بسوے گل"

تن برکرانہ ضائع دل درمیانہ غافل
چوں غرقۂ کہ ماند رختش بسوے ساحل

راز تو در نہفتن تبخالہ ریخت برلب
تیر تو در گزشتن پیکاں گداخت در دل

رفتم کہ کہنگی ز تماشا برافگنم
در بزم رنگ و بو نمطی دیگر افگنم

نخلم کہ ہم بجاے رطب طوطی آورم
ابرم کہ ہم بروے زمین گوہر افگنم

بادیریان ز شکوۂ بیدادِ اہل دیں
مہری ز خویشتن بدل کافر افگنم

تا بادہ تلخ تر شود و سینہ ریش تر
بگدازم آبگینہ و در ساغر افگنم

منصور فرقۂ علی اللّٰہیان منم
آوازۂ انا اسد اللّٰہ در افگنم

شعلہ چکد غم کرا گل شگفد مزد کو
شمع شبستانیم بادِ سحرگاہیم

دور رفتادم زیار ماہی بے دجلہ ام
نیست دلم در کنار دجلۂ بے ماہیم

آن تن چوں سیم خام وانہمہ انگیز تن
تا چہ فراہم شدست اجرتِ جانکاہیم

غالبؔ نام آورم نام و نشانم مپرس
ہم اسد اللہیم و ہم اسد اللہیم

برلب یا علی سرای بادہ روانہ کردہ ایم
مشربِ حق گزیدہ ایم عیش مغانہ کردہ ایم

بادہ بوام خوردہ و زر بقمار باختہ
وہ کہ زہر چہ ناسزاست ہم بسزانہ کردہ ایم

ناخن غصہ تیز شد دل بستیزہ خو گرفت
تا بخود اوفتادہ ایم از تو کرانہ کردہ ایم

غالبؔ ازانکہ خیر و شر جز بقضا نبودہ است
کار جہاں ز پُر دلی بے خبرانہ کردہ ایم

ہر قدم لختی ز خود رفتن بود در بار من
ہمچو شمع بزم در راہ فنا زادِ خودم

میدہم دل را ز بیدادت فریب التفات
سادگی بنگر کہ در دام تو صیادِ خودم

عالم توفیق را غالبؔ سواد اعظم
مہر حیدر پیشہ دارم حیدر آبادِ خودم

خوی تو دانستم اکنون بہر من زحمت مکش
رام بودم تا دل امیدواری داشتم
دیگر از خویشم خبر بنود تکلّف برطرف
اینقدر دانم کہ غالبؔ نام یاری داشتم

دیدم آن ہنگامہ بیجا خوف محشر داشتم
خود ہمان شورست کاندر زیست در سر داشتم
تا چہ سنجم دوزخ و کوثر کہ من نیز این چنین
آتشی در سینہ و آبے بساغر داشتم
بر سر راہش نشستم بر درش راہم نبود
خویش را از خویشتن لختی نکوتر داشتم
نامۂ شاہد دگر عنوانِ شاہی دیگرست
انچہ نایداز ہما چشم از کبوتر داشتم
ہیچ میدانی کہ غالبؔ چوں بسر بردم بدہر
منکہ طبع بلبل و شغل سمندر داشتم

پرتو مہر سیاہے زگلیم نبرد
سایہ ام سایہ شب و روز برابر دارم
سوخت دل بے تو ز وصلم چہ کشاید اکنون
حسرتت بیشتر و ذوق تو کمتر دارم
مرحبا سوزِ تن و جاں بخشی آتش غالبؔ
خندہ بر گمرہے خضر و سکندر دارم

شبہاے غم کہ چہرہ بخوناب شستہ ایم
از دیدہ نقش وسوسۂ خواب شستہ ایم
زاہد خوشست صحبت ز آلودگی مترس
کایں خرقہ بارہا بہ مئے ناب شستہ ایم

بیدست وپا به بحر توکل فتاده ایم — ازخویش گرد زحمت اسباب شسته ایم
غالب رسیده ایم به کلکتهٔ و به مے — ازسینه داغ دوری احباب شسته ایم

باتو عرض وعده ات حاشا که از ابرام نیست — هرچه میگوئی همی خواهم که تکرارش کنم
راحت خود جستم و رنج فراوان یافتم — مژده دشمن را اگر جهدی در آزارش کنم
نکته هایش بے دہن میریزد از لب غالبا — بزبان گردم که شرح لطف گفتارش کنم

در عرض شوق صرفه نبردیم در وصال — در شکوه ہائے خواه مخواهش گرفته ایم

تا فصلی از حقیقت اشیا نوشته ایم — آفاق را مرادف عنقا نوشته ایم
ایماں بغیب تفرقه ہا رُفت از ضمیر — زاسما گزشته ایم و مسمّے نوشته ایم
در ہیچ نسخه معنے لفظ امید نیست — فرہنگنامه ہائے تمنّا نوشته ایم
آینده وگزشته تمنّا و حسرت ست — یک کاشکی بود که بصد جا نوشته ایم
آغشته ایم ہر سر خاری بخون دل — قانون باغبانی صحرا نوشته ایم
غالب الف ہمان علم وحدت خودست — برلا چه برفزود گر الّا نوشته ایم

برتر ہمے پرد ز ملک بہر کسر نفس — خود را به بند سلسلهٔ آدم افگنم

خوشنودم از تو وز پئے دورباش خلق — آوازهٔ جفاے تو در عالم افگنم

دوزند گر بہ فرض زمیں را با آسماں — حاشا کزیں فشار در ابرو خم افگنم

گم گشته بکوی تو نه دل بلکه خبر هم — درلرزه زخوی تو نه دم بلکه اثر هم

تا حسن به بے پردگی جلوه صلا زد — دیدیم که تاری ز نقابست نظر هم

اسکندر و سرچشمهٔ آبی که زلال ست — ما و لب لعلیں که شرابست و شکر هم

آن خانه برانداز بدل پرده نشینست — اے دیده تو نا محرمے و حلقهٔ در هم

هم بعالم ز اهل عالم برکنار افتاده ام — چون امام سبحه بیرون از شمار افتاده ام

کار و بار موج با بحرست خودداری مجوی — در شکست خویشتن بے اختیار افتاده ام

.لو دبد گو ساده با خود همزبانش کرده ایم — از وفا آزردنت خاطر نشانش کرده ام

گوشهٔ چشمش ببزم دلربایان بامنست — وقت من خوش باد کز خود بدگمانش کرده ام

تا نیارد خورده بر بدمستی دوشم گرفت — بوسه را در گفتگو مُهر دهانش کرده ام

غالب از من شیوهٔ نطق ظهوری زنده گشت — از نوا جان در تن ساز بیانش کرده ام

میربایم بوسه و عرض ندامت میکنم — اختراعی چند در آداب صحبت میکنم

سنگ و خشت از مسجد ویرانہ می آرم بہ شہر
خانہ در کوے ترسایاں عمارت میکنم

کردہ ام ایمان خود را دستمزد خویشتن
می تراشم پیکر از سنگ و عبادت میکنم

زنگ غم ز آئینۂ دل جز بمی نتواں زدود
در دم از دہر ست و با ساقی شکایت میکنم

غالبم غالب بہم آئین بر نتابم در سخن
بزم برہم میزنم چنداں کہ خلوت میکنم

غالب ایں لعب بگل مہر رضا جوئی تست
تو خریدار گہر باش گہر بنمائم

تا بکی صرف رضا جوئی دلہا باشم
فرصتم باد کزیں پس ہمہ خود را باشم

ہمچوں آں قطرہ کہ بر خاک فشاند ساقی
دُورم از کنج لبت گر ہمہ صہبا باشم

قبلۂ گم شدگانِ رہِ شوقم غالب
لاجرم منصب من نیست کہ یکجا باشم

گزشتم از گلہ در وصل فرصتم بادا
زبان کوتہ و دستِ دراز میخواہم

گرفتہ خاطر از اسباب دسترخوشی باقیست
ترانۂ کہ نہ گنجد بہ ساز میخواہم

زمن حذر نہ کنی گر لباس دیں دارم
نہفتہ کافرم و بت در آستیں دارم

زمردیں بنود خاتم گدا دریاب
کہ خود چہ زہر بود کان تہ نگیں دارم

ترانہ گفتم اگر جان و عمر معذورم
کہ من وفائے تو با خویشتن یقیں دارم

جواب خواجہ نظیری نوشتہ ام غالبؔ — ”خطا نمودہ ام و چشم آفریں دارم“

بیا کہ قاعدۂ آسماں بگردانیم
قضا بہ گردشِ رطلِ گراں بگردانیم

ز چشم و دل بتماشا تمتع اندوزیم
ز جان و تن بمدارا زیاں بگردانیم

بگوشۂ بنشینیم و در فراز کنیم
بہ کوچہ بر سرِ رہ پاسباں بگردانیم

اگر ز شحنہ بود گیر و دار نندیشیم
وگر ز شاہ رسد ارمغاں بگردانیم

اگر کلیم شود ہمزباں سخن نہ کنیم
وگر خلیل شود میہماں بگردانیم

گل افگنیم و گلابے بہ رہ گزر پاشیم
مے آوریم و قدح درمیاں بگردانیم

ندیم و مطرب و ساقی ز انجمن رانیم
بکار و بار زنی کارداں بگردانیم

گہی بہ لابہ سخن با ادا بیامیزیم
گہی بہ بوسہ زبان در دہاں بگردانیم

نہیم شرم بیک سوی و باہم آویزیم
بشوخئے کہ رخِ اختراں بگردانیم

ز جوشِ سینہ سحر را نفس فرو بندیم
بلائے گرمیِ روز از جہاں بگردانیم

بوہم شب ہمہ را در غلط بیندازیم
ز نیمہ رہ رمہ را باشباں بگردانیم

بجنگ باج ستانان شاخساری را
تہی سبد ز درِ گلستاں بگردانیم

بہ صلح بال فشانانِ صبح گاہے را
ز شاخسار سوئے آشیاں بگردانیم

ز حیدریم من و تو ز ما عجب نبود
گر آفتاب سوی خاوراں بگردانیم

بمن وصال تو باور نمی کند غالبؔ
بیا کہ قاعدۂ آسماں بگردانیم

دانش و گنجینه پنداری یکیست — حق نهان داد آنچه پیدا خواستیم
قطع خواهشها ز ما صورت نداشت — همّت از غالبؔ همانا خواستیم

نیم در بند آزادی ملامت شیوه ها دارد — شنیدم جامهٔ زندان ترا عیبست میپوشم
خدایا زندگی تلخست گر خود نقل و مَی نبود — دلی ده کز گداز خویش گردد چشمهٔ نوشم
مرنج از وعدهٔ وصلی که با من در میاں آری — که خواهد شد بذوق وعدهٔ دیگر فراموشم
بهارِ گلشن کوی توام مسپار در خاکم — چراغ بزم نیرنگ توام مپسند خاموشم

وحشتی در سفر از برگ سفر داشته ایم — توشهٔ راه دلے بود که برداشته ایم
ناله تا گم نکند راه لب از ظلمت غم — جاں چراغیست که بر راهگذر داشته ایم
داغ احسانِ قبولی ز لیمانش نیست — ناز بر خرّمی بختِ هنر داشته ایم
بیش ازیں مشرب ما نیز سخن سازی بود — لختی از خوشدلی بےخبر داشته ایم
وارسیدیم که غالبؔ بمیاں بود نقاب — کاش دانیم که از روے که برداشته ایم

یارب بشهوت و غضبم اختیار بخش — چنداں که دفعِ لذت و جذبِ الم کنم
تا دخل من بعشق فزوں تر بود ز خرج — خواهم که از تو بیش کشم ناز و کم کنم
خشکست کشت شیوهٔ تحریر رفتگاں — سیرابش از نمِ رگ ابر قلم کنم

بیا لطف ہوا بنگر کہ چوں موج مے از مینا
گل از شاخ گلستی جلوہ گر پیش از دمیدن ہم

نہ از مہر ست گر بر داستانم می نہد گوشی
ہمان از نکتہ چینی خیزدش ذوق شنیدن ہم

چہ پرسی کز لبت وقت قدح نوشی چہ میخواہم
ہمیں بوسیدنی چون مست تر گردی مکیدن ہم

ادب آموزیش در پردۂ محراب می بینم
نخست از جانبِ حق بودہ اندازِ خمیدن ہم

نخواہد روز محشر دادخواہِ خویش عالم را
تو بخشید ایزد شیوۂ ناز آفریدن ہم

دل از تمکین گرفت و تاب وحشت نبودم غالب
نگنجد در گریباں من از تنگیِ دریدن ہم

خاموشم و در دل ز ملالم اثرے نیست
سر جوش گداز نفسم لائے ندارم

ناز تو فراوان بود و صبر من اندک
تو دست و دلی داری و من پائے ندارم

بگذار کہ از راہ نشینان تو باشم
پائے کہ شود مرحلہ پیمائے ندارم

زخم جگرم بخیہ و مرہم نہ پسندم
موج گہرم جنبش و رفتار ندانم

نقدِ خردم سکۂ سلطان نپذیرم
جنس ہنرم گرمی بازار ندانم

غالب نبود کوتہی از دوست ہمانا
زانسان دہدم کام کہ بسیار ندانم

در ہر انجام محبت طرحِ آغاز افگنم
مہر بردارم از و تا ہم براو باز افگنم

ہر قدر کز حسرت آبم در دہن گردد ہمے
ہم ز استغنا بروئے بخت ناساز افگنم

ترکِ صحبت کردم و در بندِ تکمیلِ خودم
نغمہ ام جان گشت خواہم در تنِ سازِ افگنم

اے ز سازِ زنجیرم در جنوں نوا گر کن
بند گر بدین ذوق ست پارۂ گراں تر کن

زانچہ دل زہم پاشد لب چہ طرف بر بندد
یا مجالِ گفتن دہ یا نہ گفتہ باور کن

زین درونہ کاویہا گوہرم بکف نامد
خدمتی معین شد اجرتے مقرر کن

بخششِ خداوندی گر فراخورِ ظرف ست
ہم بہوش بیشی دہ ہم بہ مَی توانگر کن

ہا پری شیوہ غزالاں و زمردم رَمِ شان
دلِ مُردم بخم طرّۂ خم درِ خمِ شان

آشکارا کُش و بدنام و نکونامے جوی
آہ ازیں طائفہ وانکس کہ بود محرمِ شان

رشک بر تشنۂ تنہا رو وادی دارم
نہ بر آسودہ دلانِ حرم و زمزمِ شان

اے کہ راندی سخن از نکتہ سرایانِ عجم
چہ بما منت بسیار نہے از کمِ شان

ہند را خوش نفسانند سخنور کہ بود
بادِ در خلوتِ شان مشکفشان از دمِ شان

مومن و نیّر و صہبائی و علوی و انگاہ
حسرتی اشرف و آزردہ بود اعظمِ شان

غالبِ سوختہ جان گرچہ نیرزد بہ شمار
ہست در بزمِ سخن ہمنفس و ہمدمِ شان

جنون مستم بفصلِ نوبہارم میتواں کشتن
صراحی بر کف و گل در کنارم میتواں کشتن

بجرم اینکہ در مستی بپایاں بردہ ام عمری
بکوے میفروشاں در خمارم میتواں کشتن

طاق شد طاقت ز عشقت بر کران خواہم شدن
مہربان شو ورنہ بر خود مہربان خواہم شدن

خار و خس ہر گہ در آتش سوخت آتش میشود
مردم از ذوق لبت چنداں کہ جاں خواہم شدن

بسکہ فکر معنے نازک ہے کا ہد مرا
شاہد اندیشہ را موی میاں خواہم شدن

دل زاں مژہ تیز بیک بار کشیدن
دامن بدر شتے بود از خار کشیدن

دارم سر این رشتہ بد انسان کہ زدیر م
تا کعبہ توان برد بزنار کشیدن

حق گویم و نادان بزبانم دہد آزار
یارب چہ شد آن فتوئ بردار کشیدن

ز آسایش دل گرچہ مرادی و گرم نیست
باری نفس چند بہ ہنجار کشیدن

فرجام سخن گوئے غالب بتو گویم
خون جگرست از رگ گفتار کشیدن

فصلے از باب شکستِ رنگ انشا کردہ ام
میتواں راز درونم خواند از سیمائے من

مست دردم ساز و برگ انتعاشم نالہ ست
بے شکستن بر نیاید بادہ از مینائے من

خاطر منت پذیر و خوے نازک دادہ
گر نہ بخشی شرمسارم ورنہ بخشی وائے من

خوش بود فارغ ز بند کفر و ایماں زیستن
حیف کافر مردن و آوخ مسلمان زیستن

شیوۂ رندان بے پروا خرام از من مپرس
اینقدر دانم کہ دشوارست آسان زیستن

بر دگوی خرمی از ہر دو عالم ہر کہ یافت
در بیابان مردن و در قصر و ایوان زیستن

راحتِ جاوید ترکِ اختلاطِ مردمست — چون خضر باید ز چشمِ خلق پنہاں زیستن
تا چہ راز اندر تہِ ایں پردہ پنہاں کردہ اند — مرگ مکتوبی بود کو راست عنواں زیستن
روزِ وصلِ یار جان دہ ورنہ عمرے بعد ازیں — ہمچو ما از زیستن خواہی پشیماں زیستن
با رقیباں ہمقفیم اما بدعوی گاہ شوق — مردنست از ما و زیں مشتی گرانجاں زیستن
بر نوید مقدمت صد بار جان باید فشاند — بر امید وعدہ ات زنہار نتواں زیستن

خیرہ کند مرد را مہر درم داشتن — حیف ز ہمچوں خودی چشمِ کرم داشتن
وائے ز دل مردگی خوے بد انگیختن — آہ ز افسردگی روے دژم داشتن
تازگی شوق چیست رنگ طرب ریختن — چہرہ ز خوناب چشم رشکِ ارم داشتن
با ہمہ اشکستگے دم ز درستے زدن — با ہمہ دلخستگی تابِ ستم داشتن
در خمِ دامِ بلا بال فشاں زیستن — با سرِ زلفِ دوتا عہد بہ ہم داشتن
بہر فریب از ریا دامِ تواضع مچیں — دل نرباید ہمی تیغ ز خم داشتن
نقشِ پے رفتگاں جادہ بود در جہان — ہر کہ رود بایدش پاسِ قدم داشتن
غالب آوارہ نیست گرچہ بہ بخشش سزا — خوش بود از چوں توئی چشمِ کرم داشتن

چہ غم ار بہ جد گرفتی ز من احتراز کردن — نتواں گرفت از من بگزشتہ ناز کردن
تو و در کنار شوخم گرہ از جبیں کشودن — من و برخ دو عالم درِ دل فراز کردن

نفسم گداخت شوقت ستمست گر تو دانی
کہ ز تاب نالہ خون شد نہ ز پاس راز کردن

ہلہ تازہ گشتہ غالبؔ روش نظیریؔ از تو
سزد اینچنین غزل را بہ سفینہ ناز کردن

خجل ز راستیِ خویش میتوان کردن
ستم بجان کج اندیش میتوان کردن

تو جمع باش کہ مارا درین پریشانی
شکایتیست کہ با خویش میتوان کردن

سر از حجاب تعین اگر برون آید
چہ جلوہ ہا کہ بہر کیش میتوان کردن

اگر بقدر وفا میکنی جفا حیف ست
بمرگ من کہ ازین بیش میتوان کردن

کسی بجو کہ مرا ورا درین سفر غالبؔ
گواہِ بیکسیِ خویش میتوان کردن

خاکی بروے نامہ فشاندیم مفت تست
ناخواندہ صفحہ حال ز عنوان شناختن

مائیم و ذوق سجدہ چہ مسجد چہ بتکدہ
در عشق نیست کفر ز ایمان شناختن

غالبؔ بقدر حوصلہ باشد کلامِ مرد
باید ز حرف نبض حریفان شناختن

تا ز دیوانم کہ سرمست سخن خواہد شدن
این مَی از قحط خریداری کہن خواہد شدن

کوکبم را در عدم اوج قبولی بودہ است
شہرتِ شعرم بہ گیتی بعد من خواہد شدن

ہم سواد صفحہ مشک سودہ خواہد بیختن
ہم دواتم ناف آہوے ختن خواہد شدن

حرف حرفم در مذاق فتنہ جا خواہد گرفت
دستگاہ ناز شیخ و برہمن خواہد شدن

ہے چہ میگویم اگر اینست وضع روزگار
دفتر اشعار باب سوختن خواہد شدن

چشم کور آئینہ دعوی بکف خواہد گرفت
دست شل مشاطۂ زلف سخن خواہد شدن

شاہد مضمون کہ اینک شہری جان و دلست
روستا آوارۂ کام و دہن خواہد شدن

زاغ زاغ اندر ہوائے نغمہ بال و پر زناں
ہمنوائے پردہ سنجان چمن خواہد شدن

شاد باش ایدل دریں محفل کہ ہر جا نغمہ ایست
شیون رنج فراق جان و تن خواہد شدن

ہم فروغ شمع ہستی تیرگی خواہد گزید
ہم بساط بزم مستی پر شکن خواہد شدن

پردہ ہا از روے کار ہمدگر خواہد فتاد
خلوت گبر و مسلماں انجمن خواہد شدن

گرد پندارِ وجود از رہگزر خواہد نشست
بحر توحید عیانی موجزن خواہد شدن

در تہ ہر حرف غالبؔ چیدہ ام میخانۂ
تا ز دیوانم کہ سرمست سخن خواہد شدن

حق کہ حقست سمیعست فلانے بشنو
بشنو گر تو خداوند جہانے بشنو

لن ترانی بجواب ارِنی چند و چرا
من نہ اینم بشناس و تو نہ آنے بشنو

سوئے خود خوان و بخلوت گہ خاصم جادہ
انچہ دانی بہ شمار اُبخہ ندانے بشنو

لختی آئینہ برابر نہ و صورت بنگر
پارۂ گوش بہ من دار و معانے بشنو

ہر چہ سنجم بتو ز اندیشۂ پیرے بپذیر
ہر چہ گویم بتو از عیش جوانے بشنو

داستان من و بیداری شبہای فراق
تا نہ چسپی و بپاسم ننشانے بشنو

چارہ جو نیستم و نیز فضولے نکنم
من و اندوہ تو چندانکہ توانے بشنو

زینکہ دیدی بہ حکیم طلب رحم خطاست — سخنی چند ز غمہائے نہانے بشنو

محو افسون گر نازیم کہ او را با ما — دور باشیست کہ آہنگ بیا خیزد ازو

دیگر امروز بما بر سر جنگ آمدہ ست — بہ ادائی کہ ہمہ صلح و صفا خیزد ازو

بلبل گلشن عشق آمدہ غالب ز ازل — حیف گر زمزمۂ مدح و ثنا خیزد ازو

در بادۂ طہور غم محتسب کجا — در عیش خلد لذت بیم و زوال کو

غالب بشعر کم ز ظہوری نیم ولے — عادل شہ سخن رس دریا نوال کو

دولت بہ غلط نبود از سعی پشیمان شو — کافر نتوانی شد ناچار مسلمان شو

از ہرزہ رواں گشتن قلزم نتواں گشتن — جوئی بخیاباں رو سیلے بہ بیابان شو

ہم خانہ بسامان بہ ہم جلوہ فراوان بہ — در کعبہ اقامت کن در بتکدہ مہمان شو

آوازۂ معنی را بر ساز دبستان زن — ہنگامۂ صورت را بازیچۂ طفلان شو

گر چرخ فلک گردی سر بر خط فرمان نہ — در گوئی زمین باشی وقف خم چوگان شو

در بند شکیبائی مردم ز جگر خائے — اے حوصلہ تنگی کن اے غصہ فراوان شو

جان داد بغم غالب خشنودی روحش را — در بزم عزائی کش در نوحہ غزلخوان شو

خجلت نگر که در حسناتم نیافتند — جز روزهٔ درست به صهبا کشوده
در بزم غالب آی و بشعر و سخن گرای — خواهی که بشنوی سخنِ ناشنوده

گر نهٔ مشتاق عرض دستگاه حسن خویش — جان فدایت دیده را بهر چه بینا کردهٔ
هفت دوزخ در نهادِ شرمساری مضمر است — انتقامست اینکه با مجرم مدارا کردهٔ
صد کشاد آنرا که هم امروز رخ بنمودهٔ — مژده باد آنرا که محو ذوق فردا کردهٔ
چاره در سنگ و گیاه و رنج با جاندار بود — پیش ازان کاین در رسد آنرا مهیا کردهٔ
جلوه و نظاره پنداری که از یک گوهر است — خویش را در پردهٔ خلقی تماشا کردهٔ

خواستم شکوهٔ بیداد تو انشا کردن — قلم از جوش رقم شد خس طوفان زدهٔ
وائے بر من که رقیب از تو به من نماید — نامهٔ وا شدهٔ مهر بعنوان زدهٔ
بُرد در انجمن شعله رخانم غالب — ذوق پروانهٔ بر روئے چراغان زدهٔ

بر دست و پاے بند گرانے نهادهٔ — نازم به بندگی که نشانے نهادهٔ
ایمن نیم ز مرگ اگر رسته ام ز بند — دلدوز ناوکے به کمانے نهادهٔ
گو هر ز بحر خیزد و معنی ز فکر ژرف — بر ما خراج طبع روانے نهادهٔ
غالب ز غصه مرد همانا خبر نداشت — کاندر خرابه گنج نهانے نهادهٔ

بگوشم میرسد از دور آواز درا امشب
دلی گم گشتۂ دارم کہ در صحراست پنداری

از و باور ندارد دعویٰ ذوق شہادت را
نگاہش با رقیب و خاطرش با ماست پنداری

گر نہ نواہا سرودمے چہ غمستی
منکہ نیم گر نبودمے چہ غمستے

نے بہ سخن مزد نے ستائش اگر من
کشتِ کدیور درودمے چہ غمستے

نیست مشامی شمیم جوئے اگر من
غالیہ چندین نسودمے چہ غمستے

چون درِ دعوے توان بہ لغو کشودن
من بہ ہنر گر کشودمے چہ غمستے

چون دل یاران توان بہزل ربودن
من بہ سخن گر ربودمے چہ غمستے

اے بہ صدمۂ آہی بردلت زما باری
اینقدر گران نبود نالہ ز بیماری

غم چہ در ربود از ما اینکہ انچہ بود از ما
سینۂ و اندوہی خاطرے و آزاری

اے فنا درے بکشا بو کہ در تو بگریزد
ہم ز خلق نومیدی ہم ز خویش بیزاری

ناز مومن و کافر بر چہ دستگاہ آخر
سبحۂ و مسواکے قشقۂ و زناری

شوخیِ شمیمش بین جنبش نسیمش بیں
غنچہ راست آہنگی سرو راست رفتاری

نخواہم از صف حوران ز صد ہزار یکے
مرا بس ست ز خوبان روزگار یکے

سراغ وحدت ذاتش توان ز کثرت جست
کہ سائر ست در اعداد بیشمار یکے

چگویم از دل و جانی کہ در بساط منست
دو برق فتنہ نہفتند در کف خاکے
مرو ز آئینہ خانہ کہ خوش تماشائیست
زہے نگاہِ سبکسیر و شرم دور اندیش
چہ شد کہ ریخت زبان رنگ صد ہزار سخن
دم از ریاست دہلی نمی زنم غالبؔ

ستم رسیدہ یکے نا امیدوار یکے
بلائے جبر یکے رنج اختیار یکے
یکے تو محو خودی و چو تو ہزار یکے
یکے بُدزدی دل رفت و پردہ دار یکے
بخون سرشتہ نوائی ز دل بر آر یکے
منم ز خاک نشینانِ آن دیار یکے

نعم راست بد لسوزی سعی ادب آموزی
صد رہ بہوس خود را با وصل تو سنجیدم
جان باغ و بہار آمادر بینش تو خاکستے
ساقی بزر افشانے دامن ز کریمانستے
فیض ازلے بنود مخصوص گروہی را
غالبؔ سرِ خُم بکشا پیمانہ مے در زن

انداختہ گانش را اندازہ نشانستے
یک مرحلہ تن وانگہ صد قافلہ جانستے
تن مشت غبار آمادر کوئی تو جانستے
پیمانہ گران تر ہست گر بادہ گرانستے
حرفیست کہ مے خوردن آئین مغانستے
آخر نہ شب ماہست گیرم رمضانستے

تا ہم ز دل بُرد کافر ادائے
از خوے نا خوش دو زخ نہیبے
زردشت کیشی آتش پرستے

بالا بلندی کوتہ قبائے
وز روئے دلکش مینو لقائے
برسم گزاری زمزم سرائے

چون مرگ ناگہ بسیار تلخے — چون جان شیریں اندک وفائے
در کام نخشتے ممسک امیری — در دلستانی مبرم گدائے
گستاخ سازی پوزش پسندے — طاقت گدازی صبر آزمائے
در کینہ ورزی تفسیدہ دشتے — در مہربانی بستان سرائے
از زلف پرخم مشکیں نقابے — از تابش تن زرّیں ردائے
در عرض دعوے لیلے نکوہے — بر رغم غالب مجنون ستائے

بدل زعربدہ جائی کہ داشتی داری — شمار عہد وفائے کہ داشتی داری
تو کی زجور پشیماں شدی چہ میگوئے — دروغ راست نمائی کہ داشتی داری
بسینہ چون دل و در دل چو جان خزیدی و باز — نگاہ مہر فزائی کہ داشتی داری
عتاب و مہر تو از ہم شناختن نتواں — خرد فریب ادائی کہ داشتی داری
خراب بادۂ دوشینۂ سرت گردم — ادائے لغزش پائی کہ داشتی داری
جہانیان ز تو برگشتہ اند گر غالب — ترا چہ باک خدائی کہ داشتی داری

شاد باش اے غم زبیم مرگم ایمن ساختی — گشت صرف زندگانی بود گر دشوارئیے
باخرد گفتم چہ باشد مرگ بعد از زندگی — گفت ہی خواب گرانی از پس بیدارئیے
زلہ بردار ظہوری باش غالب بحث چیست — در سخن درویشی باید نہ دکان دارئیے

رفت آنکہ کسب بوی تو از باد کردمے
گل دیدمے و روئے ترا یاد کردمے

رفت آنکہ گر براہ تو جان دادمی ز ذوق
از موجِ گردِ رہ نفس ایجاد کردمے

رفت آنکہ گر لبت نہ بنفریں نواختے
رنجیدمے و عربدہ بنیاد کردمے

رفت آنکہ جانبِ رخ و قدّت گرفتمے
در جلوہ بحث با گل و شمشاد کردمے

رفت آنکہ در اداۓ سپاس پیام تو
ہر گونہ مرغ صد قفس آزاد کردمے

اکنون خود از وفائے تو آزار می کشم
رفت آنکہ از جفائے تو فریاد کردمے

بندم منہ ز طرّہ کہ تابم نماندہ است
رفت آنکہ خویش را بہ بلا شاد کردمے

آخر بداد گاہ دگر اوفتاد کار
رفت آنکہ از تو شکوۂ بیداد کردمے

غالب ہوائے کعبہ بسر جا گرفتہ است
رفت آنکہ عزم خلخ و نوشاد کردمے

بہ توانائی کوشش نتوان یافت ترا
سرخوشیہائے قبولِ ازلی را مانے

جز بچشم و دلِ والا گہران جا نہ کنے
جلوۂ نقشِ کفِ پائے علی را مانے

بدل ہر کہ بچشم تو در آید ناگاہ
داری آن مایہ تصرّف کہ ولی را مانے

اندریں شیوۂ گفتار کہ داری غالب
گر ترقی نکنم شیخ علی را مانے

اے کہ گفتم ندہی دادِ دل آری ندہی
تا چو من دل بہ مغان شیوہ نگاری ندہی

چشمۂ نوشش ہمانا نتراود ز دلے
کش نگیری و در اندیشہ فشاری ندہی

ماه و خورشید دریں دائرہ بیکار نیند
تو کہ باشی کہ بخود زحمت کاری ندہی

رہزنان اجل از دست تو ناگاہ برند
نقد ہوشی کہ بسوادئے بہاری ندہی

بہ خم طرۂ حوران بہشت آویزند
ناز پروردہ دلی راکہ بہ یاری ندہی

گر تنزل بتودَ ابر بہارے غالبؔ
کہ دُرافشانی و زرافشاندہ شماری ندہی

فرقیست نہ اندک ز دلم تا بہ دل تو
معذوری اگر حرف مرا زود نیابے

در مشرب ما خواہش فردوس نجوئے
در مجمع ما طالع مسعود نیابے

در بادۂ اندیشۂ ما دُرد نہ بینے
در آتش ہنگامۂ ما دود نیابے

غالبؔ بہ دکانی کہ بامید کشودیم
سرمایۂ ما جز ہوس سود نیابے

سرچشمۂ خونست ز دل تا بزبان ہاے
دارم سخنی با تو و گفتن نتواں ہاے

سیرم نتوان کرد ز دیدار نکویان
نظارہ بود شبنم و دل ریگ رواں ہاے

باد آورِ ناگفتہ شنو رفت حوالت
دردی کہ بہ گفتن نہ پذیرفت گراں ہاے

از جنت و سرچشمۂ کوثر چہ کشاید
خون گشتہ دل و دیدۂ خونابہ فشاں ہاے

سیماب تنی کز رم برفتت نہادش
گر دیدہ مرا مایۂ آرامش جاں ہاے

بوے گل و شبنم نسزد کلبۂ ما را
صرصر تو کجا رفتی و سیلاب کجائے

حشر ست و خداداد رو ہنگامہ بپایاں
باگرمیِ ہنگامۂ خواہش نہ شکیبم

اے شکوۂ بے مہریِ احباب کجائے
آتش بہ شبستاں زدم اے آب کجائے

آنکہ جوید از تو شرم و آنکہ خواہد از تو مہر
گرنہ در تنگی دہان دوست چشم دشمنست

تقوے از میخانہ و داد از فرنگ آرد ہمی
از چہ رو برکامجویان کار تنگ آرد ہمی

دیدہ ور آنکہ تا نہد دل بشمار دلبری
تا نبود بہ لطف و قہر ہیچ بہانہ درمیاں
اے تو کہ ہیچ ذرہ را جز بہ رہ تو روے نیست
ہر کہ دلست در برش داغ تو رویدش ز دل
رشک مَلک چہ و چرا چون بتو رہ نمی برد
حیف کہ من بجون تپم و ز تو سخن رود کہ تو
بنیم از گداز دل در جگر آتشے چو سیل

در دل سنگ بنگرد رقص بتان آزری
شکر گرفت نارسا شکوہ شمرد سرسری
در طلبت توان گرفت بادیہ ابر رہبری
تا چو بدیگرے دہد باز برے بداوری
بیہدہ در ہوائے تو می پرد از سبکسری
اشک بدیدہ بشمرے نالہ بسینہ بنگری
غالبؔ اگر دمِ سخن رہ بہ ضمیر من بری

زبسکہ با تو بہر شیوہ آشنا ستمے
امیدگاہ من و ہمچو من ہزار کیست
سخن ز دشمن و غمہائے ناگوارش نیست

بہ عشق مرکز پرکار فتنہ ہا ستمے
ز رشک در صدد ترک مدعا ستمے
ز دوست داغ ستمہائے ناروا ستمے

چگونہ تنگ توانم کشیدنت بکنار | کہ باتو در گلہ تنگیٔ قبا ستمے
بیادہ داغ خودی از رواں فروشستہ | ہلاکِ مشربِ رندانِ پارسا ستمے

گلویم تشنہ و جان و دلم افسردہ ہی ساقی | بدہ نوشینہ داروے کہ ہم آتش ہم آبستے
نگویم ظالمی اما تو در دل بودۂ وانگہ | دلی دارم کہ ہمچون خانہ ظالم خرابستے
منال از عمر و ساز عیش کن کز یاد نوروزے | بہ گلشن جلوہ رنگینے عہد شبابستے

غزلیات از مجموعہ سبد چیں

اے خداوند خردمند و جہان داورِ دانا | وے بہ نیروئے خرد بر ہمہ کردار توانا
اے بہ رفتار و بدیدار ز زیبائیٔ و خوبی | سروِ نو خاستہ آسا مہِ ناکاستہ مانا
بہ ادا پایہ فزایا ، بہ نظر عقدہ کشایا | بکرم ابر عطایا ، بغضب برق سنانا
بہ نگہ خستہ نوازا ، بہ سخن بذلہ طرازا | بہ قلم غالیہ سایا ، بہ نفس عطر فشانا

جز دفع غم ز بادہ نبودست کام ما | گوی چراغِ روز سیاہ است جام ما
اے باد صبح عطرے ازاں پیراہن بیار | تسکین ز بوئے گل نہ پذیرد مشام ما
غالب بقول حضرت حافظ ز فیضِ عشق | "ثبت ست بر جریدۂ عالم دوام ما"

هلّہ من عاشقِ ذاتم تنہ ناہا یاہو
ناظرِ حسنِ صفاتم تنہ ناہا یاہو

موسیٰ و حصرِ تماشائے تجلّی بہ طور
من نہ دربندِ جہاتم تنہ ناہا یاہو

ظلمتِ کفر ہمیں روشنی طبع نگر
چشمۂ آبِ حیاتم تنہ ناہا یاہو

مجرمِ عالمِ ارواح بپاداشِ عمل
خستۂ قیدِ حیاتم تنہ ناہا یاہو

تکیہ بر مغفرتِ اوست نہ بر طاعتِ خویش
تارکِ صوم و صلوٰتم تنہ ناہا یاہو

چشم دارم کہ بہ رہ روی دہد بے خبری
جز بدیں نیست نجاتم تنہ ناہا یاہو

غالبم تشنۂ تلخاب نہ ہم چوں حافظ
"مایلِ شاخِ نباتم" تنہ ناہا یاہو

از جسم بجاں نقاب تا کے
ایں گنج دریں خراب تا کے

ایں گوہرِ پرفروغ یارب
آلودۂ خاک و آب تا کے

بیتابیٔ برق جز دمے، نیست
ما، دیں ہمہ اضطراب تا کے

جان در طلبِ نجات تا چند
دل در تعبِ عتاب تا کے

غالب بچنیں کشاکش اندر
یا حضرتِ بوتراب تا کے

بمقصدے کہ مرآن را رہِ خدا گویند
برو، برو کہ ازان سو بیا بیا گویند

کسے کہ پائے ندارد چگونہ راہ رود
خود اہلِ شرع درین داوری چہا گویند

دم از وجود کہ ذنبٌ زدند بے خبران
چسان عطیۂ حق را گناہِ ما گویند

بلے گناہ بود دعویٔ وجود از ما | بہ اہل راز چنیں گوئی تا بجا گویند
نکردہ زر مسِ خود را و بہرِ عرض فریب | بہ پیش خلق حکایت زکیمیا گویند
کسان کہ دعویٔ نیکی ہمی کنند مرا | اگر نہ نیک شمارند بد چرا گویند
طمع مدار کہ یابی خطابِ مولانا | بس است ہم چو توئی را کہ پارسا گویند

بگوئی مُردہ کہ در دہر کارِ غالبؔ زار
ازاں گذشت کہ درویش و بے نوا گویند

از مجموعہ سبد چین

عبودیت نکند اقتضائے خواہش کار | دعا الصیغہ امر ست و امر بے ادبیست

رباعیات

غالب بہ گہر زدودۂ زادشمم
چون رفت سپہبدی زدم چنگ بہ شعر

زان رو بہ صفاے دم تیغست دمم
شد تیر شکستۂ نیاگان قلمم

راہیست ز عبد تا حضور اللہ
این کوثر و طوبے کہ نشانہا دارد

خواہی تو دراز گیر و خواہی کوتاہ
سرچشمۂ و سایہ ایست در نیمۂ راہ

آن مرد کہ زن گرفت دانا نبود
دارد بجہان خانہ و زن نیست درو

از غصہ فراغتش ہمانا نبود
نازم بخدا چرا توانا نبود

چرگر ز زخمہ زخم برچنگ زند
پیداست کہ از بہر چہ آہنگ زند
در پردۂ ناخوشی خوشی پنہانست
گازر نہ زخشم جامہ برسنگ زند

بادست غم آں باد کہ حاصل ببرد
آبِ رخ ہوشمند و غافل ببرد
بگزاشتہ ام خمی ز صہبا بہ پسر
کش اندہِ مرگ پدر از دل ببرد

زانجا کہ دلم بہ وہم در بند نبود
با ہیچ علاقہ سخت پیوند نبود
مقصود منؔ از کعبہ و آہنگ سفر
جز ترک دیار و زن و فرزند نبود

اے آنکہ براہ کعبہ روئے داری
نازم کہ گزیدہ آرزوئے داری
زیں گونہ کہ تند میخرامی دانم
در خانہ زن ستیزہ خوئے داری

زیں موے کہ بر میانِ تست اے بدکیش
باشد کمرت خجل ز بے برگی خویش
آمیزش موئے بامیانے کہ تراست
ہمسایگی توانگرست و درویش

در بزم نشاط خستگان را چہ نشاط
از عربدہ پائے بستگان را چہ نشاط
گرابر شرابِ ناب بارد غالبؔ
ما جام و سبو شکستگان را چہ نشاط

قانع نیم ار بہشت نیزم بخشند
از بخشش خاص تا چہ چیزم بخشند
امید کہ صرفِ رونمائے تو شود
جانے کہ بروز رستخیزم بخشند

آنم کہ بہ پیمانۂ من ساقی دہر
ریزد ہمہ دُرد و دَرد و تلخابۂ زہر
بگذر ز سعادت و نحوست کہ مرا
ناہید بہ غمزہ گشت و مرّیخ بہ قہر

یارب بجہانیان دل خرّم دہ
در دعوی جنّت آشتی باہم دہ
شدّاد پسر نداشت باغش از تست
آن مسکن آدم بہ بنی آدم دہ

خوشتر بود آب سوہن از قند و نبات
باوی چہ سخن ز نیل و جیحون و فرات
این پارہ عالی کہ ہندش نامند
گوئے ظلمات و سوہنست آب حیات

شرطست کہ روے دل خراشم ہمہ عمر
خونابہ بہ رُخ ز دیدہ پاشم ہمہ عمر
کافر باشم اگر بمرگ مومن
چون کعبہ سیہ پوش نباشم ہمہ عمر

غالبؔ ہر پردۂ نوائے دارد
ہر گوشہٗ ازد ہر فضائے دارد
برچید یبوست از دماغم یکسر
بنگالہ شگرف آب و ہوائے دارد

غالب روش مردم آزاد جداست
رفتار اسیران رہ وزاد جداست
ما ترک مراد را ارم میدانیم
وان با غچۂ ضبطے شدّاد جداست

ہر کس ز حقیقت خبرے داشتہ است
بر خاک رہ عجز سری داشتہ است
زاہد ز خدا ارم بہ دعوائے طلبد
شداد ہمانا پسرے داشتہ است

کشتے از موج سوئے ساحل برود
رہرو از جادہ تا منزل برود
خود شکوہ دلیل رفع آزار بست
آید بزباں ہر انچہ از دل برود

اے آنکہ دہی مایہ کم و خواہش بیش
آنروز کہ وقت باز پرس آید پیش
بگزار مرا کہ من خیالے دارم
با حسرتِ عیشہائے نا کردۂ خویش

غالب بہ سخن گرچہ کسے ہمسر نیست
از نشۂ ہوش ہیچت اندر سر نیست
مَی خواہی و مفت و نغز و آنگہ بسیار
ایں بادہ فروش ساقی کوثر نیست

غالب غم روزگار ناکامم کشت
از تنگیٔ دل بحلقۂ دامم کشت
ہم غیرت سر بزرگیِ خاصم سوخت
ہم رشک نشاط مندی عامم کشت

آنرا کہ بود درستے در فرجام ‏ ‏ ‏ ہم محرم خاص آید و ہم مرجع عام
آسان نبود گشاکش پاس قبول ‏ ‏ ‏ زنہار نگردی بہ نکوئے بدنام

در عالم بے زری کہ تلخست حیات ‏ ‏ ‏ طاعت نتوان کرد بامید نجات
اے کاش ز حق اشارت صوم و صلوٰۃ ‏ ‏ ‏ بودی بوجودِ مال چوں حج و زکوات

ہر چند زمانہ مجمع جہّال ست ‏ ‏ ‏ در جہل نہ حال شان بیک منوالست
کودن ہمہ لیک از یکے تا دگرے ‏ ‏ ‏ فرق خرِ عیسیٰ و خرِ دجّال ست

تا میکش و جوہر دو سخنور داریم ‏ ‏ ‏ شان دگر و شوکت دیگر داریم
در میکدہ پیریم کہ میکش از ماست ‏ ‏ ‏ در معرکہ تیغیم کہ جوہر داریم

اے دوست بسوے ایں فرو ماندہ بیا ‏ ‏ ‏ از کوچہ غیر راہ گرداندہ بیا
گفتی کہ مرا مخواں کہ من مرگ توام ‏ ‏ ‏ بر گفتۂ خویش باش و ناخواندہ بیا

شب چیست سویدائے دل اہل کمال ‏ ‏ ‏ سرمایہ دہِ حسن بزلف و خد و خال
معراج نبی بشب ازاں بود کہ نیست ‏ ‏ ‏ وقتے شایستہ تر ز شب بہر وصال

ہر چند تواں بے سر و ساماں بودن
بازیچہ خوئے زشت نتواں بودن
باللہ کہ زدشنہ بر جگر سخت ترست
از کردۂ خویشتن پشیماں بودن

بازی خور روزگار بودم ہمہ عمر
از بخت امیدوار بودم ہمہ عمر
بیمایہ بفکر سود ماندم ہمہ جا
بیوعدہ در انتظار بودم ہمہ عمر

دارم دل شاد و دیدۂ بینا ے
وز کرّی گوشم نہ بود پروا ے
خوبست کہ نشنوم زہر خود رائے
گلبانگ انا ربّکم الاعلا ے

آنرا کہ ز دست بے زری پامال ست
رسوائی نیز لازم احوال ست
ما خشک لبیم و خرقہ آلودہ بہ مے
ساقی مگرش پیالہ از غربال ست

اوراق زمانہ در نوشتیم و گزشت
در فنّ سخن یگانہ گشتیم و گزشت
مے بود دوائے ما بہ پیری غالبؔ
زاں نیز بہ ناکام گزشتیم و گزشت

گر ذوق سخن بدہر آئین بودے
دیوان مرا شہرت پروین بودے
غالبؔ اگر ایں فنّ سخن دین بودے
آں دین را ایزدی کتاب این بودے

از مجموعہ "سبد چین" و "باغ دودر"

زینسان کہ ہمیشہ در روانی مائیم — سرچشمہ راز آسمانی مائیم
لختے زد ساتیر بود نامۂ ما — ساسان ششم بہ کاردانی مائیم

ہر چند خرد ز تاب می پست شود — وز ضعف خرد وہم قوی دست شود
ہر کس کہ خرد دارد ازیں جوہر ناب — آنمایہ چرا خورد کہ بدمست شود

اے دادہ بباد عمر در لہو افسوس — زنہار مشو ز رحمت حق مایوس
ہشدار کز آتش جہنم حق را — تہذیب غرض بود نہ تعذیب نفوس

از دہر دلم دایہ زہر در می جست — از بادۂ ناب یکدو ساغر می جست
فرزانہ مہیش داس بخشید بمن — آبے کہ برائے خود سکندر می جست

یارب تو کجائی کہ بما زر ندہی — بیدرد خدائی کہ بما زر ندہی
نے نے تو نہ غائبی و نہ بیرحمی — بے مایہ چو مائی کہ بما زر ندہی

مؤلف : ظ انصاری

آرٹسٹ : فیض مجدد

خوشنویس : سلامت رضوی، عبدالسلام، شمس اعظمی اور محمد قاسم

ترتیب و تزئین : نورالدین آزاد

کتابت : مارچ سنہ ۱۹۶۹ء

طباعت : فروری سنہ ۱۹۷۲ء

تعداد اشاعت : ۱ ہزار — (بار اول)

طابع : لیڈرز پریس، لولین ممبئی ۱۰

ملنے کے پتے
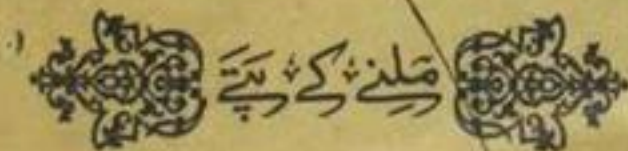
- مکتبہ جامعہ، جامعہ نگر، نئی دہلی
- مکتبہ جامعہ، پرنسس بلڈنگ جے جے ہسپتال ممبئی ۳
- علوی بک ڈپو، محمد علی روڈ ممبئی ۳
- خواجہ پبلشنگ ہاؤس، ۲۸ ٹینک اسٹریٹ ممبئی ۸

قیمت : ۱۵ روپے

ظ۔ انصاری کی کچھ تحریریں

جارج برنارڈ شا (۱۹۵۱ء) حیات اور فن کا مطالعہ (مکتبہ برہان۔ اردو بازار دہلی)

ورق ورق (۱۹۵۲ء) نثر پارے۔ تاثرات (علوی بک ڈپو محمد علی روڈ بمبئی 3)

کمیونسٹ اور مذہب (۱۹۵۸ء) نظریاتی اور عملی پہلو (مکتبہ شاہراہ) اردو بازار دہلی

زبان و بیان (۱۹۵۹ء) تنقیدی مضامین۔ آزاد کتاب گھر (اردو بازار دہلی)

روس کا شاعر اعظم، پوشکن (۱۹۶۶ء) حیات اور فن کا مطالعہ (زیر طبع)

شعر و شاعری (۱۹۷۳ء) پوشکن کے کلام کے ۵۳۰۰ مصرعے۔ منظوم مع دیباچہ

غالب شناسی (۱۹۶۵ء) حیات اور فن کا مطالعہ (علوی بک ڈپو بمبئی 3)

چیخف (۱۹۷۴ء) حیات اور فن کا مطالعہ (ترقی اردو بورڈ۔ نئی دہلی)

سوویت مشاعرہ (۱۹۷۴ء) موجودہ روس کے پندرہ شعرا کا کلام مع تعارف

مطبوعہ ماسکو۔ (یہ مطبوعات مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ دہلی۔ بمبئی سے بھی مل سکتی ہیں)

ترجمے

انقلاب روس (۱۹۴۶ء) ہیولٹ جانسن (قومی دارالاشاعت۔ لاہور)

چینی گاؤں (۱۹۴۹ء) تیس چین کا ناول (کتب پبلشرز۔ بمبئی)

زلفوں کے سائے میں (۱۹۵۱ء) چینی ناولٹ (مکتبہ شاہراہ اردو بازار دہلی)

چین کی بہترین کہانیاں (۱۹۵۳ء) (مکتبہ شاہراہ۔ اردو بازار دہلی)

استالین (دو جلدوں میں) (۱۹۵۳ء) مضامین اور سوانح عمری (.P. P. H نئی دھلی)

مارکسی تعلیم کا سلسلہ (۱۹۵٤ء) (۱۳ جلد) تاریخ، فلسفہ اور اقتصادیات پر مقالے
(.P.P.H نئی دھلی)

روس کی بہترین کہانیاں (۱۹٦۲ء) تین جلدوں میں انتخاب (روسی زبان سے)
پروگریس اشاعت گھر - ماسکو

سوویت یونین کی تاریخ (۱۹٦۲ء) مکمل (جدید) تاریخ - ضخیم کتاب
(پروگریس اشاعت گھر - ماسکو)

دستو ئیفسکی (۱۹۵۸ء) بچارے لوگ (ناول) خواب پریشان (ناول)
(۱۹۷۲ء) جواری (ناول) ذلتوں کے مارے لوگ (ناول)

پوشکن (۱۹٦۰ء) حکم کی بیگم (ناول) منظوم کہانیاں دو ہزار شعر
منظوم ترجمے

چےخف تین سال (ناول)

لیو تالستائے سوانح عمری (جلد اول)

آئتماتوف جمیلہ (ناول)

مارکس اینگلس کی منتخب تصانیف (۱۹۷۱-۷٤ء)
۳ جلدوں میں - پروگریس پبلشر - ماسکو

خمسہ امیر خسرو (۱۹۷۲-۷٤ء) متن علمی و تنقیدی ۵ جلدوں میں

انتخاب غالب - مجموعہ مضامین - منظوم بزبان روسی
دو کتابیں اشاعت کے لئے تیار کیں

۵۵ ھزار الفاظ کے دو جامع لغت : اردو روسی لغت - روسی اردو لغت مطبوعہ ماسکو

———————✲———————